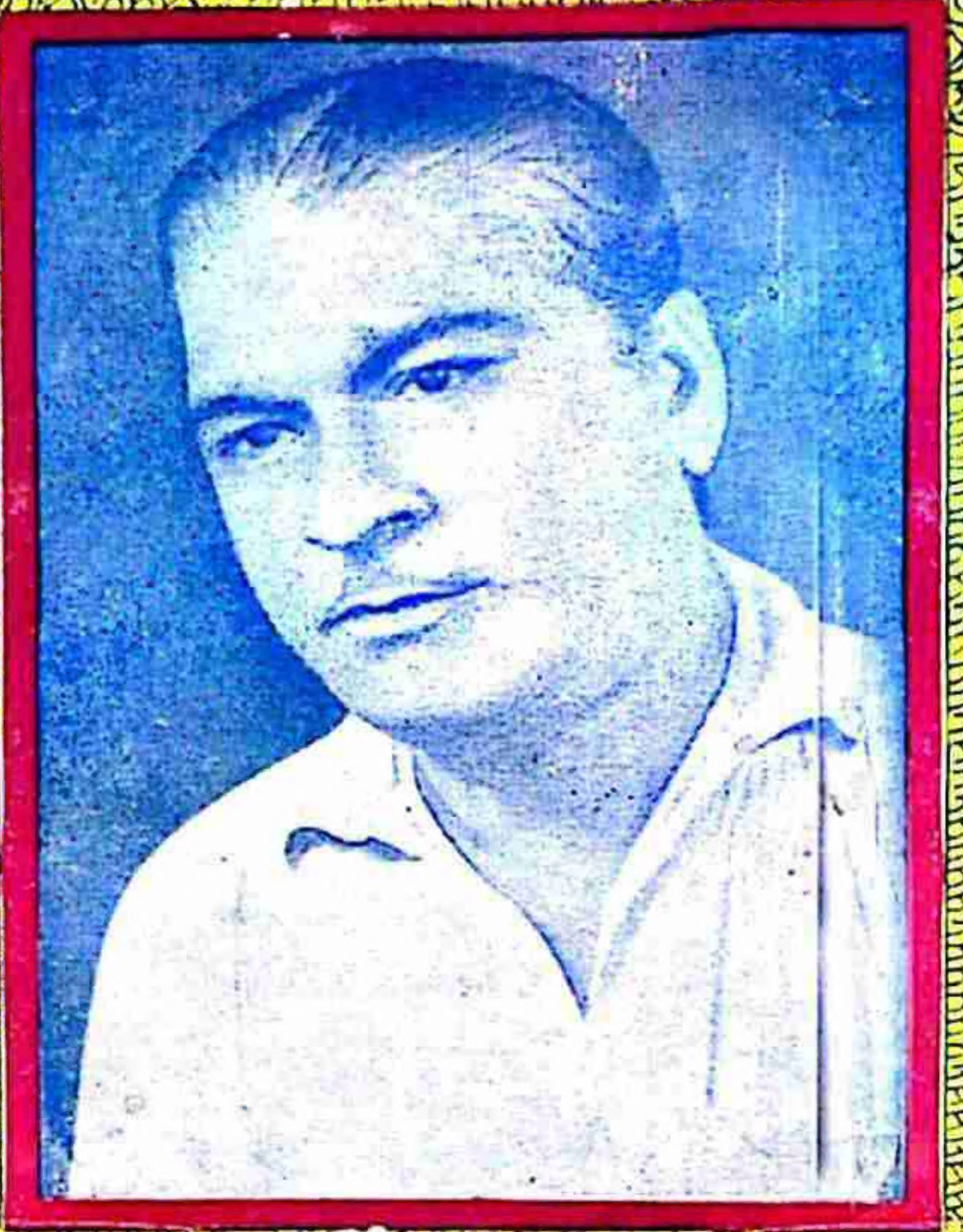


احادیث علیات شیرانی





PDF By :
Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO: +92 307 2128068 ! +92 308 3502081

FACEBOOK GROUP LINK :

<https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/>

97

صبح بہار

شیخ غلام محمد رائد سرتاجران مکتب

میسر بازار امیر اکمل سر پور شہر

خستہ سیرانی کی نظموں کا پہلا مجموعہ

مکتبہ انوکھا جاسوس، کلاں محل دہلی

قیمت قسم دوم آٹھ روپے

24556
24-1-59

عزاد

01 01

LM

~~8911.41081~~

ALLS



41
47 7

مندرجات

صبح بہار حصہ اول

۱ - نذر	۱۳	۱۱ - رفاصہ	۵۶
۲ - تقریب	۱۴	۱۲ - نپولین کی مراجعت روس	۵۷
۳ - پیش لفظ	۱۵	۱۳ - تیتھی	۵۹
۴ - مقالہ (رومانی شاعری)	۱۷	۱۴ - مجھے بد دعا نہ دے	۶۱
۵ - نغمہ اولیں	۲۳	۱۵ - نغمہ سحر	۶۳
۶ - جوگن	۲۴	۱۶ - رویائے شیراز	۶۶
۷ - کلیاں	۲۸	۱۷ - معصومیت	۶۸
۸ - برکھارت	۵۱	۱۸ - گجرات کی رات	۷۳
۹ - آج کی رات	۵۳	۱۹ - اے عشق کہیں لے چل	۷۳
۱۰ - انگوٹھی	۵۵	۲۰ - تنہائی کی دادی میں	۷۸

Abdul
Hameed
مہر

- | | | | |
|-----|---------------------------------|-----|--------------------------------|
| ۱۹۵ | ۱۳۲۔ چودھویں سالگرہ کا تحفہ | ۱۶۵ | ۱۳۔ سرزمین عشق |
| ۱۹۵ | ۱۳۳۔ اڈیٹر کی شان | ۱۶۶ | ۱۴۔ دُعا |
| ۱۹۸ | ۱۳۴۔ بے وفائی زمانہ | ۱۶۷ | ۱۵۔ اندر سجھائیں |
| ۱۹۹ | ۱۳۵۔ ایک تصویر دیکھ کر | ۱۶۸ | ۱۶۔ داوی گنگا میں ایک لٹات |
| ۲۰۰ | ۱۳۶۔ سلمیٰ | ۱۶۹ | ۱۷۔ عشق و آزادی |
| ۲۰۱ | ۱۳۷۔ ایک دوست کی خودکشی پر | ۱۷۰ | ۱۸۔ سلمیٰ دنور جہاں کے مزار پر |
| ۲۰۲ | ۱۳۸۔ ایک نوجوان بت تراش کی آرزو | ۱۷۱ | ۱۹۔ شکوہ |
| ۲۰۳ | ۱۳۹۔ پ۔ کا نغمہ سن کر | ۱۷۲ | ۲۰۔ وقت کی قدر |
| ۲۰۴ | ۱۴۰۔ دنیا کی بہاریں | ۱۷۳ | ۲۱۔ ایک خط کی رسید |
| ۲۰۵ | ۱۴۱۔ کلو پیٹرا | ۱۷۴ | ۲۲۔ بعض رومانی لمحات کی یاد |
| ۲۰۶ | ۱۴۲۔ عورت | ۱۷۵ | ۲۳۔ عیب کا چاند |
| ۲۰۷ | ۱۴۳۔ لالہ صحرا | ۱۷۶ | ۲۴۔ یاد گار علیؑ |
| ۲۰۸ | ۱۴۴۔ نوائے غیب | ۱۷۷ | ۲۵۔ انتظار |
| | | ۱۷۸ | ۲۶۔ خیر مقدم |
| | | ۱۷۹ | ۲۷۔ پیاری چلی جاؤ گی کیا ؟ |
| | | ۱۸۰ | ۲۸۔ شام بنگال |
| | | ۱۸۱ | ۲۹۔ اسلام کا شکوہ مسلمانوں سے |
| | | ۱۸۲ | ۳۰۔ ہرجائی |
| | | ۱۸۳ | |
| | | ۱۸۴ | |
| | | ۱۸۵ | |
| | | ۱۸۶ | |
| | | ۱۸۷ | |
| | | ۱۸۸ | |
| | | ۱۸۹ | |
| | | ۱۹۰ | |
| | | ۱۹۱ | |

لالہ طور حصہ سوئم

- | | |
|-----|--------------|
| ۲۱۰ | ۱۔ نذر |
| ۲۱۱ | ۲۔ جشن بہار |
| ۲۱۲ | ۳۔ خوش آمدید |

۲۵۴	۲۲ - اے ابر رواں	۲۱۴	۴ - اے عشق ہمیں برباد نہ کر
۲۵۵	۲۳ - نغمہ بہار	۲۱۹	۵ - ساقی اٹھ تلوار اٹھا
۲۶۱	۲۴ - ایک خط	۲۲۰	۶ - نذر وطن
۲۶۲	۲۵ - بستی کی لڑکیوں کے نام	۲۲۶	۷ - میرا موجودہ مشغلہ
۲۶۴	۲۶ - آزادی	۲۳۲	۸ - فراق
۲۶۵	۲۷ - ابر سے	۲۳۳	۹ - ساقی سے
۲۶۵	۲۸ - مرنے کے بعد	۲۳۴	۱۰ - خاتمہ جنگ
۲۶۷	۲۹ - میری داستانِ حیات	۲۳۵	۱۱ - گلابانگِ قفس
۲۷۰	۳۰ - شکستِ ظلم	۲۳۷	۱۲ - آمد بہار
۲۷۱	۳۱ - یادِ فرستہ	۲۳۸	۱۳ - پاؤں زخمی ہونے پر
۲۷۲	۳۲ - انانیت	۲۳۸	۱۴ - میدان کی آرزو
۲۷۳	۳۳ - میرا راز	۲۳۹	۱۵ - بڑھے چلو
۲۷۴	۳۴ - عشرتِ رفتہ	۲۴۴	۱۶ - بادل
۲۷۵	۳۵ - دنیا	۲۴۵	۱۷ - برکھارت
۲۷۶	۳۶ - عذرا	۲۴۶	۱۸ - تنہا قاصد
۲۷۷	۳۷ - حوصلے	۲۴۸	۱۹ - ایک پیغام
۲۷۸	۳۸ - زندگی	۲۵۰	۲۰ - فریبِ ہستی
۲۷۹	۳۹ - اپنی مرحوم محبوبہ سے	۲۵۱	۲۱ - طلوعِ محبت سے پہلے

۴۰. انکار پشتو

۲۸۰

طیور آوارہ حصہ چہارم

۱۔ چہرہ نما

۳۸۲

۲۔ غزلیات

۳۸۳

۳۔ رباعیات

۳۹۷

گیت

۴۔ روگ کا راگ

۳۹۸

۵۔ پردیسی کی پریت

۳۹۹

۶۔ بادل کا ندیسہ

۳۷۰

۷۔ برہن کی جوانی

۳۷۱

۸۔ پردیسی سے

۳۷۱

۹۔ انتظار

۳۷۳

۱۰۔ جدائی میں

۳۷۳

۱۱۔ بلاوا

۳۷۴

۱۲۔ سادون کی گھٹائیں

۳۷۵

۱۳۔ کیا روگ لگا بیٹھے پنجاب کی

۳۷۵

ایک مقبول صنعت سخن تصرف کیساتھ تیار کیا گیا

۳۷۶

شہت ساز حصہ پنجم

۱۔ چہرہ نما

۳۷۸

۲۔ پہلا خط

۳۷۹

۳۔ قرآنہ بہار

۳۸۰

۴۔ کئی دن سے

۳۸۲

۵۔ انتظارِ دعوت

۳۸۵

۶۔ بھولی ہوئی خوشبو

۳۸۸

۷۔ غزم رنگیں

۳۹۰

۸۔ جرات آموزی (مستزاد)

۳۹۲

۹۔ رخصت کے بعد

۳۹۴

۱۰۔ منظم رنگیں

۳۹۵

۱۱۔ طلوع بہار

۳۹۸

۱۲۔ ساقی نامہ

۴۰۰

۱۳۔ گاگر بھرتے ہوئے

۴۰۳

۱۴۔ ماتم بہار

۴۰۳

۱۵۔ تجھے مجھ سے پیار کیوں ہے

۴۰۵

۱۶۔ عالم عشق کا فسانہ

۴۰۷

۳۵ - فانی دہلوی

۳۶ - حیاتِ آتشیں

۳۷ - انقلابِ جاپان

۳۸ - خرابی و تعمیر

۳۹ - غزلیات

ماہی

۴۰ - چاندنی راتوں میں

۴۱ - آمدِ بہار

۴۲ - وہ آنکھوں میں بستے ہیں

۴۳ - گھنگور گھٹاؤں سے

۴۴ - دودن کی جوانی ہے

۴۵ - تاروں بھری راتیں

شہر و حصہ ششم

۴۶ - نذر

۴۷ - نعتیں

۴۸ - منظومات

۴۹ - بہارِ یہ

۱۷ - جزیرہ خواب

۱۸ - بہار کی تاروں بھری رات

۱۹ - مفارقت

۲۰ - شبہائے رفتہ

۲۱ - خمارِ شبانہ

۲۲ - لاہور سے گزرنے والوں ...

۲۳ - انقلاب اور مجبوری

۲۴ - ایک تنہا مرغابی

۲۵ - علی گڑھ کے طلباء سے

۲۶ - شہیدانِ جواں

۲۷ - اُجڑے ہوئے پائین باغ میں

۲۸ - نالہ مستانہ

۲۹ - یاد

۳۰ - دیارِ شیریں

۳۱ - مجھے لے چل

۳۲ - سپاہی سے خطاب

۳۳ - فسادِ زوہ ہندوستان

۳۴ - نغمہ امن

۵۰۷	۲۳ - کبھی کبھی کچھ کبھی کچھ	۴۸۱	۵ - یہ دنیا
۵۰۸	۲۴ - دلیران وطن کے نام	۴۸۵	۶ - ساتی سے
۵۰۸	۲۵ - سالِ نو	۴۸۸	۷ - چناروں کی چھاؤں میں
۵۱۰	۲۶ - نعم البدل	۴۸۹	۸ - ننھا ہمان
۵۱۰	۲۷ - بھونپڑی کا دیا	۴۹۱	۹ - نوید
۵۱۱	۲۸ - وطن کے شہیدانِ جنگ	۴۹۳	۱۰ - آٹھار سحر
۵۱۲	۲۹ - عشق و آزادی و شعر	۴۹۴	۱۱ - کرنوں کا گیت
۵۱۲	۳۰ - کان	۴۹۵	۱۲ - ایک عزیزہ کی شادی پر
۵۱۳	۳۱ - کان کا مستقبل	۴۹۷	۱۳ - رخصت دائمی
۵۱۴	۳۲ - طوفان کی آمد	۴۹۸	۱۴ - آئینے
۵۱۴	۳۳ - امیر و غریب	۴۹۸	۱۵ - صبحِ دل آرا سے
۵۱۵	۳۴ - عیادت	۴۹۹	۱۶ - جامِ مئے گنارِ پلا دے
۵۱۶	۳۵ - ایک مزدور کی زندگی	۵۰۰	۱۷ - عید کا چاند دیکھ کر
۵۱۷	۳۶ - فروغِ سحر	۵۰۲	۱۸ - مکالمہ
۵۱۷	۳۷ - پھر ہوائے	۵۰۳	۱۹ - چرواہے کی بنی
۵۱۸	۳۸ - کیا گزری	۵۰۵	۲۰ - انقلاب
۵۱۸	۳۹ - تو ایسے سمے میں پیاری	۵۰۵	۲۱ - برہردو
۵۲۰	۴۰ - غزلیات	۵۰۷	۲۲ - دعوتِ جہاں

۴۱ چھان دقا (سائنٹ) ۵۳۴

۴۲ بیوی سے ۵۳۵

۴۳ تسلیاں ۵۳۶

۴۴ لذت خاموش ۵۳۷

۴۵ تاثیر ۵۳۸

۴۶ مہاجرہ ۵۳۹

۴۷ اداں ۵۴۰

۴۸ رہٹ کی آواز سن کر ۵۴۱

۴۹ مشربتی آنکھیں ۵۴۲

۵۰ راحت رفتہ ۵۴۳

۵۱ سالگرہ ۵۴۵

۵۲ فکاکا ہا ت

۵۳ ذوقِ ہمرنگی ۵۴۷

۵۴ شاعروں کا دام گیسو ۵۴۸

۵۵ لطفِ تمبیل ۵۴۹

۵۶ اے کشتہ فولاد ۵۴۹

۵۷ مطائبہ ۵۵۲

۵۸ ماہی (سوالات) ۵۵۶

۵۹ سونہ نا تمام ۵۵۹

۶۰ مرثیہ ۵۶۷

نغمہ رزم حصہ ہفتم

۱۔ دُعا ۵۷۱

۲۔ سال نو ۵۷۲

۳۔ شمعِ حرم ۵۷۳

۴۔ آخری اُمید ۵۷۶

۵۔ رات کے فرشتے ۵۷۹

۶۔ پردیسی پی کی یاد ۵۸۰

۷۔ سرودِ حیات ۵۸۱

۸۔ نارضا مندی کی شادی ۵۸۲

۹۔ ماں ۵۸۴

۱۰۔ اُن کا خیال ۵۸۶

۱۱۔ عورت ۵۸۷

۱۲۔ مدرسے کی لڑکیوں کی دُعا ۵۸۸

۱۳۔ سادوں کی گھٹا ۵۸۹

۱۴۔ چھوٹا ۵۸۹

۶۲۵	۲۹ - اندھی لڑکی	۵۹۱	۱۴ - باغوں کی بہاریں
۶۲۸	۳۰ - پہلا خط	۵۹۲	۱۵ - ایک لڑکی کا گیت
۶۳۰	۳۱ - بازی گاہ ہستی	۵۹۳	۱۶ - نور جہاں
۶۳۱	۳۲ - عورت	۶۰۴	۱۷ - وادی گنگا میں ایک رات
۶۳۳	۳۳ - حسن معصوم اور اسکی محافظ خور	۶۰۶	۱۸ - شبِ برات
۶۳۵	۳۴ - ایک سہیلی کا پیغام دوسری کئی	۶۰۷	۱۹ - ایک سہیلی کی یاد (سراں میں)
۶۳۷	۳۵ - مامتا	۶۱۰	۲۰ - پنہاریاں (گیت)
۶۳۹	۳۶ - چاندنی رات میں	۶۱۱	۲۱ - انجام ہستی
۶۴۰	۳۷ - غیب	۶۱۶	۲۲ - دیکھ لے کنول کے پھول
۶۴۱	۳۸ - تاروں کی بستی	۶۱۷	۲۳ - عورت اور پھول (موازنہ)
۶۴۲	۳۹ - بانسری کی آواز	۶۱۹	۲۴ - ایک عزیزہ کی شادی پر
۶۴۵	۴۰ - عیادت	۶۲۲	۲۵ - عورت اور پردہ
۶۴۶	۴۱ - سالگرہ	۶۲۴	۲۶ - نویدِ عید
۶۴۷	۴۲ - رونق کا شانہ آگئی	۶۲۶	۲۷ - شوہر کے تابوت پر
	خاتمہ	۶۲۸	۲۸ - میلانے شب

مناسکے

”س“

شاہ شمشاد قداں، خسر و شیریں دہناں
مست بگذشت و نظر بر من درویش انداخت
تا کہ از سیم و زرت کیسہ تہی خواہد بود
کمتر از ذرہ نہ ای، پست مشو، ہر بورزا
دہن دوست بدست آرد و دشمن بگسل
بر جہاں تکیہ کن، ورق دے می داری
کہ بزرگاں شکنند قلب ہمہ صفت شکنان
گفت کالجے چشم و چراغ ہمہ شیریں سخنان
پند ما بشنو و بخور ز ہمہ سیم تنان
تا بخلو تا کہ خورشید رسی چرخ زناں
مردیزداں شود ایمن گذرازا ہر منان
شادی ز ہرہ حبیبیناں خورد و نازک بدنان

گفت حافظ من و تو محرم این از نہ ایم
از مے لعل حکایت کن و سیمیں دقتاں

نقشب

کہو ز اہد سے کیوں ہے اس قدر فردوسِ چ نازان
ہزاروں جنتیں آباد ہیں تخیلِ خستہ میں!

(آغا حشر کاشمیری)

پیش لفظ

ایک دستِ حجامِ بان ویک دستِ مُلفِ یار
قصِ چندیں ”بہ صحنِ گلِ ستاخم“ آرزو است !

(مولانا رومی)

سن اشاعت ۱۹۵۷ء

مقام اشاعت دہلی

ادارہ اشاعت ”مکتبہ انوکھا جاسوس“ کلاں محل دہلی
مطبع اشاعت :- محبوب المطابع دہلی

قیمت برائے ہندوستان

قسم اول مع تصاویر - دس روپے

قسم دوم - آٹھ روپے

۱۷ اُردو کی رومانی شاعری اور اختراعی ایک مقالہ جو پٹنہ کالج میں پڑھا گیا

پروفیسر سید اختر احمد اختر اور نبوی ایم اے
اُردو شاعری کا جو وجودہ دور عہد رومان کہا جاسکتا ہے۔ دورِ جدید کی شاعری
اپنے تمام اختلافات کیساتھ ایک مشترک روح رکھتی ہے۔ جو رومانیت کے سرچشمے سے
سیراب ہو رہی ہے۔

شاعری کیا ہے؟ یہ بھی زندگی کی مختلف کیفیتوں کی طرح ایک کیفیت ہے اور
رومانیت ایک خاص انداز کیفیت زندگی ہے۔ نفس کی ایک مخصوص حالت کو
رومانیت سے تعبیر کرتے ہیں جس میں جذباتی کیفیات عقلی کیفیات سے زیادہ نمایاں
ہوتی ہیں اور تخیل کے سمندر ناز کو ایک اور تازہ لگ جاتا ہے۔
تخیل و جذبات کا ابھر جانار رومانیت کی روح رواں ہے۔ رومانیت کی
ایک خصوصیت 'انفرادیت' ہے، مگر انفرادیت رومانیت کا سبب نہیں نتیجہ ہے۔
رومانی تخیل کائنات کو ایک نئے طور پر دیکھتی ہے اور رومانی جذبات عالم کو ایک
جدید رنگ میں ڈوبا ہوا پاتے ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ انفرادیت ہے۔
رومانی شاعری زندگی کی تعمیر نو ہے۔ یہ روح کا ارمان بہشت آفرینی ہے
انسانی دل کی ازلی تشنگی کی بے قراریاں اس کی رگ جاں میں پھرکتی ہوئی نظر آتی ہیں
رومانیت برنامی حیات کا خواب بیداری ہے جب نفس پر رومانی رنگ چڑھتا ہے تو

دل ایک بالیدگی محسوس کرتا ہے اور روح کا افق وسیع تر ہوتے ہوئے لا محدود ہو جاتا ہے اور اس افق بے کراں کی آغوش میں آفتاب ہائے تازہ انوار فشاں ہوتے ہیں۔ رومانی شاعر جب مناظر فطرت اور مظاہر حیات سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ تو وہ لطف اندوزی باطنی ہوتی ہے اس وقت حسن و صداقت ہم آغوش نظر آتے ہیں۔

موجودہ رومانی شاعری نفسیاتی اثر کے ماتحت ظہور پذیر ہوئی ہے۔ یہ تجدید ہے اردو شاعری کی رومانیت اولیں کی جس طرح انگریزی شاعری میں ایک شیکسپیر رومانی دور تھا اور دوسرا درڈز دور تھا اور شیلیے کا اسی طرح اردو شاعری کا پہلا رومانی دور میر و مرزا کا عہد تھا۔ اور دوسرا رومانی دور عہد حاضر ہے۔ رومانیت کے عروج ہی کے زمانہ میں یعنی غالب و مومن کے دور میں ”کلاسیک“ نے جڑ پکڑ لی تھی حالات کا اختلاف یا بزبان دیگر ماحول کا اختلاف دونوں رومانی دوروں میں بہ الامتیان ہے جو ذہنی۔ اقتصادی سیاسی حالات آج موجود ہیں وہ اس وقت نہ تھے۔ لیکن نفسیاتی نقطہ نظر سے دونوں یکساں ہیں۔ کیوں کہ دونوں پر جذبات و تخیل کی حکومت ہے۔

قبل اس کے کہ موجودہ رومانی شاعری کی تخلیق و تاسیس ادا تقاء و عرصہ پر نظر ڈالوں۔ نفسی حیثیت سے ادب میں انقلابات کے وجود پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں ادب حیات کا ”نیض پیم“ ہے۔ زندگی کو اگر آپ ایجاز بلیغ کی صورت میں دیکھنا چاہتے ہوں تو ادب کو دیکھئے۔ عروس حیات آئینہ ادب میں اپنی صورت دیکھتی ہے۔

پہلے نفس میں انقلاب ہوتا ہے۔ پھر اس کا اثر زندگی کی مختلف کیفیاتوں میں عکاسی نظر آتا ہے۔ اگر انقلاب نفسی کے اظہار کی اور راہیں سد و دہیں تو انقلاب کا اثر ادب میں بہت گہرا نظر آئے گا۔ اب آئیے حقیقت انقلاب کا تجزیہ کیا جائے۔ انسان کی روح بھی اس کے جسم کی طرح ”اجزائے مختلفہ“ سے بنتی ہے۔ گو ”کل“ کی طرح یہ مختلف ”جز“ بھی لطیف، غیر مرنی اور غیر مادی ہوتے ہیں جب جسم میں کسی عنصر کی کمی ہو جاتی ہے، تو اس کی شدید خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ اگر میٹھا کھاتے رہیے تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ نمک کی طرف آپ کو ناقابل برداشت رغبت ہوگی۔

حیوانی دنیا میں بھی امر مذکور کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ہرنوں کا گروہ ناگاہ، امریکہ کے جنگلوں کے شاداب سبزہ زاروں کو چھوڑ کر سوکھی ہوئی بھیلوں کی طرف دیوانہ وار دوڑ جاتا ہے۔ تاکہ وہاں جا کر نمک چشی کرے۔ جب نمک کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو سارا گلہ چلا گا ہوں کو واپس آ جاتا ہے۔ سیاسی، معاشی، مذہبی و معاشرتی انقلابوں کی بنیاد بھی نفس ہی میں پڑتی ہے۔

انسانی روح کے اجزائے تعمیری کی کمی و بیشی نفسی انقلاب کا سبب و دلیل ہوتی ہے۔ اگر انسانی نفس کو صرف عقلی فضائیں ملتی رہیں۔ تو ایک وقت وہ جذبات سے سیراب ہو جاتا ہے تو نفس عقل کی بھوک محسوس کرتا ہے۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اُسے تنہا بھی چھوڑ دے

موجودہ رومانی رجحان منظر ہے۔ اس نفسی انقلاب کا جو معاشرہ کی روح میں آیا اور یوں تو ظاہر اُردو عمل ہے لکھنؤ اسکول کی ”کلاسی“ (Classical) شاعری کے خلاف مگر باطناً خود کلاسی شاعری منظر تھی۔ اس دور کی نفسی حالت کی معاشرہ کا ”نفس اجتماعی“ (Collective Soul) ادب کے ذریعے ظہور کرتا ہے۔

اب آئیے، سرا ہے، ذرا کلاسیٹ“ (Classics) اور اردو کی کلاسی شاعری کا جائزہ لے لیا جائے۔

لکھنؤ کی کلاسیکل شاعری

دہلی کی بربادی کے بعد لکھنؤ کا عروج ہوا، اور

آرزوئے جدت میں لکھنؤ اسکول کی بنا پڑی

یوں تو نصیب دہلی نے خالص کلاسی شاعری کے نمونے پیش کئے۔ مگر اس صنف گونا گویا اور ان کے پیروؤں نے تکمیل کے ساتھ برتا۔ لکھنؤ نے دہلی سے الگ ہو کر ایک جدید تہذیب کی ابتدا کی۔ مگر اس جدت میں زندگی نہیں تھی ہندوستان کے اردو نواز طبقہ پر اضمحلال طاری ہو چکا تھا۔ ہر سو پستی تھی۔ ہر جانب موت لکھنؤ کی نئی تہذیب حیات سے ہم کنار نہ تھی۔ بلکہ وہ ایک سوانگ تھی زندگی کا۔ صرف ادب و شاعری میں نہیں بلکہ تہذیب کے ہر شعبہ میں لکھنؤ پر ایران کی کلاسیٹ کا اثر پڑا جس طرح پوپ اور ڈرائیڈن کے زمانہ میں لاطینی کلاسیٹ کا انگریزی ادب و تمدن پر اثر پڑا تھا۔

کلاسیٹ کی خصوصیات یہ ہیں کہ نفس شعر سے زیادہ قواعد و ضوابط کی پابندی الفاظ کی تراش تراش، آرائش و زیبائش اور صنائع و بلائع پر زور دیا جاتا ہے۔

ایسی شاعری کی مثال حنوطا شدہ لاشوں کی سی ہے۔ خارجی شوخی و طرحداری پر تو کافی دقت صرف کیا جاتا ہے۔ مگر روح کا فقدان ہوتا ہے۔

کلاسی شاعری میں انفرادیت کا فقدان تھا۔ کیونکہ انفرادیت نتیجہ ہے زندگی کا۔ اور کلاسی شاعری ایک دم توڑتی ہوئی تہذیب کی زبان تھی۔ دبستان لکھنؤ نام ہے بے چارگی کی تقلید کا۔ بیمار جذبات کا۔ مدفن تخیل کا!

کلاسیت کی خوبی یہ ہے کہ اس دبستان میں بے راہروی خود سری و جنوں پسندی نہیں، جذبات کی باگ کامل طور پر عقل کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ کلاسیت ناکاروں کے ہاتھوں میں فرسودگی اور موت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مگر باکار شخصیتوں کے قبضے میں آکر تناسب فن کی بہترین منظر ہوتی ہے۔ اردو کی خوش بختی سے لکھنؤ میں ایک نابغہ "Genius" پیدا ہوا جس نے کلاسیت اور رومانیت کو ہم دست کر دیا۔ نابغہ قواعد کا پابند نہیں ہوتا۔ بلکہ قواعد کو پابند کر لیتا ہے۔ وہ کسی دبستان (School) کا پیرو نہیں بلکہ دبستان اسکی پیروی کرتے ہیں۔ وہ ماحول سے متاثر تو ضرور ہوتا ہے، مگر ماحول پر بھی اپنی خاستگی کی ہر گاہ جاتا ہے۔ نابغہ اپنے زمانے کا فرزند تو ہوتا ہے، مگر آنے والے زمانے کا باپ بھی۔

انیس کلاسیت کے تقلیدی دور میں رہ کر بھی کلاسیت سے بلند تھا۔ اسکی شاعری میں ہمیں کلاسیت اور رومانیت کی خوبیاں نظر آتی ہیں اور ان کی برائیاں وہاں ناپید ہیں۔ انیس کا آرٹ یونان کے شاہیر ادیب شعر کے فن سے مشابہ ہے

اس استثناء کے علاوہ دور کلاسیکیت کی شاعری ایک فرسودہ مضمعہ ہے۔ بیمار۔ بے جان اور غیر فطری شاعری تھی۔

جس طرح ناامیدی کے قلب میں امید کی چنگاری روشن ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح کلاسیکیت کی تاریکیوں میں افق بہار پہا یک تابندہ ستارہ صبح طلوع ہوا ہرچند کہ شاد کلاسیکوں کی پیداوار تھی۔ مگر ان کی شاعری میرا دردِ مومن کی یاد دلاتی ہے۔ یہ تھی رومانیت کی صبح صادق۔ اس کے بعد رومانیت کے شفقِ نازدوں میں نظیر اکبر آبادی اور حالی نے لالہ کاریاں کیں۔

اردو شاعری سے نظیر کا دہی تعلق ہے جو برنس Burns کا انگریزی شاعری سے ہے۔ دونوں نے رومان کی بانسریاں بجائیں مقامی لے کے ساتھ گران کے نغمہ بلا کے دلفریب تھے۔ کسی پرستان سے آنے والے گیتوں کی طرح اور حالی کی مثال ورد زور تھے (Wordsworth) اور کولریج Coleridge سے دی جاسکتی ہے۔ حالی کا مقدمہ شعر و شاعری ”لیریکل بلاؤز“ Lyrical ballads کے دیباچہ Preface کی طرح ہے۔ دونوں دیباچوں نے اپنی اپنی شاعری میں انقلاب برپا کر دیا۔ غرض نظیر۔ حالی اور شاد۔ رومانی شاعری کے علم بردارانِ اولیں ہیں۔

اب میں رومانی شاعری کے

اردو میں رومانی شاعری کا دوسرا دور پس منظر (Back Ground) اور ماحول (Environment) اور ان ہیجانت و تحریکات

کی طرف رجوع کرتا ہوں جہنوں نے اس پر اپنا اثر ڈالا۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سارے ہندوستانی معاشرے پر ایک نشانہ اثر تھا۔ ایک عالی تمدن کی سر بلحاظ عمارت کے کھنڈروں کی اینٹیں بٹ رہی تھیں ہر طرف تخریب۔ ہر سو تباہی تھی۔ فطرت ایک ایسی نسل کو مٹا رہی تھی جس نے اپنے مٹنے کا سامان خود کیا تھا۔ اپنے ہاتھوں لوگوں نے اپنی قبریں کھود لی تھیں اور اب غیر ان کی لاشیں دفن کر رہے تھے۔ ان بد بختوں کو تو اپنی تباہی کا احساس بھی نہیں رہا تھا۔ نوزائیدہ نسل جو اگرچہ آدم کے گناہ کی وارث تھی، اپنے دل میں ایک بے اطمینانی محسوس کر رہی تھی۔ کیونکہ فردوس گم شدہ ہیں اس سے تو خطائیں سرزد نہیں ہوتی تھیں۔ وہ کیوں سزائیں بھگتے۔ بیٹا اپنے باپ سے مختلف بھی ہوتا ہے اور مشابہ بھی۔ جدید نسل کی روح نیم معصوم ضرور تھی۔ لہذا یہ اپنی موجودہ حالت پر مطمئن نہ تھی۔ اسے جنت کی بازیافت کی آرزو ستانے لگی تھی۔ لوگ چاہتے تھے کہ حالات بدلیں۔ یہی حالت تھی کہ مغربی تہذیب کے اقدام نے معاشرہ کو اور چونکا دیا۔ مغربی تعلیم و تہذیب اور معاشرت کا اثر ہوا جو کہ چراغ کا شائد اغیار میں جلتے نظر آئے۔ عیسائی مشنریوں کی تلک و دوڑ نے آرام سے سوئے ہوئے عقائد تک کو جھنجھوڑ کر تحت الشعور کے گوشہ عافیت سے جگایا۔ یہ بے اطمینانی کا دور تھا۔ جو اپنا دامن ہمارے زمانے تک وسیع کئے ہوئے ہے اور یہی رومانیت کا بیج ہے۔ رومانیت نام ہے روزمرہ کی بے کیفی سے اجتناب کا۔

عین اس وقت دو تحریکیں آگے آئیں۔ ایک تو علی گڑھ کی تحریک دوسری پنجاب کی۔

علی گڑھ کی تحریک یہ تھی کہ فرسودگی کے خیال کو معاشرے سے رفع کرنا چاہیے اور جدید بنیادوں پر تہذیب کی عمارت اٹھانی چاہیے۔ اس تحریک سعد کا یہ نتیجہ ہوا کہ سماج میں ایک روشن خیال طبقہ پیدا ہو گیا۔ جو نئی تعلیم سے آراستہ تھا۔

دوسری تحریک کا مرکز پنجاب تھا۔ اس تحریک کی یہ کوشش تھی کہ لوگ پھر تہذیب حجاز کی طرف رخ کریں۔ پھر وہی اگلے دلوے پیدا ہوں۔ پھر وہی سادگی ہو۔ اور روح کی بیداری۔ اس تحریک کی بنیاد جذبات پر تھی اور یہ عقل کے میدان میں بھی جذبات کے گل بوٹے اگانا چاہتی تھی۔

لازمًا دوسری تحریک کا اثر پنجاب کی رومانی شاعر پر پڑا۔ موجودہ بے کیفی سے انحراف اور ایک نئی دنیا کی تعمیر یہ تھی بنیاد رومانی شاعری کی۔ زندہ دلاں پنجاب نے اس بے کیفی کا علاج ماضی میں تلاش کیا۔ اور تہذیب کا نمونہ تہذیب حجاز کے پرشکوہ آثار میں ڈھونڈا۔ اس گروہ کے سالار کارواں اقبال ہیں۔

پہلی تحریک کا اثر صوبہ متحدہ میں ہوا۔ اس گروہ کے علمبردار جوش ملیح آبادی ہیں۔ ان کی رومانیت ایک نئی دنیا کی تعمیر چاہتی ہے۔ یہ انقلاب کے رجز خواں ہیں اس جماعت پر یورپ کی جدت نے اپنا اثر ڈالا۔ یہ مغرب پر مغرب کے جدید ترین ہتھیاروں سے ہی فتح پانی چاہتے ہیں۔ اور اول الذکر گروہ عربی نیردوں پر بھروسہ رکھتا ہے۔ ایک مستقبل کو ماضی کے آئینہ میں دیکھتا ہے اور دوسرا مستقبل کو مستقبل

کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے۔

جس طرح بائرن اور کیٹس تہذیب یونان کے شیدائی تھے۔ بالکل اسی طرح
اقبال تہذیب حجاز کے گرویدہ ہیں اور جوشت انقلاب کا قہرنا پھونکتے ہیں۔
انقلاب فرانس نے انگریزی رومانی شاعری کو متاثر کیا تھا اور انقلاب
روس نے اردو کی رومانی شاعری پر اثر ڈالا۔

ہندوستان میں جنگ عظیم سے پہلے ہی تحریک آزادی شروع ہو چکی تھی۔
حریت کی رگوں میں خون دوڑنے لگا تھا۔ کہ جنگ عظیم کی قیامت برپا ہوئی اور اس
کے اختتام پر روس کی زاریت تباہ ہو گئی اور کتنے شہنشاہوں کی کچ کلا ہیا خاک
میں مل گئیں۔

جنگ کے بعد ہندوستان میں ترک موالات کی تحریک کا عروج ہوا۔ اور
پھر پے پے قانون شکنی اور عدم ادائیگی محصولات کی مہمیں شروع ہوئیں۔ دوسرے
ممالک میں بھی انقلاب پر انقلاب ہو رہے تھے۔ ترکوں نے فرسودہ جامہ خلافت
کو اتار کر پھینک دیا۔ اور جمہوریت کی بنا ڈالی۔ ایران نے بھی جمہوری نظام کو پسند کیا۔
شہنشاہیت اور جمہوریت کے درمیان والی کڑی ”آمریت“

(*Dictatorship*) ہے۔ ہند روس۔ جو مینی۔ ترکی۔ ایران وغیرہ میں

یہی نظام سلطنت پسند کیا گیا کہ یہ تربیت ملک و ملت کیلئے نہایت ضروری ہے۔

ان تبدیلیوں کے علاوہ معاشرے میں ذہنی انقلاب بھی ہو رہا ہے۔ پرانے

منظرے بدل رہے تھے۔ ماضی کے قوانین پر نکتہ چیںیاں زوروں سے شروع ہو گئی

تھیں فلسفہ اخلاق پر نظر ثانی کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ اور "نسائیات" کے متعلق لوگ زیادہ فطری طور پر غور کرنے لگے تھے۔ داعیات شباب اور جنسیات ہر چند کہ پرانے طرز کے لوگوں میں قطعی مردود تھے۔ مگر ایک طبقہ ایسا ضرور پیدا ہو گیا تھا جو فطرت کی پکار پر کان بند کر لینا پسند نہیں کرتا تھا۔ "مہنجوں" اور "سہترہ آغاز" بہت زار و کی جگہ اب "سکے" اور "عذرا" لینے لگی تھیں۔

اسی ماحول میں ہماری موجودہ رومانی شاعری پرورش پا رہی ہے۔ اور اب تک پرورش پا رہی ہے۔ ابھی ہمارے ماضی قریب اور حال میں چنداں تفاوت پیدا نہیں ہوا۔

"حجازیت" اور "انقلابیت" کے دو بڑے دھاروں کے علاوہ "نیت" کی اور سوتیں بھی ہیں جن میں "وطنیت" اور حسن پسندی کو امتیاز حاصل ہے۔ "وطنیت" نے چکبست کو ترجمان بنایا اور "زلیخا کے رومان" نے اختر شیرانی کو اپنا "یوسف" بنانے کے لئے چن لیا۔

اگر چکبست۔ بھیم وارچن۔ کرشن و رام کے قصیدہ خواں ہیں تو اختر سلی کے حسن صلیح کی یاد میں نغمہ سنج ہیں۔

اقبال جوش اور چکبست تینوں دورز میں (Millennium) کے خواب دیکھتے ہیں۔ اقبال کے خواب کی تعبیر حجاز میں ہے۔ جوش کی انقلاب میں اور چکبست کی ہندو قدیم میں۔ یہ تینوں فرسودہ دنیا کو بدل کر ایک نیا عالم رنگے بو تخلیق کرنا اور حالات کا مقابلہ کر کے اسے تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی شاعری

پیغام عمل ہے۔ ان تینوں کی رومانیت میں عملیت ہے۔

ان کے برخلاف اختر شیرانی کی رومانیت پیر
اختر کی شاعری کا پس منظر

نے من و سکون کی تلاش عالم حسن میں کی وہ اس دنیا سے دور ایک نئی دنیا بانی
چاہتا ہے۔ اس کی شاعری میں رگِ جہر و غل نہیں۔ وہ دنیا کو تبدیل کرنے کی آرزو
تو رکھتا ہے۔ مگر اس میں تاب مقابلہ نہیں۔ اختر کا کلیجہ بھی ناحول کی بے کیفی اور پستی
سے ریش ریش ہے۔ وہ حسن کے تبسم سے اپنے زخموں پر رحم رکھنا چاہتا ہے۔ مگر تبسم
قاتل اور نمک انشاں ثابت ہوتا ہے۔ اختر اس دنیا سے ہجرت کر کے ایک دوسری
دنیا میں پھولوں سے لسی ہوئی دنیا میں، حسن و رعنائی کی دنیا میں، شراب و شباب کی دنیا
میں چلا جانا چاہتا ہے، تاکہ اس کی روح کو چین نصیب ہو۔ غرض حسن کا ایک وسیع
تر مفہوم اختر کے لئے پیغام سکون ہے۔ ملاحظہ ہو غصہ

اے عشق کہیں لے چل۔ اس باپ کی بستی سے

نفرت کہ عالم سے لعنت کہ ہستی سے

ان نفیس پرستوں سے۔ اس نشن پرستی سے

دور اور کہیں لے چل

اے عشق کہیں لے چل

آنکھوں تلے پھرتی ہے، اک خواب نما دنیا

تاروں کی طرح روشن، ہناب نما دنیا

جنت کی طرح رنگیں، شاداب نما دنیا

بلند و ہیں بے چل

اے عشق کہیں بے چل

آئیے! اب ہم اختر کی نوآبادی کی سیر کریں۔ نوآبادی

جس کو اس کی رومانیت نے دنیائے مثال میں پایا

اختر کی شاعری کی فضا

ہے۔ اس جہان تازہ کے آسمان کے تارے زیادہ روشن اور دلفریب ہیں۔ اس کی

زمین زیادہ خوش رنگ اور زیادہ خوشبودار پھولوں سے معطر ہے۔ اس کی خاک

ہوائیں بے خانہ بدوش ہیں۔ وہاں کی فضا میں کف و مستی کی ارزانی ہے۔ وہ ایک

دنیا ہے۔ اختر کے سانیٹس (Sonnets) پڑھئے۔ آپ فوراً ان کے

ساحرائے اثر سے اس خواب نما دنیا میں پہنچ جائے گا اور دیکھئے گا کہ

منظر کے سامنے رقصاں ہیں رنگیں وادیاں گویا

آپ کو "افق پر موجزن آداخ خوابوں کی گھٹائیں" دیکھائی دیں گی۔ آپ "ستاروں

کے سمندر، ماہتابوں کے جزیرے" دیکھئے گا۔ اور وہاں

سائے بھی ہے پہلو میں سلمیٰ کی محبت بھی

اختر کی تقریباً ہر نظم میں آپ کو اس کی مثالی دنیا کے جلوے نظر آئیں گے۔

کہیں وہ جلوہ سبے محابا ہو گا۔ اور کبھی اس کی ایک جھلک آرزو انگیز ہو گی۔

اختر شیرانی کی زندگی اور شاعری کے بہت سے

پہلو کیش Meats کی زندگی اور شاعری سے

اختر کی شاعری کی خصوصیات

ملے ہوئے ہیں۔ اختر نے بھی کیٹس کی طرح عالم مثال کے حسن کو عالم مجاز میں دیکھا۔ کیٹس کی فنی اور اختر کی سلیٹے ان کی شاعری کی روح ہیں۔ دونوں شاعر ناکام کے نوحہ خواں ہیں۔ کیٹس کی طرح اختر کی شاعری شدید قسم کی جذباتی شاعری ہے۔ اختر کی نظم ”اے عشق کہیں لے چل“ اور ”آج کی رات“ جذبات شدید کے مظہر ہیں ”ادیس سے آنے والے بتا“ بھی دروسے چور جذبات کی ترجمان ہے۔ ملاحظہ ہو ”آج کی رات“

کا آخری بندہ ہم میں کچھ جرات گویائی بھی ہوگی کہ نہیں

ہمتِ ناصبیہ فرمائی بھی ہوگی کہ نہیں!

شرم سے دور شکیبائی بھی ہوگی کہ نہیں!

”یوسفِ دل“ سے ”زلیخا“ بھی ہوگی کہ نہیں

آج کی رات! اُن ادیب کے خدا آج کی رات!

”آج کی رات! اُن ادیب کے خدا آج کی رات“ میں جذبات کا سیلاب بند

ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جذبات کی شدت سے تھک کر شاعر آخری بار پُر زور

اظہار جذبات کر کے دل تھام کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ جذباتی نظم کا نہایت

ہی فطری اختتام ہے۔

اختر کی شاعری میں حواسیہ *passious* کی انداز بہت نمایاں ہے اور اس

خصوصیت میں بھی وہ کیٹس کا شریک ہے۔ یوں تو خارجی مظاہر و آثارِ حواس کے

ذریعے سے ہر دل کو متاثر کرتے ہیں۔ مگر بعض شعراء میں یہ تاثرات روح کی لطافت

سے دافرحصہ پا کر جذبات کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں اور بعض میں سواسیہ

اطلاعات اس درجہ شدید ہوتی ہیں کہ روح کی لطافتوں کا امتزاج ان سے نہیں ہو سکتا۔ اور جذبات خارجی محسوسات کو بغیر داخلی رنگ دیئے ہوئے نمایاں کر دیتے ہیں۔ کیٹس اور اختر دونوں کے یہاں حواسیہ حسن پسندی ہے۔ مگر کیٹس اس منزل سے گذر کر روح کر و سموتوں میں بھی گرم سفر ہوتا ہے۔ وہ ”حواسیہ حسن پسندی“ کے بعد ”حسن قدرت“ *Beauty of Nature* اور ”صداقت“ *Beauty of Truth* کو بھی دیکھ لیتا ہے۔ مگر اختر کی شاعری کو شاید ابھی یہ منازل پسند نہیں آئیں۔ اس کی نظر اس مقام تک پہنچ جاتی ہے۔ اس بارے میں اختر پر عربی شاعر کا اثر ہے۔ امراء القیس کی طرح اختر بھی فطری جذبات کا اظہار نہایت سادگی سے کر دیتا ہے۔ اختر شیرانی کا عام رنگ ملاحظہ ہو: —

میری آغوش میں ہو گا وہ جسم مر مر میں کا
وہ اُس کے سر میں کا کل وہ سوتے نازنین اس کا
وہ خسار حسین اس کے وہ حسن یا حسین اس کا
وہ جس سے شوق کی دنیا کو ہر کانٹے کی وادی میں
سنا ہے میری سلمے رات کو آئے گی وادی میں
تمناؤں حیا کی کش مکش کیوں کر مٹاؤں گا
میں اُس کے یاس میں پیکر کو کیسے گدگداؤں گا
اور اُس کے لعل لب سے کس طرح بوسے چراؤں گا
وہ پھولوں اور ستاروں سے بھی شرمائے گی وادی میں

سنا ہے میری سائے رات کو آئے گی وادی میں

اختر کی حواسیہ شاعری ایک پراپیگنڈا (propaganda) یعنی انتہائی لذت پسندی کے غار میں جا گرتی ہے۔ اگر اختر ان مقامات سے گزر جائے یا گزر جانے کی سعی کرتے رہتے تو ان کی نغز شیں زیادہ پیاری معلوم ہوتیں۔ مگر ان کی شاعری میں ناقابل عفو وجود نظر آتا ہے ملاحظہ ہو ان کی لذت پسندی سے

یہ نغمے، یہ ترانے، یہ شراب و شعر کا عالم

یہ آرائش مکانات کی، یہ زیبائش مکینوں کی

یہ رعنائی حسینوں کی، یہ صحبت نازنینوں کی

یہ عمریں، یہ بہاریں، یہ شباب و شعر کا عالم

نہ لے جا خلد میں یارب ہمیں رہنے دے تو مجھ کو

یہ دنیا ہے تو جنت کی نہیں ہے آرزو مجھ کو

اور ان دنوں تو ان کی شاعری میں شدید انحطاط کے آثار نظر آتے ہیں سنئے!

ذکر شب وصال ہو کیا ہو کیا قصہ مختصر

جس بات سے وہ ڈرتے تھے وہ بتا دی

اختر کا آرٹ بھی اس کی خصوصیات شاعری میں خل

اختر کا مخصوص آرٹ ہے اختر ایک بالکمال فن کار ہے۔ وہ جن لذتوں سے

خود بہرہ یاب ہوتا ہے ان سے دوسروں کو بھی پورے طور پر اپنی صنعت کے اثر

سے بہرہ یاب کر سکتا ہے۔

اختر کینس کی طرح الفاظ سے بت گری بھی کرتا ہے۔ اس مجسم تصویر کشی " (Concrete Imagery) میں اختر کا بہت بڑا درجہ ہے اس کے صنم کردہ شعر میں بہت ہی حسین و جمیل نقوش ہوتے ہیں۔ اس کے بنائے ہوئے صنم زندگی سے بہرہ یاب نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ۵

رو پہلی چاندنی نے رات کو کھلی چھت پر ادا سے سوتے ہوئے بار بار دیکھا ہے
سنہری دھوپ کی کرنوں نے بام پر تم کو بکھیرے گیسوئے مشکیں بہار دیکھا ہے
نہرے پانی میں چاندی سے پاؤں لٹکائے شفق نے تم کو سر جوئبار دیکھا ہے
چونکہ اختر کی بت گراں مصوری میں زندگی ہے۔ لہذا ہمیں ان بتوں میں حرکت اور آواز کا سراغ بھی ملے گا جہیں اُس نے تخلیق کیا ہے ۵

ادیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی دہاں کے پن گھٹ پر پنہار یاں پانی بھرتی ہیں
انگڑائی کا نقشہ بن بن کر، سب ماتھے پہ گاگر دھسرتی ہیں
اور اپنے گھروں کو جلتے ہوئے ہنستی ہوئی چہلیں کرتی ہیں!
ادیس سے آنے والے بتا

اختر کی حقیقت کی موہوم باتوں کی طرح اس فن میں بھی "محقق" اور "موہوم" چیزیں پائی جاتی ہیں اختر غیر مرئی اشیاء کی بھی تصویر کشی کرتا ہے ملاحظہ ہو ۵

ادیس سے آنے والے بتا

کیا شام پڑے سڑکوں پہ وہی دلچسپ اندھیرا ہوتا ہے

اور گلیوں کی دھندلی شمعوں پر سایوں کا بسیرا ہوتا ہے
 باغوں کے اندھیرے گوشوں میں جس طرح سویرا ہوتا ہے
 ادیس سے آنے والے بتا

یہ مرنی اور غیر مرنی نقوش علیحدہ علیحدہ پائے جانے کے علاوہ کہیں ہم دست
 بھی نظر آتے ہیں یعنی اختر دھندلے دھندلے نقوش اور ابھری ہوئی قلم کاریوں
 کا امتزاج صنایع کا مال کے ساتھ کرتا ہے۔ اس مقام پر اختر کا فن سحر بن جاتا
 ہے۔ یہ شہرت اور مادیت کا امتزاج ہے۔ شیلے اور کیٹس کے فن کا اتحاد ملاحظہ ہو

سردیوں کی چاندنی شبلم سے کہلاتی تھی جب
 باغ پر اک دھندلی دھندلی مستی چھا جاتی تھی جب

آہ وہ راتیں! وہ راتیں یاد آتی ہیں۔ مجھے

جب تم آجاتی تھیں، بازنت پریشاں تاکر!
 مشک آگیاں تا بدماں غنبر افشاں تاکر!

آہ وہ راتیں، وہ راتیں یاد آتی ہیں مجھے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواب و خیال کی دنیا سے آرزو اور ارمان کی بستی
 سے راز کے دھندلے رومانی نقاب کو اٹھا کر ایک ”پیکر ناز“ اندر اس کی
 پری کی طرح اس عالم رنگ و بو میں اچانک آجاتی ہے۔ پہلے دو مصرعوں پر ”ابہام“
 کا پردہ رنگین ہے اور آخری دو مصرعوں میں ”حقیقت“ درامائی انداز میں جلوہ
 ہوتی ہے۔

اختر ایک ماہر بہت گرہی نہیں بلکہ وہ بالکمال مصور بھی ہے۔ اس کے "بتنگ" کی طرح اس کے "ارژنگ" میں بھی کبھی زندگی مسکراتی نظر آتی ہے اور کبھی گریاں۔
آئیے ارژنگ اختر کی سیر کیجئے!

کھجوروں کے تلے وہ جو کھنڈر سے بھللا تے ہیں
یہ سب ریچانہ کے معصوم افسانے سناتے ہیں
صبا شاخوں میں نخلتوں کی جنم سرسراتی ہے
جھے ہر لہر سے ریچانہ کی آواز آتی ہے
کھجوروں کے حسین سائے زمین پر لہلاتے تھے
تارے جلکاتے تھے، شگوفے کھلکھلاتے تھے

یا

کیا شام کو اب بھی جاتے ہیں حباب کنارِ دریا
وہ پیڑ گھنیرے اب بھی ہیں شاداب کنارے دریا پر
اور پیار سے آکر جھانکتا ہے مہتاب کنارے دریا پر
ادوئیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی گجر دم چرواہے ریوڑ کو چرانے آتے ہیں
اور شام کے دھندلے سایوں کے ہمراہ گھونکتے ہیں
اور اپنی سیلی بانسریوں میں عشق کے نغمے گاتے ہیں
ادوئیس سے آنے والے بتا!

اختر کی بنائی ہوئی تصویروں میں بھی حرکت اور آواز ہے۔ اختر ان تصویروں کی رنگینی میں اپنے دل کے خون کی پھینٹیں بھی دے دیتا ہے۔ ہمیں ان تصویروں کے لبوں پر پردہ مسکراہٹ کھیلتی دکھائی دیتی ہے اور ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی غمی نظر آتی ہے۔ اختر اپنی تصویروں کے سینہ میں ”دل“ بھی رکھ دیتا ہے۔ اس کی مخلوق جذبات سے عاری نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی جادوگری سے بے جان اشیاء میں بھی جان پڑ جاتی ہے ”شگوفوں کے کھلکھلانے“ اور ”چاند“ کے پیار سے آکر چھلکنے کا منظر پیش کرنا ایک تخلیقی فن کاری (Creative Art) ہے۔

اختر جذبات و واردات کو بھی صورت بخشتا ہے۔ وہ روح کو جسم کا لباس عطا کرتا ہے۔ وہ غیر محسوس چیزوں کی تعمیر محسوسات میں کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو یہ وہ راتیں جب محبت کے فسانے جاگ اٹھتے تھے
ربابِ دل کے خوابیدہ ترانے جاگ اٹھتے تھے
سکوں سوتا تھا جب بتیا بیاں ہشیار ہوتی تھیں
وہ راتیں جن میں دل کی دھڑکنیں بیدار ہوتی تھیں

اختر بہت گرا در مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ معنی بھی ہے۔ اس کی شاعری میں غضب کی موسیقی ہے۔ شاعری کا غنائی پہلو ”نظمیت“ (Rhythm) کی جان ہے بغیر موسیقی شاعری کے شہ پر ہیں۔ درد سے لبریز جذبات اس کی روح اور تخیل وہ ازلی قوت ہے جس کی مدد سے شاعری کی مملکت وسیع تر ہو جاتی ہے۔

اختر مختلف طریقوں سے موسیقی پیدا کرتا ہے۔ مترنم بھور و فوانی کا، نرم شیریں
لچکیلے الفاظ کا اور ہندی کے رسیلے شبدوں کا استعمال وہ نہایت ہی موندوں
اندر آسے کرتا ہے اور کبھی وہ گلوں کی تکرار سے موسیقیت پیدا کرتا ہے۔

گنوا نہ سوگد میں اپنے شباب کی راتیں
نہ ہاتھ آئیں گی پھر ماہتاب کی راتیں
یہ نکہتوں کا، ہجوم اور یہ خواب کی راتیں
فضا پہ خواب کی مانند چھا بھی جا سکتے
بہار بیتنے والی ہے آ بھی جا سکتے

کیا گاؤں پر اب بھی ساون میں برکھا کی بہاریں چھاتی ہیں
معصوم گھروں سے بھور بھنے چکی کی حسدائیں آتی ہیں
اور یاد میں اپنے میکے کی بچھڑی ہوئی سکھیاں آتی ہیں
اور دس سے آنے والے بتا

انتظام میں

سنا ہے میری سلمیٰ رات کو آئے گی وادی میں

کی تکرار دلچسپ ہے ”جہاں ریحانہ رہتی تھی“ میں

”بہی وادی ہے وہ ہمد جہاں ریحانہ رہتی تھی“ کی

”اور دس سے آنے والے بتا“ میں اسی جملہ کی تکرار ہے۔

اردو اور فارسی شاعری میں ردیف اور قافیہ سے موسیقیت کی تخلیق میں کافی مدد ملتی ہے۔ اختر تکرار ردیف اور حسن قوافی سے اپنی نظموں کو مترنم اور دلکش بناتا ہے اور کبھی گونجنے والے قافیہ کے لفظ کو وہ ایک ہی مصرعہ میں دہراتا ہے سنئے

اویس سے آنے والے بتا

اویس سے آنے والے بتا، کس حال میں ہیں یارانِ وطن؟
آزارِ غربت کو بھی سنا، کس رنگ میں ہے کنعانِ وطن؟
وہ باغِ وطن، فردوسِ وطن، وہ سروِ وطن، ریحانِ وطن؟
اویس سے آنے والے بتا

”آج نہ کا قافیہ اور نہ ”ن“ پر ٹوٹنے والی ردیف اور پھر ”وطن“ کا کاغذاتی تکرار ہی پیدا کرنے والا لفظ کس حسن کے ساتھ استعمال کیے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ستارِ کج رہا ہے ”بتا“ اور ”سنا“ کا ہم قافیہ ہونا اور بھرتی کی سدا کی طرح ”اویس سے آنے والے بتا“ کی تکرار یہ سب مل کر قافیہ کی دل کو ایک مدہوش بیداری کا پیام سناتے ہیں۔

رومانیت نام ہے جذبات اور تخیل کی بیداری کا۔ اختر ایک تخیل اور دلجو شاعر ہونے کی حیثیت سے سرمایہ دار تخیل اور سرگشتہ جذبات ہے۔ اس کا تخیل اس کے فن کے مطابق اور اس کے ذوق کے متناسب

ہے۔ اور اس کے جذبات حسنِ پسندی کے بھر کا سنے ہوئے ہیں۔ رومانیت، تخیل کا ایک نیا ہوش ہے۔ تخیل رسا خالقِ اشیا کو دیکھ لیتا ہے

اور مختلف اشیاء کے درمیان تعلقات کو پہچانتا ہے۔

ادی حقیقتیں صرت حقیقتیں نہیں ہوتیں۔ بلکہ حقیقت کی غیر مادی روح بھی ہوتی ہے، اور وہ بھی حقیقت ہی کی ایک لطیف تعبیر ہے۔ تخیل اس راز سے آگاہ ہو جاتا ہے۔

تخیل اس "کثرت" کے بھرے ہوئے موتیوں کو "وحدت" کے ریشمی تار میں پروتا ہے۔ وہ مخلوق و خالق میں فرق مراتب قائم رکھتے ہوئے ان کے صحیح تعلق سے واقف ہو جاتا ہے۔ وہ شیطان تک کو فراموش نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے اسے اس کا مناسب مقام عطا کرتا ہے۔

ایک رومانی شاعر کی زبان سے ابلیس۔ جبریل سے کہتا ہے۔

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے

قصہ آدم کو زنگیں کر گسیا کس کا لہو

میں کھٹکتا ہوں دل بیدار میں کانٹے کی طرح

تو فقط اللہ ہو، اللہ، اللہ ہو!

اختر شیرانی کا تخیل اپنی مخصوص فضا میں کامیابی کے ساتھ پرواز کرتا ہے مگر یہ فضا محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اسی تنجید میں اختر کی قوت اور کمزوری بیک وقت پائی جاتی ہے۔ اسی تنجید کے سبب اس کے مخصوص رنگ میں تیزی اور چمک پیدا ہو گئی ہے اور اسی حد بندی کی وجہ سے اس کی شاعری میں تنوع کی سخت کمی ہے۔

حسن کے حواسی شعور اور اس کی تعبیر و اظہار کی طرف اختر کا تخیل مرکوز

ہے۔

جدید تشبیہ و استعارات۔ پھر کتا ہوا خیال تخلیق حسن اور کسی خاص
عالم نو کی تعمیر۔ یہ سب مظاہر ہیں تخیل کے۔
ملاحظہ ہو :-

بہار و خواب کی تنویر مرمریں عذرا
شراب و شعر کی تفسیر دل نشیں عذرا

شبستان جوانی کا تو اک زندہ شاخ ہے
تو اس دنیا میں بحر حسن فطرت کا کنارہ ہے
تو اس سنسار میں اک آسمانی خواب ہے سلمیٰ

غائب از چشم تھی جنت کی بہاروں کی طرح
دستِ انساں سے تھی محفوظ ستاروں کی طرح
صبح کی طرح سے دوشیزہ تھی ہستی تیری
بوئے گل کی طرح پاکیزہ تھی ہستی تیری
تیرے اشعار بہشتوں کی بہاروں کے ہجوم
تیرے انکار تھے یا چاند ستاروں کے ہجوم

اختر کے تخیل کی خلاقی دنیاے حسن کو بسانے میں صرف ہوتی ہے۔ آپ
عالم نو میں ”سردرد و نور کا کوثر“ لٹایا جاتا ہے۔ ”شباب و حسن کی بجلیوں“
کو لہرانے کا اذن دیا جاتا ہے۔ اور ناز کی بستیاں، بساتی جاتی ہیں۔ ایک تخیل
لطیف سے لطیف اٹھائے سے

زمین پر بھیج دے آج اے بہشت اپنی بہاروں کو
بکھا دے خاکسپا پر اے آسماں اپنے ستاروں کو
خرام و قلعہ کا دے حکم فطرت ابر پاروں کو

وہ بے خود چاند کی نظروں سے گھبرائے گی دادی میں !
سنا ہے میری سلے راستہ کو آئے گی دادی میں !

جذبات کی دنیا میں جو چیز سب سے زیادہ پراثر ہے۔ وہ درد *Pothas*
ہے۔ درد سب سے زیادہ لطیف ہے اور یہ قلب و روح کے عمیق ترین مقام پر
آسودہ رہتا ہے۔ درد کا اظہار یکا یک ابل پڑنے والے چشمے کی طرح ہوتا ہے۔
جو زمین کے سینے سے پھوٹتا ہے۔ درد قلب حیات کی محبوب ترین حس ہے
نازک، ناقابل بیان، لذیذ اور پراسرار !

اختر کی شاعری اس آسمانی جذبہ سے یکسر خالی تو نہیں۔ مگر اس کے جلوے
عریاں نظر نہیں آتے۔ جب اختر کے اصلی سوز و درد سے متاثر ہوتا ہے تو صرف
اس کے حواس سوز و درد سے کراہتے ہیں۔ روح تہلکا نہیں اٹھتی۔ اختر کا دل سوز
عشق سے صرف جلا شعلہ سا مان ہوا۔ مگر وہ گچھل سکا۔ نہ جل کر خاکستر ہوا۔

پھر بھی اختر کی گذارش "اے عشق کہیں لے چل" "اودیس سے آنے والے تبا"
اور "جہاں ریچانہ رہتی تھی" "کے بعض مقامات تاثیر درد کے کرشمے دکھاتے ہیں سنئے

قسم ان آنسوؤں کی جو بہائے تھے کبھی تم نے
ستائے وہ جو آنکھوں سے گرائے تھے کبھی تم نے
شروع عشق کی بے تابیوں کی ہے قسم تم کو
سحبان ہجر کی بے خوابیوں کی ہے قسم تم کو
فقط اتنا بتا دو کیا وہ باتیں پھر نہ آئیں گی؟
وہ راتیں آہ وہ راتیں۔ وہ راتیں پھر نہ آئیں گی؟

پیام درد و دل اختر دیئے جاتا ہوں دادی کو
سلام رخصت نکلیں کئے جاتا ہوں دادی کو

سلام لے دادی ویراں بہاں ریچانہ رہتی تھی!

ختم کلام پر مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اردو کی رومانی شاعری کے دور ثانی سے
ہم اس قدر قریب ہیں کہ نقد و نظر کا حق پورے طور پر ادا نہیں ہو سکتا۔ فاصلہ
نظر کا بہت ہی کم ہونا بھی اس کے دور ہو جانے کی طرح قریب وہ ہے۔ انتہائی
قریب، اشیاء کی جسامت کو بڑھا بھی دیتی ہے۔ اور ایک حد کے بعد بصریت
کو بھول بھی گئی ہے۔ آئندہ آنے والے لوگ ہم سے بہتر طور پر اس فرض کو ادا
کر سکیں گے۔

نغمۂ اولیٰ

بنام ایزد بخشنندہ وادگر!

خامہ ام رنگیں بیانی میکند
 باز سر، بر پائے سلمائے سخن
 باز وحشت سوئے صحرا میبرد
 ہم صفیراں را نویدِ نو بہار
 طائر افکارِ عشرتِ آثار من
 طوطی اشعارِ شیریں کار من
 باز رسوائی شوقم آرزو ست
 بچو کا کلہائے تسلے، خامہ ام
 طوطی طبعِ جوانم در قفس
 باز صہبائے محبت می چشم
 حاسداں را "پیر" بادا دل "زغم"
 باز چوں بیلِ نسیم نو بہار
 باز طبعِ نکتہ بنجم بچو یار
 باز دل با ساز و سامانِ دگر

در جوانیہا جوانی میکند
 جراتِ سجدہ چکانی میکند
 باز عشقم سرگرائی میکند
 باز طبعم گلفشانی میکند
 باللائک ہمہ نانی میکند
 با عناد دل، ہم زبانی میکند
 باز شوقِ من جوانی میکند
 از زبانِ غنبرفشانی میکند
 بیلِ بزمِ بوستانی میکند
 باز ز ہدم سرگرائی میکند
 شاہدِ طبعم جوانی میکند
 خامہ در دستم جوانی میکند
 مشرحِ اسرارِ نہانی میکند
 بیلِ خونِ نابہ فشانی میکند

باز ذوقِ طبع در بزمِ سخن
باز درستی، صریحِ خامہ ام
باز عکسِ جاہائے لالہ رنگ
عشقِ خود "سامانِ طرازِ شوقِ مست"
باز فکرِ کہکشاں پر وانیِ من
زندہ رسمِ دوستگانی میکند
کارِ احسان و اغانی میکند
چشمِ رسمِ را ارغوانی میکند
"قطرہ" ام دریا فتانی میکند
یک بند لے آسمانی میکند

"باز گلابِ پریشاں می زخم!
آتشے در عہدِ یسباں می زخم!" (محترقی)

جوگن

ہندوستانِ قدیم کی ایک موسیقیانہ رات کا تصور

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گارہی ہے
نگائیں نوائیوں سے بے خود بنا رہی ہے
سوئی ہوئی فضا کا، شانہ ہلارہی ہے
بیدار کر رہی ہے، مدہوش گھاسیوں کو
موسیقیِ نغز کے دریا بہا رہی ہے
دنیا کے ہر اثر کو دل سے مٹا رہی ہے
ہر جنبشِ زباں سے مرے جلا رہی ہے
خوابیدہ ساعلوں کی نیندیں اڑا رہی ہے

۱۔ غالب کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے :-

شوق ہے سامانِ طرازِ نازش اور بابِ غمز
ذرہ محمرا دستگاہِ قطرہ دریا آفتاب!

ہر لرزش صبا میں طوفان اُمنڈ رہے ہیں کس دکھ بھری آدا سے تانیں لگا رہی ہے
دیکھو! وہ کوئی جو گن جنگل میں گار ہی ہے

اٹھکھیلیوں کا سن ہے ہنس لوٹنے کے لپٹا ہوا
آئینہ رنگ سینہ کچھ کھل رہا ہے جس میں
اک گیر داسی ساڑھی ہے جسم مر میں پہ
اک بکریا سمین پر لہرا رہی ہے ناگن
ہے ایک ستارہ اُس کے آغوش ناز میں
دیکھو! وہ کوئی جو گن جنگل میں گار ہی ہے

بسرے پہ چاندنی کے بادل برس رہے ہیں
ہے موجزن فضا میں اک آبشار شیریں
اک گرد مر میں ہے چھائی ہوئی افق پر
اک موج گوہر میں سی ہر پتھوں کے تھکا
یاد دن کے مقبرے پر دو شیزہ شب آکر

دیکھو! وہ کوئی جو گن جنگل میں گار ہی ہے
نغمے کے پر کی جنبش جن کو جگا رہی ہے
ہر تان میں الہی کیا گل کھلا رہی ہے
ہر پھول ہر گلی پرستی سی چھا رہی ہے
گاتی ہوئی جو اپنی منزل کو جا رہی ہے

اب تک میں سر جھکائے حیرت زدہ کھڑا ہوں
اب تک ہی تجلی آنکھوں پہ چارہ ہی ہے
دیکھو! وہ کوئی جو گن جنگل میں گارہی ہے!

کلیات

نہ پھولوں کی ٹمنا ہے، نہ گلہ سستوں کی حسرت ہے
مجھے تو کچھ انہیں بیمار کلیوں سے محبت ہے

ابھی اُلٹا نہیں بار بہار سی نے نقابِ ان کا!

ابھی محفوظ ہے اک خلوتِ رنگیں میں خوابِ ان کا

ابھی سرستیوں میں رات دن سونے کی عادت ہے
مجھے تو کچھ انہیں بیمار کلیوں سے محبت ہے

ابھی ٹوٹا نہیں سورج کی کروتوں سے حجابِ ان کا

ابھی رسوا نہیں ہے گلِ نردشوں میں شبابِ ان کا

ابھی چھائی ہوئی دوشیزگی کی ساوہ رنگت ہے
مجھے تو کچھ انہیں بیمار کلیوں سے محبت ہے

یہ ننھی ننھی پرریاں ہیں بہارِ بوسستانی کی!

یہ پیار سی پیار سی حوریں ہیں بہشتِ کافشانی کی

شمیمِ آبادِ گلشن میں انہی ان کی حکومت ہے
مجھے تو کچھ انہیں بیمار کلیوں سے محبت ہے



ہوا میں جھولتے رہتے ہیں ہر دم آشیاں ان کے
 ہیں دود و دھواں کی گود میں تمام مکاں ان کے
 مکاں یا آشیاں جو کچھ بھی ہے بھکت ہی بھکت ہے!
 مجھے تو کچھ انہی بیسار کلیوں سے محبت ہے!
 خزاں جن کو چرا کر لے گئی تھی اک زمانے میں!
 صبا لے آئی پھر، موتی وہ گلشن کے خزانے میں
 چمن میں ہر گلی سادہ کی اک رنگیں امانت ہے!
 مجھے تو کچھ انہی بیسار کلیوں سے محبت ہے!
 یہ گھری چاندنی میں جھومتی ہیں شاخساروں پر
 کہ کچھ چینی کی گڑیاں ناچتی ہیں سبز تاروں پر
 یہ عالم ہے کہ پیشانی کو سجدوں کی ضرورت ہے!
 مجھے تو کچھ انہی بیسار کلیوں سے محبت ہے!
 کوئی دوشیزہ جب آغوش بیماری میں سوتی ہے!
 تو صحت سے کہیں بڑھ کر حسیں معلوم ہوتی ہے!
 یونہی پھولوں میں اور کلیوں میں بھی قریب لطافت ہے!
 مجھے تو کچھ انہی بیسار کلیوں سے محبت ہے!
 بہارستان کے مندر کی، ان کو دیویاں کہئے
 جو گل کو کرشن کہئے، ان کو اس کی گوچیاں کہئے

کوئی جانِ ملاحت ہے، کوئی کانِ صباحت ہے!

مجھے تو کچھ انہی بیمار کلیوں سے محبت ہے!

کوئی چھو لے اگر ان کو تو یہ کھلا کے رہ جائیں

حیا میں اس قدر ڈوبیں کہ بس مر جھلکے رہ جائیں

ابھی اٹھ پینے کے دن ہیں، شرمانے کی عادت ہے!

مجھے تو کچھ انہی بیمار کلیوں سے محبت ہے!

یہ جب تک یوں چھوٹی رہتی ہیں، بیمار رہتی ہیں!

یونہی مد ہوش رہتی ہیں، یونہی سرشار رہتی ہیں

غرض آٹھوں پہ ان کی یہی مستانہ حالت ہے!

مجھے تو کچھ انہی بیمار کلیوں سے محبت ہے!

مرا بس ہو، تو اختر میں انہی کا رنگ ہو جاؤں!

ہمیشہ میلے ان چمپئی پردوں میں سو جاؤں!

مجھے ان کی رسیلی گود میں مرنے کی حسرت ہے!

مجھے تو کچھ انہی بیمار کلیوں سے محبت ہے!

رباعی

پیمانہ فروش ہیں فضا میں ساقی!

غارت گر ہوش ہیں ہوائیں ساقی!

میخانہ بدوش ہیں گھٹائیں ساقی!

اک جامِ پلا کے ہم کو کرے بد ہوش

برکھارت

(مسوری جاتے ہوئے)

آسمان پر چھا رہا ہے ابر پاروں کا، ہجوم! نور بہاروں کا، ہجوم!
 آہ یہ رنگین آوازِ نظاروں کا، ہجوم! کوہساروں کا، ہجوم!
 بدلیاں ہیں یا کسی کے بھولے بسرے خواب ہیں بے خود و بیتاب میں!
 یا ہوا پر تیرتا ہے رودباروں کا، ہجوم! آفتابوں کا، ہجوم!
 پھرتی ہیں آوارہ متوالی گھٹائیں اس طرح! اور ہوائیں اس طرح!
 جھومتا پھرتا ہو جیسے میگساروں کا، ہجوم! بادہ خواروں کا، ہجوم!
 مادی گنگا ہے 'برکھارت' ہے، کالی راستہ! رات ہے، برسات!
 اور فضا میں تیرنے والے نظاروں کا، ہجوم! نشہ زاروں کا، ہجوم!
 نیلگوں پر یاں فق میں پس میں پھیلائے ہوئے! بال بکھرائے ہوئے!
 یا امند آیلے ساذن کی بہاروں کا، ہجوم! ابر پاروں کا، ہجوم!
 ننھی ننھی بوندیں گرتی ہیں حجابِ ابر سے! یا نقابِ ابر سے!
 چھن رہا ہے قطرے بن بن کرتاروں کا، ہجوم! نور پاروں کا، ہجوم!
 یہ گھٹائیں ہیں کہ خوابوں کے سفینے ہیں واں! بے قرینے ہیں رداں!
 یاد بانوں میں پھیپائے چٹمہ ساروں کا، ہجوم! جو تباروں کا، ہجوم!

بجلی ہے یا نور کی رنجش لہرائی ہوئی ! پیچ و خم کھائی ہوئی !
 یا خمیدہ، مرمری پھولوں کے ہاروں کا ہجوم ! اور ستاروں کا ہجوم !
 یہ سماں کبلی کا، یہ مہتاب کی سی وادیاں ! خواب کی سی وادیاں !
 نشے میں بھیگا ہوا یہ سبزہ زاروں کا ہجوم ! یہ بہاروں کا ہجوم !
 کوہساروں میں خوشی کی بستیاں آباد ہیں ! ستیاں آباد ہیں !
 چار سو بکھرا پڑا ہے سبزہ زاروں کا ہجوم ! مرغزاروں کا ہجوم !
 یوں نظر آتے ہیں کوہسارِ سوری دور سے ! مست سے غور سے !
 جوں سمندر سے جزیروں کی قطاروں کا ہجوم ! سبزہ زاروں کا ہجوم !
 یہ سفر، یہ رات، یہ برسات اور پھر ہم سفر ! الامان والحدرا
 ایک حسن یا سمیں، رنگیں بہاروں کا ہجوم ! ماہپاروں کا ہجوم !
 آہ یہ مجھ پر آنکھیں، مست سی بے خواب سی ! نیند میں بے تاب سی !
 جن سے چھلکا پڑ رہا ہے حشر پاروں کا ہجوم ! فتنہ زاروں کا ہجوم !
 آہ یہ شاداب چہرہ اور یہ حسن ناز نہیں ! اُف یہ جسم یا سمیں !
 جیسے یک جا ہوسٹ کر نو بہاروں کا ہجوم ! اور ستاروں کا ہجوم !
 یہ یہاں نے منظرِ اخترِ مدقوں یاد آئیں گے ! مدقوں تر پائیں گے !
 آہ ! یہ رات، اُف یہ منانہ نظاروں کا ہجوم ! یہ بہاروں کا ہجوم !

آج کی رات

کتنی شادابی دنیا کی فضا آج کی رات
کتنی فیاض ہے رحمت کی گھاٹ آج کی رات
کتنی سرشار ہے گلشن کی ہوا آج کی رات
کس قدر خوش ہو خدائی سے خدا آج کی رات
کہ نظر آئے گی وہ ماہِ لقا آج کی رات!

کیوں نہ گلزار میں ٹھلاتی پھرے موجِ نسیم
کیوں نہ آمادہٴ افلاک ہو پروازِ شمیم
کیوں نہ ہر پھول ہو لبِ زمیں بہارِ نسیم
کیوں نہ ہر ذرہ بنے جلوہ گہِ طورِ کلیم
کہ انہیں دیکھیں گے ہم جلوہ نما آج کی رات!

آج کیا بات ہے دنیا کے نظائے خوش ہیں
ایک بے نام سی مستی کے مائے خوش ہیں
باغ ہیں پھول، سرچرخ تلسے خوش ہیں
ایک میں خوش نہیں بھٹنے بھی ہیں سایے خوش ہیں
سہے خوشی چار طرف منمہ سرا آج کی رات!

غائبانہ جو ہمیں نامے لکھا کرتی تھی!
داوا شعار جو "گم نام" دیا کرتی تھی!
دور سے ہم پہ دل اپنا بوند کرتی تھی
ہم کے بے پردہ جو پردے میں باکرتی تھی
سامنے ہوئی وہی شوخ ادا آج کی رات!

جس کی رنگینی سے افکار ہیں مدہوش مرے
جس کی الفت ہے ہیں اشعار پر از جوش مرے
جس کی فرقت میں خیالات ہیں غم کو شمرے
جس کے جلوؤں سے تصور ہیں ہم آغوش مرے
جلوہ دکھائے گی وہ حور لقا آج کی رات!

دستانِ دل بے تاب سنائیں گے نہیں آپ روئیں گے، گلے مل کے رائیں گے نہیں
خود ہی پھڑوٹے پہنیں دیں گے ہنسائیں گے نہیں اور جرات کی تو سینے سے لگائیں گے نہیں
نیت نئے جذبوں کی ہے نشوونما آج کی رات!

دل کی رگ رگ میں ہے بیتاب محبت اُسکی آنکھ کے پرے پہ لہراتی ہے صورت اُسکی
خلوتِ وح میں آباد ہے الفت اُس کی میرے جذبات پہ طاری ہے لطافت اُسکی
اور کچھ یاد نہیں اس کے سوا آج کی رات!

نکھتہ سخن ہو دامنِ ہوا میں قصاں جذبہ عشق ہو رنگین فضا میں قصاں
کیف و مسرتی ہو منظر کی ادا میں رقصاں نور ہی نور ہو یوں ارض و سما میں قصاں
کہ خدائی میں اتر آئے خدا آج کی رات!

واقف دردِ دل زار کریں گے اُن کو غمِ الفت سے خبردار کریں گے اُن کو
محرم جذبہ اسرار کریں گے اُن کو گود میں لیں گے انہیں، پیار کریں گے اُن کو
دل کی رگ رگ سے یہ آتی ہے صدا آج کی رات!

لیکن اظہارِ خیالات کریں گے کیوں کر؟ شرم آتی ہے، ملاقات کریں گے کیوں کر؟
بات کرنی ہے مگر بات کریں گے کیوں کر؟ ختم، یہ خواب کی سی رات کریں گے کیوں کر؟
آہ! یہ آج کی یہ خواب نما، آج کی رات!

اے دل، ایسا نہ ہو کچھ بات بنائے نہ بنے حالِ دل جو بھی سنانا ہے، سنائے نہ بنے
پاس آئیں تو، مگر پاس بٹھائے نہ بنے شرم کے ماسے انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے
کہ تصور سے بھی آتی ہے حیا آج کی رات!

یوں تو ہر طرح، ادب و نظر رکھنا ہے
 حشرتِ دل کا لحاظ آج، مگر، رکھنا ہے
 بے خودی! دیکھ تجھے میری خبر رکھنا ہے
 ناز میں قدموں پہ یوں ناز سے سر رکھنا ہے
 کہ تڑپ اٹھے دلِ ارض و سما آج کی رات!

ہم میں کچھ جرأت گویائی بھی ہوگی کہ نہیں
 ہمتِ ناصیہ فرسانی بھی ہوگی کہ نہیں
 شرم سے دور شکیبائی بھی ہوگی کہ نہیں
 یوسفِ نل سے زلیخائی بھی ہوگی کہ نہیں
 آج کی رات! انا و میرے خدا آج کی رات!

انگوٹھی

چھپاؤں کیوں دل میں خاتم گوہر نگار اُس کی
 بیتہنائی میں میسے لب تک آکر مسکراتی ہے
 قلم کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہر وقت رہتی ہے
 طلسمی انگلیوں کا جب مجھے قصہ سناتی ہے
 مری سلمیٰ کو اُس نے شاد اور ناشاد دیکھا ہے
 اسے معلوم ہیں اچھی طرح بیتا بیاں اُس کی
 شبِ بیتہنائی میں اس نے اسے بیدار پایا ہے
 اسے معلوم ہے وہ کس طرح مغموم رہتی تھی
 مرا خطا پڑھ کے وہ کس ناز سے مسرور ہوتی تھی
 یہ شاہد ہے کہ اُسکی شامِ غم کیوں کر گزرتی تھی
 یہی لے دے کے میرے پاس ہوا کی یادگار رکھی
 اور اپنی مالک کی طرح دل کو لگدلاتی ہے
 اور اُس کے دستِ رنگیں کے فسانے مجھ سے کہتی ہے
 تصور میں ستاروں کے سے پیکر کھینچ لاتی ہے
 گہے مسرور، گاہے مائلِ مزیا و دیکھا ہے
 نہیں پوشیدہ اس کی آنکھ سے بھو ابیاں اُس کی
 اور اکثر دیدہ مسرشار کو خونبار پایا ہے!
 کسی کے غم میں لطفِ زلیست سے محروم رہتی تھی
 پھر اپنی بے بسی پر کس طرح رنجور ہوتی تھی!
 یہ شاہد ہے کہ وہ روز و رات کیوں نہ صبح کرتی تھی

دہ جبیل تھام لیتی تھی، ہجوم غم سے گھبرا کر
 اے معلوم ہے جو درد تھا اُس پاک سینے میں
 پہنچتی ہیں شعاں اُس کی جس دم چشم حیراں تک
 جہاں ستمی کے اور میرے سوا ہوتا نہیں کوئی

تو یہ کرتی تھی اس کی ٹمکساری دل کے پاس آ کر
 بسی ہیں اس کے دل کی دھڑکیں اسکے نگینے میں
 تصور بھگ کو لے اڑتا ہے ستمی کے شہستان تک
 انگوٹھی کھوئی جاتی ہے مگر کھوتا نہیں کوئی!

رقاصہ

سکوتِ شب میں یہ حسینہ کون، زہرہ دار، بخودا دے رقص ہے!
 کہ جس کے رقص ناز سے، فضائے مشک بوہنی ہوئی، فضاے رقص ہے!
 اُنھی ہوئی ہتیلیوں کی جنبشیں، تلی ہوئی مگر کی ہلکی گردشیں!
 زمیں سے آسماں تک آج جیسے ایک ایک جلوہ مبتلائے رقص ہے!
 ادھر وہ جسمِ احمریں لچک گیا، ادھر وہ ایک رقص بن کے رہ گئی
 اگر وہ اس کی ابتداءئے رقص تھی تو اس کو کھٹے انتہائے رقص ہے!
 کبھی کچھ ایسے، جیسے وہ پھسل گئی، کبھی کچھ ایسے جیسے، پھر سنبھل گئی!
 کبھی تڑپ اٹھی، کبھی مچل گئی، غرض عجیب ماجرائے رقص ہے!
 وہ ایک پھول ہے جو بے قرار ہے، وہ ایک شعلہ ہے جسے سکون نہیں
 کہ ایک نغمہ ہے جو آ کے شکل میں، ہوا کی طرح، مبتلائے رقص ہے!
 سرورِ رقص نے دکھا دیئے جگہ جگہ ہزاروں رقص کے صنم کدے
 کہ اس کے پائے یا سمیں کی ایک ایک ہلکی لغزش اک بنائے رقص ہے!

صفات و ذات کی فضول ہے یہ بحث رنگے برگ گلِ جُدا جُدا نہیں
وہ نغمہ ہے، وہ رقص ہے، وہ رقص نغمہ ہے، وہ نغمہ انتہائے رقص ہے!

دماغِ مستِ فکر اور فکرِ محوِ عاجزی کہ اخترا س کو کیا کہوں؟
جوشِ شہر کی نظرِ معاف کر دے تو کہوں یہ اک خدائے رقص ہے!

نیولین کی مراجعتِ روس

دنا کامِ فاتح کا خطابِ سرزمینِ روس سے

رخصت لے دس آہ لے دیرانہ خونیں ہمارے شکوہ تہرمانانِ جہاں کی یادگار!

کر چکی ہیں میری تلواریں تیسے ہونٹوں کو پیار

ماسکو بلے خودِ سردِ آزادزاروں کی زمیں قیصروں کی مرزومہ لے تاجداروں کی زمیں

آہ بلے گوارہ شاہنشاہانِ دی وقتار!

تیرے دیرالوں سے رخصت ہو کے اب جا رہیں برف اور بارش کے طوفانوں سے گھبراتا نہیں

یہ ہوائے تند و سرد اور یہ فضائے برف بار

تیرے بچوں نے تجھے برباد و زبلاں کر دیا! تیرے اکلاک ذرہ کائناتش بداماں کر دیا!

تیرے عالیشان ایوان بن چکے ہیں شعلہ زار!

ماسکو! میں تھکوں بے حال کر سکتا نہ تھا! فتح کر کے اس طرح، پامال کر سکتا نہ تھا!

کر گئے برباد جیسا تیرے وحشی نابکار!

میری فوجیں بھاگی تھیں تجھے یہ طوفان کی طرح! ابرباراں کی طرح، سیلِ بیاباں کی طرح!

خاک میں ملنے ہی کو تھا تیرا صدیوں کا وقار !
 پر خدائی قہر نے ناچار مجھ کو کر دیا ! فتح کی تمیل سے "بے زار" مجھ کو کر دیا !
 آرہے ہیں فتح کو ٹھکرا کے میرے شہوار !
 آہ ! اس طوفانِ برفِ باد سے بھجور ہوں تیری ساری وسعتوں کی فتح سے معذور ہوں
 بازوئے فطرت سے ایسے تھکے نہیں میرے سوا
 اے زمیں ! ہیں فنِ تجھ میں فوجِ انانِ فرشتہ تیرا ہر ذرہ ہے گورِ جنگِ جو یاںِ فرانس
 برقِ آسا کو ندنی تھی جن کی تیغِ آبِ دارا
 تیرے دامن میں کسے وہ سورما ہیں محو خواب ساری دنیا میں نہ تھا جن کی شجاعت کا جواب
 جن کے ڈر سے کانپا کانپا ٹھٹھے تھے خود ترا جاہ
 تیری مٹی کے سپرد ان کو کئے جاتا ہوں میں ! داغِ فرقت اپنے سینے میں لئے جاتا ہوں میں
 بادِ اندوہ لگیں، بادِ خونِ نابہ بار !
 دیکھنا ! میرے دلیروں کا کفنِ میلانہ ہوا ان کی قبروں کی ہوزلت اے زمیں ایسا نہ ہوا
 مردِ دشمن کی اہانت ہے کمینوں کا شعار !
 جانتا ہوں برف کے طوفاں ہیں میرے منتظر اک بھیا ناک موت کے سماں ہیں میرے منتظر
 وحشی کا ساک راہ میں حائل قطار اند قطار
 ان موانع سے بھی میں، لیکن گزر ہی جاؤں گا بھرِ آفات دہلا سے پار تر ہی جاؤں گا !
 رستہ کرے گی پیدا میری تیغِ آبِ دارا !
 الوداع اے دس کی خونیں بہار د، الوداع الوداع او جنگ کے قاہرہ نظار د، الوداع !

گر ملی فرصت تو آئیں گے یہاں اگلی بہار!

تیتری (مختلف حالتوں میں)

بوائے چکیدہ ہے
عکس کشیدہ ہے
پاشیدہ سامنے
دامن کشیدہ ہے
ہیجان رنگ و بو
جو صفت کشیدہ ہے
عہد شباب کا
عکس رسیدہ ہے
سچ نسیم پر
رقص پریدہ ہے
کیف و خسار کا
حسن رسیدہ ہے
شرم وصال ہے
اور نود مسید ہے

یہ تیتری ہے یا کوئی رنگ پریدہ ہے
انغوش گل میں، یا کوئی نقش دمیدہ ہے
اٹھے تو ایک بوسہ رخصیدہ سامنے
بیٹھے تو ایک لذت خوابیدہ سامنے
جوتے صبا میں ہلکا سا طوفان رنگ و بو
دوش فضا پہ چھوٹا سا نیسان رنگ و بو
اک پڑ بہار نقش ہے عشرت کے خواب کا
یا برگ گل پہ لرزش جام شراب کا
ننھی سی اک شعاع ہے طورِ کلیم پر
رقاصہ بہار کا فرش شمیم پر
ابھرا ہوا سا عکس ہے، رنگیں غبار کا
یا شاخسار گل پہ عردس بہار کا
اک نو عردس کی نگہ انفعال ہے
یا اک شعاع پر تو قوس بلال ہے

رنگت سہے پھول کی سی مگر پھول سے جُدا
 یا پنکھڑی سہے پھول کی پر پھول سے جُدا
 وہ اک حسین نغمہ، جسے بھول جائے دل
 پھر یک بیک کبھی جسے یوں ڈھونڈ لائے دل
 بچپن کا کوئی خواب ہے رقصاں فضاؤں میں
 بیتے ہوئے دنوں کا سماں ہے ہواؤں میں
 اک حسن کار کا کوئی رنگیں خیال ہے
 یا یہ کسی حسینہ کا شوق وصال ہے
 اک خواب نو مصویر رنگیں طراز کا
 یا ایک مطربہ کے دل پر گداز کا
 گزرے ہوئے دنوں کی کوئی دل گداز یاد
 یا کیف عشق کی کوئی پرسوز و ساز، یاد
 اُمید ہے یہ ایک غریب الیہ کی
 فکر خزاں میں لالہ رُخِ نو بہار کی
 موجِ شراب کی اسے اک تھری تھری کہیں
 یا موسم بہار کی اک تہیت تھری کہیں

ہر پھول سے جُدا
 خود آفرید ہے
 برسوں نہ پائے دل
 یہ ناشنید ہے
 بدلی کی چھاؤں میں
 اور غم کشید ہے
 مست کمال ہے
 جو نور سید ہے
 صورتِ نواز کا
 لحن پرید ہے
 رنگیں طراز، یاد
 تلخیِ چشم ہے
 حسرتِ شعار کی
 آہِ کشید ہے
 ننھی پری کہوں
 جو آسید ہے

مجھے بددعا نہ دے

ادنا زنیں! خدا کے لئے بددعا نہ دے

میں بے وفا ہوں، مجھے دادِ وفا نہ دے میری خطا کو اپنے کرم سے مٹا دے

غفلت کی دے سزا، مگر ایسی سزا نہ دے

ادنا زنیں! خدا کے لئے بددعا نہ دے

تسلیم ہے کہ تجھ کو ستا تا رہا ہوں میں تیرے حسین دل کو دکھاتا رہا ہوں میں

لیکن تو اس طرح سے دل کو دکھانے دے

ادنا زنیں! خدا کے لئے بددعا نہ دے

استہرار ہے مجھے کہ گنہ گار ہوں تیرا مجرم ہوں بے وفا ہوں خطاوار ہوں تیرا

لیکن تو رحم کر، مجھے ایسی سزا نہ دے

ادنا زنیں! خدا کے لئے بددعا نہ دے

یہ کیا کہا "خدا کرے تیرا بھی آئے دلی میری ہی طرح تیرا بھی کوئی دکھائے دل

اور دل بھی یوں کھائے کہ قدرتِ شفا نہ دے"

ادنا زنیں! خدا کے لئے بددعا نہ دے

مانا کہ تیرے عشق کو دل سے بھلا دیا! نقشِ وفا کو سینے سے اپنے مٹا دیا!

لیکن تو میری کھلی دفائیں بھلا نہ دے!

ادنا زنیں! خدا کے لئے بددعا نہ دے!

تیرے غموں پہ کیوں مری اب تک نظر نہ تھی کیا ہو گیا تھا مجھ کو اب مجھے خود خبر نہ تھی؟
 اس بے خودی کی مجھ کو خدا را سزا نہ دے
 اونا زنیں! خدا کے لئے بد دعا نہ دے
 گو آسمان نے تجھ سے جدا کر دیا مجھے! بیگانہ خیالِ وفا کر دیا مجھے!
 لیکن تو داغِ ترکِ خیالِ وفا نہ دے
 اونا زنیں! خدا کے لئے بد دعا نہ دے
 کالج کے مشغلوں نے ترا غم بھلا دیا! پریس کی فضا نے وہ عالم بھلا دیا!
 پریس کیوں کو دل سے مگر تو بھلا نہ دے
 اونا زنیں! خدا کے لئے بد دعا نہ دے
 مدت سے خطا کھاتہ کچھ یاد ہی رکھا تیری ہر اک امید کو ناشاد ہی رکھا
 آئینہ کی امید کو لیکن مٹا نہ دے
 اونا زنیں! خدا کے لئے بد دعا نہ دے
 اپنے کئے پہ آپ ہی پکھتارہا ہوں میں تیری نگاہِ درد سے شرمسار رہا ہوں میں
 دل سے بھلا دے! اپنی نظر سے گرا نہ دے
 اونا زنیں! خدا کے لئے بد دعا نہ دے
 گزرے ہوئے دنوں کا خیال آ رہا ہے پھر آنکھوں کے آگے عہدِ وصال آ رہا ہے پھر
 عہدِ وصال کی قسم! اس کو بھلا نہ دے
 اونا زنیں! خدا کے لئے بد دعا نہ دے

بیتی ہوئی بہار کی راتوں کو یاد کر اُن بھولی بھالی پیار کی باتوں کو یاد کر

ماضی کا واسطہ، انہیں دل سے مٹانے دے

اوناز نہیں! خدا کے لئے بددعا نہ دے

بدلا ہوا سا محفلِ دل کا سماں ہے پھر حسرت ہو، آرزو کہ تمنا، جواں ہے پھر

تو اپنی شمعِ عشق ابھی سے بجھانے دے!

اوناز نہیں! خدا کے لئے بددعا نہ دے

ڈرتا ہوں، کانپتا ہوں، تری بددعا سے میں رحمت کی بھیک مانگا ہا ہوں خدا سے میں

یوں بددعا نہ دے مجھے بہرِ خدا نہ دے!

اوناز نہیں! خدا کے لئے بددعا نہ دے!

نغمۂ سحر

سنو یہ کیسی آواز آرہی ہے	کوئی دیہاتی لڑکی گارہی ہے
سحر کے دھندلے دھندلے منظر دیکھ	شرابِ نغمہ سے نہلا رہی ہے
اٹھی ہے شاید آٹا پیسنے کو	کہ چکی کی صدا بھی آرہی ہے
غموں سے چور اپنے ننھے دل کو	ترانہ چھیڑ کر بہلا رہی ہے
فضا پر بستیوں پر جنگلوں پر	دھواں دھارا ایکٹ لی چھا رہی ہے
چھا چھم مینہ کی بوندیں پڑ رہی ہیں	کہ سادہ کی پری کچھ گارہی ہے
نئے بیجے ہوئے سبزے کی خوشبو	ہوا کے ساتھ اڑ کر آرہی ہے

صبا کے مست جھونکوں کے اثر سے
 گم ہے غم کی تاثیر اس خوشی میں!
 کوئی یاد آہ! اک غم دیدی سی یاد
 گل خود رو کی غم انگیز خوشبو
 ہوا کی سرسراہٹ ہے کہ فطرت
 ادھر بادل کی خوف انگیز آواز
 یہ بادل ہیں کہ ہیں ساون کے سپنے
 یہ بجلی ہے کہ اک مرمر کی ناگن
 یہ بوندیں ہیں کہ بجلی آسماں سے
 گردہ غم زدہ معصوم لڑکی!
 کچھ ایسا نا تو اں نفہ ہے گریا!
 ہوا، ٹھنڈی ہوا بھرتی ہے آہیں
 گھروں پر کھیتوں پر کیا ریوں پر
 نہ جانے کیا اثر ہے اس صدا میں
 یہ گھر سسراں ہو گا شاید اس کا
 جمعی مصروف ہے آہ و فغاں میں
 "یہ برکھارت بھی بیٹی جا رہی ہے!
 مرے میکے سے شاید آ رہی ہے

ہوا جو گاؤں کو ہکا رہی ہے
 مرے میکے سے شاید آ رہی ہے

یہ برکھارت بھی بیتی جا رہی ہے
گھٹا کی اودی اودی چنڑیوں سے مری سکھیوں کی بو باں آ رہی ہے

یہ برکھارت بھی بیتی جا رہی ہے
مجھے لینے نہ آئے اچھے بابل تمہاری یاد آفت طہار ہی ہے

یہ برکھارت بھی بیتی جا رہی ہے
میری اماں کو ہو اس کی خبر کیا کہ چچیا اس جگہ گھبرا رہی ہے

یہ برکھارت بھی بیتی جا رہی ہے
نہ لی بھتیانے بھی سُد بد ہماری جہاں سے چاہ اٹھتی جا رہی ہے

یہ برکھارت بھی بیتی جا رہی ہے
ہوا کی نپکھیا جھل جھل کے بجلی مرے دل کی لگی بھڑکار ہی ہے

یہ برکھارت بھی بیتی جا رہی ہے
بھلا کیوں کرتھیں آنسو کہ جی پر اداسی کی بدڑیا چھا رہی ہے

یہ برکھارت بھی بیتی جا رہی ہے
نئے پھولوں سے جگمگ بس چلے ہیں مرے من کی کلی کھلا رہی ہے

یہ برکھارت بھی بیتی جا رہی ہے
کوئی اس باؤلی بدلی سے پوچھے پر اے دیس میں کیوں بھا رہی ہے

یہ برکھارت بھی بیتی جا رہی ہے
جو بجلی کھیلتی تھی مجھ سے اک دن وہی آنکھیں مجھے دکھلا رہی ہے

اے راجستانی رنگین دوپٹے سے بادل

یہ برکھارٹ بھی بیتی جا رہی ہے
 نہیں کھیتوں میں ساون کی گڑیاں
 ہماری آنکھوں پر سارہی ہے

یہ برکھارٹ بھی بیتی جا رہی ہے
 گھٹا ہے باکوئی بچھڑی سہیلی
 مرے گھر سے سند یہ لارہی ہے

یہ برکھارٹ بھی بیتی جا رہی ہے
 گیا پینگیں بڑھانے کا زمانہ
 وہ امرتوں پہ کوئل گارہی ہے

یہ برکھارٹ بھی بیتی جا رہی ہے

یو نہی وہ اپنی غمگین راگنی سے
 سیاہی اڑتی تجاتی ہے افق سے
 درو دیوار کو تر پارہی ہے
 عروسِ صبح بڑھتی آرہی ہے
 شورالے میں گجس بھی جاگ اٹھا
 کون چڑیا نکل کے گھونسلے سے
 گھنے جنگل میں منگل گارہی ہے
 کوئی بچھیا کہیں چلا رہی ہے
 اسے سن سن کے کب تک سر جھونگے
 بس اختر سونے دو نیند آرہی ہے

روایاتِ شیراز

فلسفہ حافظ پر ایک شرح

شکریوں جازبِ تصور نے دکھائی پرواز
 کھنکھ کے آنکھوں میں علی آئی بہشتِ شیراز

۵۰ بیڑ ہوا بیاں

نوہا لان چمن جھوم رہے تھے جیسے
چار سو عطر فشاں، موج نسیم سحری!
وہ درختوں کی ادا جس پہ تصدق فردوس
نگہ شوق ابھی سیراب ہوئی تھی نہ ذرا!
دیکھتا کیا ہوں کہ اک کنچ بہار افشاں میں
مستی مے سے بہکتے ہوں بتان طناز
چار سو رقص کُناں نکہت گل کی پرواز
وہ پرندوں کی صدا جس پہ خدا نغمہ ساز
کہ تصور کی کرامات نے بدلا انداز
روح حلقہ ہے خوش الحانی سے یوں نغمہ طراز

”اے کہ خاموش نشینی بہ بہاراں عجیب است

خیر و در کاسہ زرا آبِ طربناک انداز!“

سکراتے ہوئے لہجے میں سنی جب یہ صدا
اے کہ ہے ذہن ترا ادج حقیقت کو محیطا
تیری نظروں میں ہیں بے پردہ کل اسرار حیات
لیکن اک نکتہ سمجھ میں نہیں آیا اب تک
کبھی کہتا ہے کہ مرنے سے نہیں ہم کو مفر
کبھی کہتا ہے کہ ہنگامِ عمل کو نہ گنواؤ
اک طرف تو یہ صلابہ ہے کہ ہے دنیا فانی
اک طرف جوش نصیحت کی ہے ہر دم تاکید
کوئی نغمہ نہیں یوں تو ترا السلام سے کم
یعنی مرنا ہے جب اک دن تو عمل سے کیا کام

آگے بڑھ کر یہ کہا میں نے پس از عرض نیاز
اے کہ ہے فکرِ سائیر می شریا پرواز
نغمے کے سمجھے سے تابہ رگ پرودہ ساز
چہرہ حسن حقیقت سے اٹھا پرودہ راز
یہ حیاتِ دوسہ روزہ نہیں سرمایہ ناز
عرصہ دہر میں ہمت کے دکھاؤ اعجاز
بزم ہستی ہے اک افسانہ محمود و ایاز
کہ دریں عرصہ گہ سعی تو طفلانہ متاز
لیکن اس رازِ تفاوت کا ہوں میں شکوہ طراز
موت کا خوف ہو کیوں منکرِ عمل کا ہم ساز

سن کے یہ شوخ بیانی مری خواجہ نے کہا

”تو حریفِ غم اسرار نہ اسی ہرزہ متاز!“

موت کے ذکر سے مقصود، فقط اتنا ہے
یعنی اک روز جیسا گھر سے چلے جاتا ہے
تو یہ بہتر ہے کہ سب حوصلے دل کے نکلیں
زندہ قوموں کی فنا بھی ہے بقا کی ہم رنگ
لوحِ ایام مٹا دیتی ہے اس قوم کا نام
موت برحق ہے مگر اس سے فقط اس لٹخور
کہ نظر میں ہے ہر وقت مالِ آسمان
جب کہ مٹ جانے کو ہے رنگِ طلسماتِ مجاز
ہمت و سعی سے انساں ہو جہاں میں ممتاز
کیونکہ یاد ان کی ہے دنیا میں مل کی ہم راز
جس کے دل میں نہ ہو احساسِ عملِ درد و نواز
کہ نہ کرے کہیں آئینہ فرصت کو گداز

”عاقبت منزلِ بادِ مئی خاموشاں است
حالیہ غلغلہ درگنبدِ افلاک انداز!“

معصومیت

لیلیٰ شب کے پریشاں ہیں گیسوئے سیاہ
نشہ بر ساقی ہے مد ہوش ستاروں کی نگاہ
چار سو چھا گئی خاموشی و ظلمت کی سیاہ
نیند کی سیج سے جاگ اٹھا ہے خوابیدہ گناہ
شورشِ آباد جہاں تیرہ و تار
نیند میں غرق ہے سارا سنسار
نور و آہنگ نے لی راہِ فرار
شیرِ غوغا ہو جیسے بیدار

رات کے پردوں میں آباد سیہ خانے ہیں
ذوقِ عصیاں کے بھبکتے ہوئے مینخانے ہیں
تیرہ و تار، ہیب و درخوں ریز
بحرِ ظلمات میں طوفالِ انگیز

روح دوشیزگی سے گرم ستیز
خونِ غوث سے ہیں یک سر لبریز

معصیت کاری کے پھرے ہوئے ستانے ہیں
ان کے فولادگوں پنحوں میں جو پیما نے ہیں

تند، ہنگامہ فکن، طوفانی!
قیر گول، شعلہ فشاں، ہیجانی!
شورش انگیز و پڑ از طغیانی!
مست ہے جلوہ گہ انسانی!

چار سو موزن اک محشر سیہ کاری ہے
بزم انسانی پہ اک ابیر گنہ طاری ہے
ہر طرف فسق کا اک سیل بلا جاری ہے
محشرستانِ سیہستی و سرشاری ہے

مشاکے زلفوں کو بھرائے ہوئے
فرط تقدیس سے گھبرائے ہوئے
اشکِ غم آنکھوں میں چھنکارے ہوئے
سینہ صاف پہ لہرائے ہوئے

یہ سماں دیکھ کے ایک عورت وہاں آتی ہے
اور نظر اس ہوس آباد پہ دوڑاتی ہے
عالمِ یاس میں مہوت سی رہ جاتی ہے
چاند کی روشنی اک نشہ سا برساتی ہے

جس سے روشن ہے فضا، صحرا
جس سے رنگیں ہے ہوائے صحرا
جس سے ہی مست ادائے صحرا
نغمہ روح فرمائے صحرا

فلکِ حسن کا گمشدہ ستارہ کہئے!
جنتِ قدس کا آوارہ نقطہ ارہ کہئے
بحرِ غسانیِ نظرات کا کنارہ کہئے
جذبِ موسیقی کا اک نقشِ دلاور کہئے

اک فرشتوں کے سے لہجے میں دہ کرتی ہے خطاب
 کہ ”تم اے راہزنِ عفت و آوارہ شباب
 ”تم جو عفت کا لٹاتے ہو یہ دُرِ نایاب
 ”یہ وہ جو ہر ہے جو ہے رشکِ نجوم و مہتاب

(آہ اودہ لہجہ حنین و غم ناک)
 سرخوشِ بے خود و مستِ ناپاک
 کر کے دامانِ تقدس کو چاک
 اور حیرت کہ حسنِ افلاک

”ہاں یہ اک جاذبِ فطرتِ ربانی ہے
 ”عالمِ قدس کا اک جو ہر نورانی ہے
 ”اس گنہ زار میں بہرِ دل انسانی ہے
 ”روحِ قدس کا یہ اک جلوۂ عرفانی ہے

اور دنیا کی مثالوں سے بری
 روشن از جلوۂ نجمِ حسری
 روحِ صدمِ مریخی حور و پری
 یا الہیتِ ذوقِ بشری

”یہ وہ نشہ ہے کہ ایسا کسی صہبا میں نہیں
 ”یہ وہ موتی ہے کہ ایسا کسی دریا میں نہیں
 ”یہ وہ تابش ہے جو رخسارِ ثریا میں نہیں
 ”یہ وہ لذت ہے کہ جو الفتِ سلمیٰ میں نہیں

روحِ کیفیتِ صہبا کی قسم
 قہرِ تاریکی دریا کی قسم
 نورِ رخسارِ ثریا کی قسم
 جذبۂ الفتِ سلمیٰ کی قسم

”ذرتے ذرتے میں ہے اک روحِ حقیقتِ مستور
 سینہٴ شمع میں ہے سموزِ محبتِ مستور
 ”غنجے کے دل میں ہے اک جذبۂ نکہتِ مستور

اور ہر ذرتے کی قیمت ہے وہی
 شمعِ پرواز کی فطرت ہے وہی
 غنجے کی سرمدی صورت ہے وہی

نام اُس کا مہ تاباں نہ رہے
صبح، پھر صبح درخشاں نہ رہے
شام، شام شفق افشاں نہ رہے
زینتِ پیکرِ انساں نہ رہے

”مہ تابندہ جو محسوسِ لطافت ہو جائے
”روشنی، صبح درخشاں کی جو غارت ہو جائے
”شام سے دور اگر شام کی رنگت ہو جائے
”گر جوانی یونہی بیگانہ عفت ہو جائے

سازِ پھر ساز نہ کہلائے کبھی
صحنِ گلشن کو نہ ہکائے کبھی
گل نگاہوں کو نہ لپکائے کبھی
وہ جوانی نہ نظر آئے کبھی

”ساز کے پرے میں بے تاب گر آواز نہ ہو
”دلِ نکہت میں اگر جذبہ پرواز نہ ہو
”گل میں گر ذوقِ غم پرودہ بر انداز نہ ہو
”گر جوانی میں بھی تقدیس کا انداز نہ ہو

سادہ پانی ہے وہ یا بوجِ شراب
تودہ خاک ہے وہ یا مہتاب
سوکھی تپتی ہے وہ یا برگِ گلاب
اشکِ پیری ہے وہ یا نوشِ شباب

”مے رنگیں سے اگر نشہ ولذت چھن جائے
”ماہِ تاباں سے اگر نور و لطافت چھن جائے
”گلِ رعنا سے جو رنگینی و نکہت چھن جائے
”جس جوانی سے کہ رنگینی عفت چھن جائے

کہ جوانی نہ لٹائی جائے
مذہبوں تک وہ چھپائی جائے
شاعروں کو نہ سنائی جائے

”الغرض سلسلہ ذوقِ جوانی یہ ہے
”مے پارِ مینہ کی خوبی کی نشانی یہ ہے
”عفت اور اس کے مظاہر کی کہانی یہ ہے

مذہبِ شعر کی الہام نشانی یہ ہے مصیبتِ خوب بڑھائی جائے

”کتک ہے اے گمراہو! یہ عالمِ عفت کب تک ہے
”موجہ خوں میں کہو دورۂ وحشت کب تک ہے
”روحِ آلودہ تاریکیِ ذلت کب تک ہے
”یہ شباب اور یہ بربادیِ عفت کب تک ہے
اور نفیس پرستی تا چند ہے
دل میں یہ جذبہ پستی تا چند ہے
اور یہ جذبات کی مستی تا چند ہے
ہاں! گناہوں کی یہ پستی تا چند ہے

”روح کے گل کدے دیران ہوئے جلتے ہیں
”دل کے شورش کدے سنان ہوئے جلتے ہیں
”ولوے خیر کے بے جان ہوئے جلتے ہیں
”جو تھے انسان وہ حیوان ہوئے جلتے ہیں
شیطن کا رسی کے سینے مسکن
اور جذباتِ صفا کے مدفن
اور منزلِ گہ صدا ہر کہن
آہ! او سفلگی چرچا کہن

”آئے گا ایک دن آئے گا کہ شرماؤ گے تم
”عالمِ یاس میں میرے لئے گھبراؤ گے تم
”پھلی بار ذوقیوں کو ذہن میں جب لاؤ گے تم
”یاد کر کے مجھے پھر روؤ گے پھٹاؤ گے تم
اور میں اٹھوں سے نکل جاؤں گی
اور میں صورت بھی نہ دکھلاؤں گی
شرم بن کر تمہیں شرماؤں گی
میں مگر ہاتھ نہیں آؤں گی

گجرات کی رات

آج قسمت سے نظر آئی ہے برسات کی رات
 اُن کی پا بوسی کو جلے تو صبا کہہ دینا
 جس میں سلمیٰ کے تصور کے ہیں تارے روشن
 لائے وہ مست گھٹا، ہلے وہ سلمیٰ کی آدا
 میرے سینے پہ ادھر زلفِ معطر کا، هجوم!
 سطحِ دریا پہ اُدھر نشے میں لہرائی ہوئی
 اُف وہ سوئی ہوئی، اُکھوئی ہوئی فطرت کی بہا
 پھر وہ ارمانِ ہم آغوشی کا جذبِ گستاخ
 کیوں نہ ان دونوں پہ مٹنے کی ہو حسرتِ خیر
 کیا بگڑ جائے گا، رہ جاؤ یہیں رات کی رات
 آج تک یاد ہے وہ آپ کے گجرات کی رات
 میری آنکھوں میں ہے وہ عالمِ جذبات کی رات
 آہ! وہ رو درِ چناب آہ! وہ گجرات کی رات
 آہ! وہ زلف کہ آوارہ خرابات کی رات
 رنگ لائی ہوئی، چھائی ہوئی برسات کی رات
 اُف وہ مہکی ہوئی، مہکی ہوئی برسات کی رات
 آہ وہ رات وہ سلمیٰ سے ملاقات کی رات
 اُف اس رات کی بات آہ وہ اُسی رات کی رات

اے عشق کہیں لے چل

اے عشق کہیں لے چل اس پاپ کی بستی سے
 نفرت کہ عالم سے، لعنت کہ ہستی سے
 ان نفس پرستوں سے، اس نفس پرستی سے

دُور — اور کہیں لے چل!

اے عشق کہیں لے چل!

ہم پریم بھاری ہیں ، تو پریم کنہیا ہے !
 تو پریم کنہیا ہے ، یہ پریم کی نیا ہے !
 یہ پریم کی نیا ہے ، تو اس کا کھوٹا ہے !

کچھ منکر نہیں لے چل !

اے عشق کہیں لے چل !

بے رحم زمانے کو اب چھوڑ رہے ہیں ہم !

بے درد عزیزوں سے منہ موڑ رہے ہیں ہم !

جو اس کہ تھی وہ بھی اب توڑ رہے ہیں ہم !

بس تاب نہیں لے چل !

اے عشق کہیں لے چل !

یہ جبر کدہ ، آزادانہ کار کا دشمن ہے !

ارمانوں کا قاتل ہے ، امیدوں کا رہزن ہے !

جذبات کا مقتل ہے ، جذبات کا مدفن ہے !

چل یاں سے کہیں لے چل !

اے عشق کہیں لے چل !

آپس میں پھل اور دھوکے سنسنائی ریتیں ہیں !

اس پاپ کی نگری میں اجڑی ہوئی پریتیں ہیں !

یاں نیائے کی ہاریں ہیں ، اٹیلے کی جیتیں ہیں !

سُکھ چین نہیں لے چل !
 اے عشق کہیں لے چل !
 اک منہ بچ جذبات و افکار ہے یہ دنیا !
 اک مسکن اشعار و آزار ہے یہ دنیا !
 اک مقتل اسرار و ابرار ہے یہ دنیا !

دور اس سے کہیں لے چل !

اے عشق کہیں لے چل !

یہ درد بھری دنیا بستی ہے گناہوں کی !
 دل چاک امیدوں کی، سفاک نگاہوں کی !
 ظلموں کی، جفاؤں کی، آہوں کی، کراہوں کی !

ہیں غم سے حزیں، لے چل !

اے عشق کہیں لے چل !

آنکھوں میں سمائی ہے، اک خواب نما دنیا !
 تاروں کی طرح روشن ہستاب نما دنیا !
 جنت کی طرح رنگیں، شاداب نما دنیا !

دلشہ وہیں لے چل !

اے عشق کہیں لے چل !

وہ تیر ہو ساگر کی، رت چھائی ہو پھاگن کی !

پھولوں سے مہکتی ہو، پروائی گھنے بن کی!
یا آٹھ پہر جس میں بھڑبدلی ہو ساون کی!

جی بس میں نہیں لے چل!

اے عشق کہیں لے چل!

قدرت ہو حمایت پر ہمدرد ہو قسمت بھی!

سکلی بھی ہو پہلو میں سسلی کی محبت بھی!

ہر شے سے فراغت ہو اور تیری عنایت بھی!

اے طفلِ حسین لے چل!

اے عشق کہیں لے چل!

اے عشق ہمیں لے چل، اک نور کی وادی میں

اک خواب کی دنیا میں، اک طور کی وادی میں

حُوروں کے خیالاتِ مسرور کی وادی میں

تاحلہ بریں لے چل!

اے عشق کہیں لے چل!

سنسار کے اس پار اک اس طرح کی بستی ہو

جو صدیوں سے انساں کی صورت کو ترستی ہو

اور جس کے نظاروں پر تنہائی برستی ہو

یوں ہو تو وہیں لے چل!

اے عشق ، کہیں لے چل !
 مغرب کی ہواؤں سے ، آواز سی آتی ہے
 اور ہم کو سمندر کے اُس پار بلاتی ہے
 شاید کوئی تنہائی کا دیس بتاتی ہے

چل اُس کے قریب لے چل !
 اے عشق ، کہیں لے چل !
 اک ایسی فضا جس تک غم کی نہ رسائی ہو
 دنیا کی ہوا جس میں صدیوں سے نہ آئی ہو
 اے عشق ! جہاں تو ہوا اور تیری خدائی ہو

اے عشق ، وہیں لے چل !
 اے عشق ، کہیں لے چل !
 ایک ایسی جگہ جس میں انسان نہ بستے ہوں
 یہ مکر و جفا پیشہ حیوان نہ بستے ہوں
 انساں کی قبا میں یہ شیطان نہ بستے ہوں

تو خوف نہیں لے چل !
 اے عشق ، کہیں لے چل !
 برسات کی متوالی گھنگھور گھٹاؤں میں
 کہسار کے دامن کی مستانہ ہواؤں میں

یا چاندنی راتوں کی شفاف فضاؤں میں

اے زہرہ جبین لے چل !

اے عشق ، کہیں لے چل !

ان چاند ستاروں کے بکھرے شہروں میں

ان نور کی کرلوں کی ٹھہری ہوئی نہروں میں

ٹھہری ہوئی نہروں میں سوئی ہوئی لہروں میں

اے خضر حبیب لے چل !

اے عشق ، کہیں لے چل !

اک ایسی بہشت آئیں وادی میں پہنچ جائیں

جس میں کبھی دنیا کے غم دل کو نہ تر پائیں

اور جس کی بہاروں میں جینے کے منے آئیں

لے چل تو وہیں لے چل !

اے عشق ، کہیں لے چل !

تنہائی کی وادی میں

(غالب کی پرواز خیال کے ساتھ)

”ہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بے درو دیوار سا اک گھر بنایا چلے
 اہل عالم ہوں، نہ ربطا دوستی و دشمنی
 دامن صحرا میں چل کر یوں گزار چاہیے
 ابن آدم کے اثر تک سے ہو بیگانہ فضا
 زخمہ زن ہو بر ربط دل پر نہ سوز عاشقی
 اپنی فریادوں کی لئے میں ات دن کھجئے ہیں
 دل میں پیدا ہی نہ ہو، اول تو در و آرزو
 رویئے تو ہونے اپنے حال کا پرسناں کوئی
 ”پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
 اختر! اس تنہائی کی دادی میں اپنے واسطے
 کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
 مہرباں کوئی نہ ہو، نا مہرباں کوئی نہ ہو
 سر میں ہو بیتاب سودا، آستاں کوئی نہ ہو
 مرد و زن کوئی نہ ہو پیر و جوان کوئی نہ ہو
 کوئی دلدادہ نہ ہو اور دستاں کوئی نہ ہو
 ہم نوا کوئی نہ ہو، ہم داستاں کوئی نہ ہو
 ہو تو اس کی بیکیسی کا ساز داں کوئی نہ ہو
 اور اگر فریاد کیجئے ہم زباں کوئی نہ ہو
 اور اگر مرجائیئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو
 جب بنے تربت تو تربت کا نشان کوئی نہ ہو

ایک بار دیکھا

اور

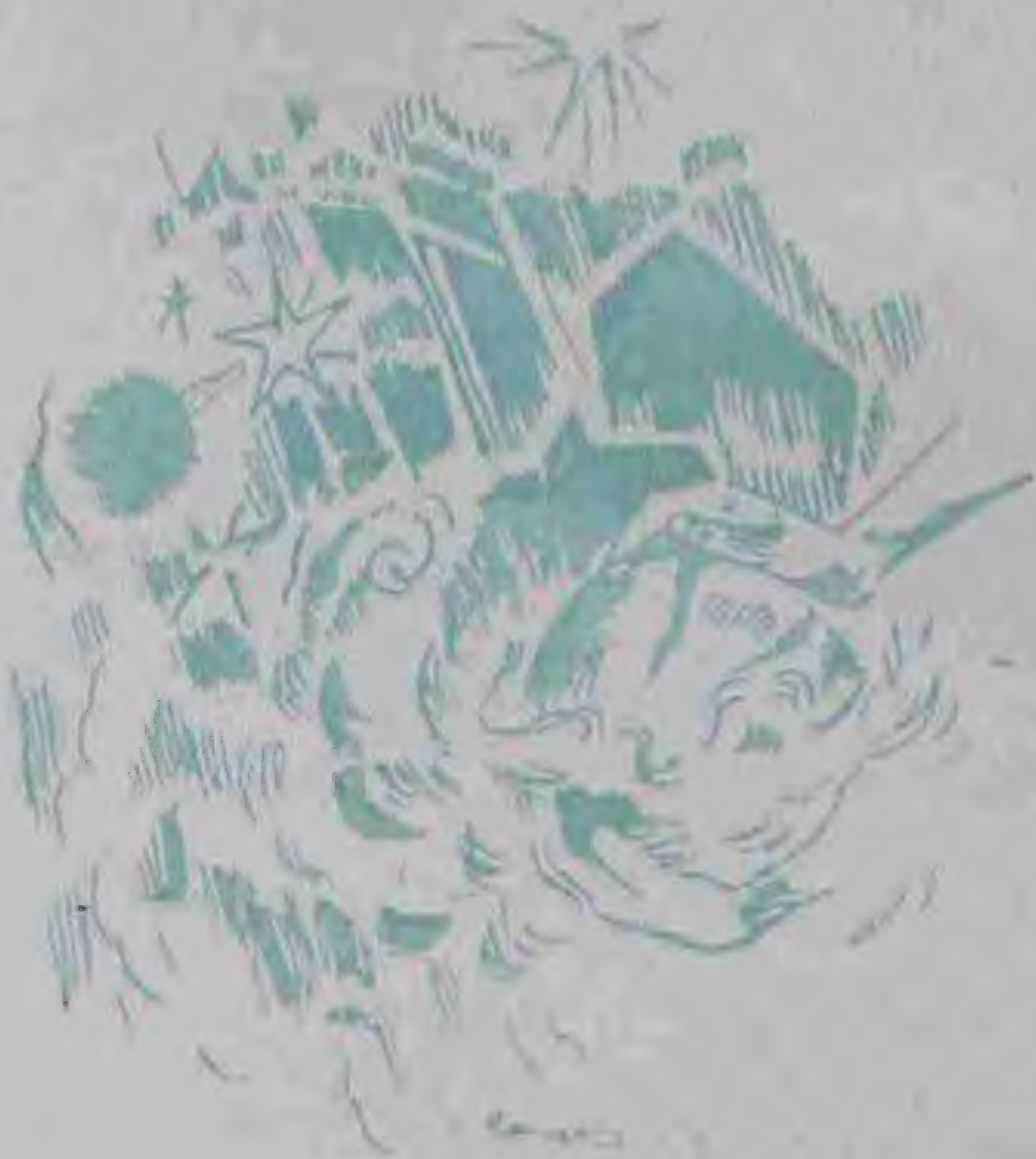
دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے

تمہیں ستاروں نے بے اختیار دیکھا ہے
 کبھی چمن میں گئی ہو، تو مست پھولوں نے
 مشیر چاند نے بھی بار بار دیکھا ہے
 نگاہ شوق سے آئینہ وار دیکھا ہے
 اداسے سوتے ہوئے بار بار دیکھا ہے
 رو پہلی چاندنی نے رات کو کھلی چھت پر

بہارِ صبح کی رنگینیوں میں کھوئے ہوئے
 سنہری دھوپ کی کرنوں نے بامِ پرتم کو
 قریبِ شام تمہیں طائرانِ گلشن نے
 بہشتِ حسن کی تازہ کلی کے دھوکے میں
 نہرے پانی میں چاندی سے پاؤں لٹکائے
 ہمیشہ راست کو محوِ مطالعہ تم کو
 کبھی جو اٹھی ہو گیسو سوار نے کے لئے
 کسی خیال میں کھوئے ہوئے ہمیشہ تمہیں
 تمہاری خلوتِ معصوم نے ہزاروں بار
 گھٹانے دامنِ کسار میں تمہیں اکشر
 عروسِ برق نے اپنا نقاب لٹکے تمہیں
 نسیمِ باغ نے زیبِ انسا سمجھ کے کبھی
 غرضِ مظاہرِ فطرت نے ہر طرح تم کو
 مگر مری نگہِ شوق کو شکایت ہے

نسیم نے تمہیں مستانہ وار دیکھا ہے
 بکھیرے گیسوئے مشکیں بہار دیکھا ہے
 ہزار بار سرِ لالہ زار دیکھا ہے
 کلی نے بھی تمہیں، دیوانہ وار دیکھا ہے
 شفق نے تم کو سرِ جوئے بار دیکھا ہے
 نگاہِ شمع نے پروانہ وار دیکھا ہے
 تو آئینہ نے تمہیں ہم کنار دیکھا ہے
 سحر نے عجول و شاخار دیکھا ہے
 سرِ پیانو تمہیں نغمہ بار دیکھا ہے
 اسیرِ زمزمہ آشار دیکھا ہے
 غرقِ مستی ابر بہار دیکھا ہے
 تمہیں بہ گلِ کدہ شالامار دیکھا ہے
 ہزار بار نہیں، لاکھ بار دیکھا ہے
 کہ اس نے تم کو فقط ایک بار دیکھا ہے

دکھا دو ایک بھلاک اور بس نگاہوں کو
 دوبارہ دیکھنے کی ہے بوس نگاہوں کو



فولے گل!

(طرازِ تانہ)

دیارِ دوست سے کوئی پیام لے کر آئی ہے ہوائے گل
 کہ گود میں چل رہے ہیں بے طرح حسیں خندہ ہائے گل
 بہار ہے خدائے گل، تو بوئے گل کو جانئے دعائے گل
 چمن میں آکے بریطانسیم پرسنے کوئی نوائے گل
 زمین و آسماں کا رازِ عشق کھل گیا جو شوخ چاند نے
 کرن کے تار تار میں پروئے چرا کے بوسہ ہائے گل
 چمن میں روتے روتے بلبلِ آخر ایک گہری نیند سو گئی
 دبی زبان سے مرتے مرتے اتنا کہنے پانی تھی کہ ہائے گل
 نسیم صبح کی رفاقتیں ”حباب کی زباں“ سے کہہ نہ دیں
 یہ نہر لے تو جارہی ہے، بھر کے دامنوں میں بوسہ ہائے گل
 لرز رہا ہے میرا دل کہیں خزاں کی آندھیاں گرا نہ دیں
 کہ بھولتی ہے تین چار پتیوں پہ کارواں سرائے گل
 کہیں نہ کوچ کر رہا ہو گلستاں سے قافلہ بہار کا
 یہ آج منہ اندھیرے ہی سے جاگ اٹھا ہے در نہ کیوں گل

مرے دل و دماغ و گوش و چشم و تن پہ کیف بن کے چھا گئی
 ادائے گل، ہولے گل، نوائے گل، فضائے گل، قبائے گل
 حریم رنگ و بو میں آج ملکہ بہار جلوہ رہ رہے
 نسیم صبح نے اٹھا دئے ہیں ہر طرف سے پردہ لائے گل
 یہ آرزو ہے اختر آب کے مر کے اس کے رنگ بویں سو رہوں
 مرا مزار ہو سرائے گل، مرا کفن بنے قبائے گل

اعترافِ محبت

لو آؤ کہ رازِ پنہاں کو رسوائے حکایت کرتا ہوں !
 دامنِ زبانِ خامشی کو لبسِ ریشکایت کرتا ہوں !
 گھبرا کے، بھوم غم سے آج افشائے حقیقت کرتا ہوں !
 اظہار کی جرأت کرتا ہوں
 میں تم سے محبت کرتا ہوں
 فکرِ آبادِ دنیا میں مری، اک معبودِ انکار ہو تم !
 شعرِ ستانِ ہستی میں مری، اک معبودِ اشعار ہو تم !
 اور میرے پرستش رازِ دل میں اک بتِ شیریں کار ہو تم !
 میں جس کی عبادت کرتا ہوں
 میں تم سے محبت کرتا ہوں !

مدّت سے محبت کرتا تھا ، سو جان سے تم پر مرتا تھا!
 راتوں کو میں روتا رہتا تھا ، راتوں کو میں آہیں بھرتا تھا!
 ہاں راتوں کو آہیں بھرتا تھا ، پر تم سے جو کہتے ڈرتا تھا!

آج اس کی جسارت کرتا ہوں
 میں تم سے محبت کرتا ہوں

راتوں کو مرے رونے کا سماں ، بیدار تبارے دیکھتے ہیں
 اور میرے جنوں کے غالم کو ، غالم کے نظائے دیکھتے ہیں
 باغوں کے مناظر دیکھتے ہیں ، نہروں کے کنائے دیکھتے ہیں

یوں شرح مصیبت کرتا ہوں
 میں تم سے محبت کرتا ہوں

حسرت بھری فریادوں کو مری باغوں کی فضائیں جانتی ہیں!
 فریاد سے لبریز آہوں کو صحرایہ کی ہوائیں جانتی ہیں!
 اور میرے مچلتے آنسوؤں کو سداون کی گھٹائیں جانتی ہیں!

اٹھسا حقیقت کرتا ہوں!
 میں تم سے محبت کرتا ہوں!

جس دن سے وہ صورت دیکھی ہے سو آرزوئیں بنیاب سی ہیں
 دن ہیں تو وہ بے آرام سے ہیں ، راتیں ہیں تو وہ بخواب سی ہیں
 آنکھوں تلے ہر دم پھرتی ہیں وہ ساعیہں "جو ہنسنا ب سی ہیں"

یاد، اُن کی صباحت کرتا ہوں
میں تم سے محبت کرتا ہوں

تم چاند سے بڑھ کر روشن ہو، زہرہ کی قسم تاروں کی قسم
تم پھول سے بڑھ کر رنگیں ہو، فطرت کے چین زاروں کی قسم
تم سب سے حسین ہو دنیا کی، دنیا کے نظاروں کی قسم

دنیا سے بھی نفرت کرتا ہوں!
میں تم سے محبت کرتا ہوں!

اس مگر کی دنیا میں کہ جہاں معیار صداقت کچھ بھی نہیں!
”دو اشکوں“ سے بڑھ کر سچا اور اظہار محبت کچھ بھی نہیں!
روتا ہوں تمہاری یاد میں گورونے کی شہادت کچھ بھی نہیں!

پیش اتنی شہادت کرتا ہوں!
میں تم سے محبت کرتا ہوں!

جب رات کی بکیں تنہائی میں، آپ کو تنہا پاتا ہوں!
میں بربطِ دل سے سموز و گدازِ عشق کے لغیمے گاتا ہوں!
اتنا تو بنا دو تم بھی مجھے، کیا میں بھی کہمی یاد آتا ہوں!

بتلاؤ کہ منت کرتا ہوں!
میں تم سے محبت کرتا ہوں!

گو تم سے مجھے نسبت نہیں کچھ اور ہے تو گدا و شاہ کی ہے

دہ دڑہ ہوں جس کے دل میں نہاں امید وصالِ ماہ کی ہے
اک شاعرِ مفلس جس کو ہوس اک قیصرۂ ذمیِ حباہ کی ہے

پھر بھی یہ جسارت کرتا ہوں
میں تم سے محبت کرتا ہوں

گر حکمِ دورِ روشن تاروں کو، میں لا کے جھکا دوں قدموں پر
جنت کے شگفتہ پھولوں کی جنت سی بسا دوں قدموں پر
سبح کہ ہر دماہ کو بھی سحرے میں گرا دوں قدموں پر

ناچیں ہوں مہت کرتا ہوں!
میں تم سے محبت کرتا ہوں!

چند روز لکھنؤ میں

دلِ فدائے لکھنؤ! آنکھیں تیار لکھنؤ!
ہے بہارِ خلد سے بڑھ کر بہارِ لکھنؤ!
پھر بھی زندہ ہے ابھی دُوحِ وقارِ لکھنؤ!
کیوں نہ ہو ہر مشرقی دل سے تیار لکھنؤ!
مائیہ حیرت نہیں نقش و نگارِ لکھنؤ!
ہند میں کافی ہے یہ تنہا وقارِ لکھنؤ!
ریشکِ ہر دماہ ہیں نقش و نگارِ لکھنؤ!

بعدِ مدت کے منظر آیا دیارِ لکھنؤ!
عرشِ ساماں کیوں نہ ہو خاکِ دیارِ لکھنؤ!
مٹ چکے ہیں گرچہ تاج و تاجدارِ لکھنؤ!
مشرقی رنگِ تمدن کی ہے خالص یادگار
نو بہارِ خلد کے کھوئے ہوئے کچے خواب ہیں
یہ محلِ سلاطین کی تہذیب کا گہوارہ ہے
یہ فلکِ رتبہ مکاں! یہ خلدِ ساماں گلستاں

وہ ہے تنہا آسماں پر اس میں ہیں لاکھوں نہاں
 ماہِ درِ آغوش ہے ہر ذرہ اس کی خاک کا
 محفلِ شعر و ادب ہے مست، صہیلے نیاز
 خامہ جالب کہ ہے جس پر صحافت کو غرور
 کس ادب کے لب پہ آتا ہے مرے حسن کا نام
 حضرت شہزادہ بامست علی خان کا خلوص
 چونک کر خوابِ لوح سے اپنے ویرانوں کو دیکھ
 آہ میری پارسائی کی یہ سادہ بیکسی
 مجھ کو ان روشن شبستانوں میں مرجانے بھی دے
 ایک حسنِ ناز میں تر پلے گا برسوں ہمیں
 اگلی عظمت یاد آتی ہے یہ رونق دیکھ کر

کیوں نہ ہو زہرہ کو رشکِ نغمہ زار لکھنؤ
 اے نئے حسن "طرب گاہ" دیار لکھنؤ
 ہے نگار لکھنؤ ابے شک نگار لکھنؤ
 ایک مدت سے ہے مخمور بہار لکھنؤ
 جن کی ہستی ہے فروغِ افتخار لکھنؤ
 دل میں ہے ہماں بطورِ یادگار لکھنؤ
 جانِ عالم آہ اد، جانِ بہار لکھنؤ
 ہائے رنگینی لیل و نہار لکھنؤ
 اے سربِ آباد ہند اے حسنِ زار لکھنؤ
 یہ خلش "دل میں" ہے گی یادگار لکھنؤ
 ہم تو اخترِ اب بھی ہیں ماتم گسار لکھنؤ

وگٹوریہ میموریل میں

(چند زندہ تصویروں میں دیکھ کر)

حسین چہروں سے رنگیں نقاب اٹھا ہوئے
 خرامِ ناز پرستانہ لہز شوں کا ہجوم
 سیاہ پردوں میں شادابِ ناز میں چہرے

شریر آنکھوں میں سو بجلیاں بسائے ہوئے
 فضا کی گود میں میخانے تھر تھرائے ہوئے
 حسین تارے گھٹاؤں میں حکم بکائے ہوئے

گھنیری زلفوں کے سائے میں عارضوں کی کہا
 سیہ نقاب میں روشن شفق منار خسار
 شفق کی موجوں پہ تنویر رنگ و بوقصاں
 نشر دہ کئے گل ماہ نقاب کا جس کو
 رُخ صبح پہ گیسوئے مشک بوکا جوم
 فضائے کاکل مشکیں میں شعلہ گون عارض
 قدم قدم پہ بنگا ہوں کو دعوتِ سجد
 فضائے باغ میں لرزاں وہ پھول سے پکر
 وہ ہر نظر میں کوئی ماجرا طرازا
 زبان حافظ و خیام میں تکلم رینہ
 بھلا چکی جہنیں صد یوں سے سر زین عجم
 ہر اک ادا عجمیت کے رنگ سے سرشار

اندھیری شاخوں میں کچھ پھول لہلہائے ہوئے
 چراغ، رات کے پردوں میں جھلکائے ہوئے
 کہ ان کے لب پہ تبسم سے لہلہائے ہوئے
 جوان چہروں پہ وہ نور حکم گائے ہوئے
 فرشتے جانبِ افلاک پر اٹھائے ہوئے
 سواِ شام میں آتش کدے جلائے ہوئے
 کنارِ شام میں بتخانے سے بسائے ہوئے
 شفق میں ڈوبے ہوئے نور میں بنائے ہوئے
 وہ ہر ادا میں کوئی راز سا چھپائے ہوئے
 شراب و شعر کے بادلِ فضا پہ چھپائے ہوئے
 نقاب میں ہی آتش کدے چھپائے ہوئے
 میموریل کو سواِ عجم تبسم بنائے ہوئے

نگاہِ یاس کو اذنِ کلام دیتی جاؤ !

مسافرانِ حزیں کا سلام لیتی جاؤ !

الانسو

بن گئے شامِ محبت کے ستارے آنسو
 میری آنکھوں میں آجائیں تمہارے آنسو

میرے پہلو میں جو بہہ نکلے تمہارے آنسو
 دیکھ سکتا ہے بھلا کون یہ پیارے آنسو

شمع کا عکس جھلکتا ہے جو ہر آنسو میں
 مینہ کی بوندوں کی طرح ہو گئے سستے کیونچ
 صاف اقرارِ محبت ہوزباں سے کیوں کر
 بھرا بھی دور ہے میں پاس ہوں اے جانِ وفا
 صبح دم دیکھ نہ لے کوئی یہ بھیکا آسچل
 اپنے دامان و گریباں کو میں کیوں پیش کر دوں
 دم رخصت ہے قریب اے غمِ فرقت خوش ہو
 صدِ قے اس جانِ محبت کے میں اختر جس کے

بن گئے بھیگی ہوئی رات کے تارے آنسو
 موتیوں سے کہیں ہنگے تھے تمہارے آنسو
 آنکھ میں آ گئے یوں شرم کے مارے آنسو
 کیوں ہوئے جاتے ہیں بے چین تمہارے آنسو
 میری چغلی کہیں کھا دیں نہ تمہارے آنسو
 میں مرے عشق کا انعام تمہارے آنسو
 کرنے والے ہیں جدائی کے اشلے آنسو
 رات بھر بہتے رہے شوق کے مارے آنسو

انوارِ معصوم

نگاہوں میں فرشتوں کی مسرت تھرپھراتی ہے
 وہ موسیقی جو آوارہ تھی جنت کی بہاروں میں
 وہ نکہت جو سما سکتی نہیں پھولوں کے دامن میں
 وہ تابانی کہ طوفانِ ن ہے تاروں کی شعاعوں میں
 وہ شادابی جو پوشیدہ ہے حوروں کے تنہم میں
 وہ روحانی لطافت جس کو کھو بیٹھی ہے یہ دنیا

لبوں پر ننھی کلیوں کی لطافت مسکراتی ہے
 زباں پر ان کی موجِ کیف بن کر گنگناتی ہے
 وہ ان شاداب پھولوں کی جبین پہ لہلاتی ہے
 سیہ آنکھوں میں ان کی بن کے سجلی جگمگاتی ہے
 لبوں پر ان کے موجِ رنگ بن کر جھللاتی ہے
 ابھی ان کے تنہم سے جھلک اپنی دکھاتی ہے

بہارِستانِ طفلی کی یہ معصوم روحیں ہیں
 جنہیں فطرت خود اپنی دل کی گودی میں کھلاتی ہے

اے سرزمینِ گجرات

اے سرزمینِ گجرات! اے خلدِ زارِ اُلفت!
 پھولوں میں تیرے رقصاں، رُوحِ بہارِ اُلفت!
 تیرا ہر ایک ذرہ ہے رازِ دارِ اُلفت!
 اے یادگارِ اُلفت!
 اے سرزمینِ گجرات!

حُسن و حجاب کا اک گہوارہ کہئے تجھ کو!
 شعر و شباب کا اک شہ پارہ کہئے تجھ کو!
 فطرت کا ایک رنگیں منظر پارہ کہئے تجھ کو!
 گل پارہ کہئے تجھ کو!
 اے سرزمینِ گجرات!

اے سرزمینِ گجرات، تو کانِ عاشقی ہے!
 پنجاب کے بدن میں، تو جانِ عاشقی ہے!
 ہاں جانِ عاشقی ہے، ازمانِ عاشقی ہے!
 ایمانِ عاشقی ہے!
 اے سرزمینِ گجرات!

وہ سوہنی مہینوال، دو عشق باز تیرے!

دو رُوح عاشقی کے آواہ راز تیرے !
 سوز و گداز سے دو، لبریز ساز تیرے !
 نغمہ طراز تیرے !
 اے سرزمینِ گجرات !

افسانہ حزیں ہے، رسوائے عام جن کا !
 دُنیا کے عاشقی میں زندہ ہے نام جن کا !
 آنسو کی طرح پھلکا، اُلفت کا جام جن کا !

دورِ مرام جن کا !
 اے سرزمینِ گجرات !

ماقم سرا ہے جن کے غم میں چناب اب تک !
 بیتاب، جن کی خاطر ہے، ماہتاب اب تک !
 اور جن کو ڈھونڈتی ہے ہر موج آب اب تک !

چشمِ حباب اب تک !
 اے سرزمینِ گجرات !

تیری ہی خاک، اُن کا کہوارجِ حبیب تھی !
 تیری فضا ہی ان کا آغوشِ ناز نہیں تھی !
 تیرے ہی در پہ اُن کی خاکِ آشناں جبیں تھی !

اور سحرِ آفریں تھی !

اے سرزمینِ گجرات!

آنکھوں کے سامنے ہو، رودِ چناب جس دم!

مصر و منبِ نوزِ پاشی، ہو مہتاب جس دم!

اور دورِ حبلوہ گر ہو پہلے آب جس دم!

بااضطرب جس دم!

اے سرزمینِ گجرات!

اُس دم مرے تصور، ہم رنگِ خواب ہو کر!

اہسراتے ہیں افق پر امواجِ آب ہو کر!

کرتے ہیں رقص، عکسِ صہبائے باب ہو کر!

کیفِ شراب ہو کر!

اے سرزمینِ گجرات!

آتی ہے سو مہنی جب، دریائے پار ہونے

عاشق کی حسرتوں پر، جا کر نثار ہونے

طیفاں کی شورشوں کا بے بس شکار ہونے

اتم گسار ہونے!

اے سرزمینِ گجرات!

دریا پہ ہیں پریشاں، وہ دل گدازِ نغمے!

وہ سوزِ عاشقی کے، شعلہ طرازِ نغمے!

نغمے، وہ مست کیفیتِ عرضِ نسیا، نغمے!
 پُرسوز و سازِ نغمے!
 اے سرزمینِ گجرات!

موجوں کی دھیمی دھیمی آواز آرہی ہے!
 یا رُوحِ سوہنی کی درپردہ گارہی ہے!
 اور دردِ عاشقی کے نغمے سنارہی ہے!
 آنسو بہا رہی ہے!
 اے سرزمینِ گجرات!

دنیلے عاشقی پر، احساں ہیں تیرے اب تک!
 حُسنِ آفریں، بہشتی مبدِال ہیں تیرے اب تک!
 اور عشقِ خیز، رنگیں بُستاں ہیں تیرے اب تک!
 دامان ہیں تیرے اب تک!
 اے سرزمینِ گجرات!

عُریاں ہے حسن، تیرے گزیر گلشنوں میں!
 آوارہ، عشق، تیرے شادابِ امنوں میں!
 فطرت، برہمنہ، تیرے پُر نور ایمنوں میں!
 رنگین مسکنوں میں!
 اے سرزمینِ گجرات!

اک سوہنی ہے اب بھی، دامن میں تیرے پنہاں!
 اک یاسمیں ہے اب بھی، گلشن میں تیرے پنہاں!
 ہے اک شعاع، اب بھی ایمن میں تیرے پنہاں!
 سکن میں تیرے پنہاں!
 اے سرزمینِ گجرات!

بے کیفی جہاں کی تکلیف سے بچالے!
 للہند مجھ کو اپنے صحراؤں میں بلالے!
 اور دوسرا ہینوال اپنا مجھے بنالے!
 دیوانوں کی دعا لے!
 اے سرزمینِ گجرات!

آنکھوں میں بس رہی ہیں، وہ پر بہار راتیں!
 وہ مشکبو ہوئیں، وہ شکبار راتیں!
 وہ نشہ گوں فضا تیں، وہ نشہ زار راتیں!
 وہ یادگار راتیں!
 اے سرزمینِ گجرات!

ماضی کے آئینہ سے، ہاں پھر نقاب اٹھا دے!
 بھولا ہوا سماں وہ دنیا کو پھر دکھا دے!
 گجرات کی فضا کو پھر خبہ سا بنادے!

سلمے سے پھر ملائے !
اے سرزمینِ گجرات !

پھر آرزو کو رسوا کرنے کی آرزو ہے !
رونے کی اور آہیں بھرنے کی آرزو ہے !
سلمے کے قدموں پر سرد مہرنے کی آرزو ہے !
مرنے کی آرزو ہے !
اے سرزمینِ گجرات !

بستی کی لڑکیوں میں (ایک دیہاتی گیت)

فریادی جفلے ایام ہو رہا ہوں
پامالِ جورِ بختِ ناکام ہو رہا ہوں
مگرشتہ خیالِ انخسار ہو رہا ہوں
بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں
بدنام ہو رہا ہوں !
سلمی سے دل لگا کر !
بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں
سلمی سے دل لگا کر سلمی سے دل لگا کر

اُس حور و شس کے غم میں دنیا دیدیں گنا کر ہوش و حواس کھو کر، صبر و سکون لٹا کر
 بیٹھے بٹھائے دل میں غم کی خلش لبا کر
 ہر چیز کو بھلا کر!
 سلمیٰ سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں
 کہتی ہیں سب یہ کس کی تڑپا گئی ہے صورت
 سلمیٰ کی شاید اس کے من بھاگئی ہے صورت اور اس کے غم میں اتنی مر بھاگئی ہے صورت
 مر بھاگئی ہے صورت کھلا گئی ہے صورت
 سنو لا گئی ہے صورت
 سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں
 پنگھٹ پہ جب کہ ساری ہوتی ہیں جمع آکر
 گا کر کو اپنی رکھ کر، گھونگٹ اٹھا اٹھا کر یہ قصہ چھیڑتی ہیں مجھ کو بتا کر
 سلمیٰ سے باتیں کرتے دیکھا ہے اس کو جا کر
 ہم نے منظر بچا کر!
 سلمیٰ سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!
 لاتوں کو گیت گانے، جب ملکر آتی ہیں سب

تالاب کے کنارے، دھوپ میں مچاتی ہیں سب جنگل کی چاندنی میں منگل مناتی ہیں سب

قویر کا درختی کے گیت گاتی ہیں سب

اور ہستی جاتی ہیں سب

سلمی سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

کھیتوں سے لوتی ہیں جب دن چھپے مکاں کو

تبستے میں باہم وہ میری داستاں کو دہر کے چھڑتی ہیں سلمیٰ کو، میری جاں کو

اور وہ حیا کی ماری سی لیتی ہے زباں کو

کیا چھڑے اس بیاں کو

سلمی سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

کہتی ہے رحم کھا کر یوں ایک ماہ طلعت

یہ شہری نوجواں تھا کس درجہ خوبصورت آنکھوں میں بس ہی ہے اب بھی وہ پہلی نگہ

دو دن میں آہ کیسے کیا ہو گئی ہر حالت

اللہ تیری قدرت

سلمی سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

اُس شمعِ رد کا جو بسے پروانہ بن گیا ہوں

بستی کی لڑکیوں میں افسانہ بن گیا ہوں ہر ماہ و ش کے لب کا پیمانہ بن گیا ہوں

دیوانہ ہو رہا ہوں، دیوانہ بن گیا ہوں

دیوانہ بن گیا ہوں

سکمی سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

ان کی زباں پہ میری جتنی کہانیاں ہیں

کیا جانیں یہ کہ دل کی سب مہربانیاں ہیں کس میں بے خبر ہیں اٹھتی جوانیاں ہیں

کیا سمجھیں، غم کے ہاتھوں کیوں سرگرنیاں ہیں

کیوں خوں نشانیاں ہیں

سکمی سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

ہر اک کے رحم کا یوں اظہار ہو رہا ہے

”بے چارے کو یہ کیسا آزار ہو رہا ہے دیکھ تو کوئی جانے بیمار ہو رہا ہے

کس درجہ زندگی سے بیزار ہو رہا ہے

ناچار ہو رہا ہے“

سکمی سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

اک پوچھتی ہے اگر تم بے قرار کیوں ہو؟

کچھ تو ہمیں بتاؤ یوں دل نگار کیوں ہو؟ کیا روگ ہے کہ تو تھم اشکبار کیوں ہو؟
دیوانے کیوں ہوئے ہو دیوانہ دار کیوں ہو؟

با حال زار کیوں ہو؟

سلمیٰ سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

جاؤں شکار کو گر باہر ہاں صحرا!

کھیتوں سے گھورتی ہیں یوں خزانِ صحرا بجلی کی روشنی کو جیسے میانِ صحرا

تار یک شب میں دیکھیں کچھ آہوانِ صحرا!

حیرت کشانِ صحرا!

سلمیٰ سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

اک شوخ چھیڑتی ہے اس طرح پاس!

”دیکھو! وہ جا رہی ہے سلمیٰ نظر بچا کر شرما کے مسکرا کر، آنچل سے منہ چھپا کر

جاؤ نا پیچھے پیچھے دو باتیں کر لو جا کر!

کھیتوں میں چھپ چھپا کر

سلمیٰ سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

گو یا ہیں یوں حسد سے کچے ناز نہیں نگاہیں

سُلمی کی بھاگئی ہیں کیوں دل نشیں نگاہیں؟ ان سے زیادہ دلکش ہیں حسیں نگاہیں“
 القصدہ ایک دل ہے، شوخ نگاہیں نگاہیں!

شوق آفرین نگاہیں!

سُلمی سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

اک شوخ تازہ دار دس سال سے گھر آکر

سکھیدوں سے پوچھتی ہے جس دم مجھے بتا کر ”یہ کون ہے“ تو ظالم کہتی ہیں مسکرا کر

”تم اس کا حال پوچھو سُلمی کے دل سے جا کر

یہ گیت اُسے سنا کر“

سُلمی سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

ایک تلخ اعتراف

کسی سے کبھی دل لگایا نہ تھا	محبت کا صدمہ اٹھایا نہ تھا
حسینوں کے رونے پہ ہنستے تھے ہم	کبھی ایک آنسو بہایا نہ تھا
کوئی حور ہو یا پریمی اپنا سر	کسی آستیاں پر جھوکایا نہ تھا
دکھاتے رہے نارغینوں کے دل	کسی نے دل اپنا دکھایا نہ تھا
وہ دل تھا ہمارا کہ جس میں کبھی	فرشتوں نے بھی بارپایا نہ تھا

سیہ کیسیوؤں کو تمار ہی
کوئی کیدسا ہی ماہر و ہو مگر
زمانے میں وہ کون تھا زہرہ و ش
کوئی ہم سے کتنا ہی رُوٹھا مگر
حبیبوں کے دل ہم نے چھینے سدا
کوئی ناز نہیں ہو کہ نازک بدن
ہمیشہ سنے دوسروں کے گلے
بسر کی سدا عیش و عشرت میں عمر
مے عیش سے مست و بخود ہے
مگر اک جھلک نے ہمیں کھود یا
کیا عشق کے درد میں مبتلا

مگر دل کو ہم نے پھنسا یا نہ تھا
ہماری نظر میں سما یا نہ تھا
کہ سینے جس نے لگایا نہ تھا
کبھی بھول کر بھی منایا نہ تھا
مگر خود کبھی دل لگایا نہ تھا
کسی کا کبھی ناز اٹھایا نہ تھا
کسی کا گلہ لب پہ آیا نہ تھا
کبھی رنج ہم نے اٹھایا نہ تھا
مرزہ تلخی غم کا پایا نہ تھا
یہ صدمہ تو ہم نے اٹھایا نہ تھا
”فلک نے تو اتنا ہنسا یا نہ تھا“

کہ جس کے عوض یوں رُلانے لگا

ایک آرزو!

سارے سنار پہ گھنگور گھٹا چھائی ہے
اس قدر مست ہو ہے کہ فلک سے گویا
فطرت کہنے گل افشا ہے قبا سے نو میں
دل مچلتا ہے فضاؤں سے لپٹنے کے لئے

جس طرف دیکھتے اک تازہ بہار آئی ہے
بارغ فردوس کی خوشبو میں چرا لائی ہے
عالمِ پیر کو پھر دعوتِ برنائی ہے
موجزن آج کچھ اس طرح کی رعنائی ہے

میں نے بڑستا ہے کہ سادہ کی پری جنت سے
 بخودی کہتی ہے ہر ذرے کے بوسے لیجے
 آج کو شکی کوئی نہر بہا لائی ہے
 کیسی ہر ذرے پہ رنگینی ہے زیبائی ہے
 اپنے دامن میں کوئی خلد اٹھا لائی ہے
 دل کسی اور کسی کا بھی تمنائی ہے
 یہ تو سب کچھ ہے مگر اب بھی کسر ہے باقی

گل نظر رہ سے تکمیل کی بو آجائے!
 اگر ایسے میں کسی سمت سے تو آجائے!

ایک عزیز کے واپسی یورپ پر

مضطرب تھا ترا محبوب وطن تیرے لئے
 خاک بر سر تھا یہ شاداب چمن تیرے لئے
 چشم مینا سے لہو روتا تھا مینا نہ ہست
 کتنا غمگین تھا ، یہ دیر کہن تیرے لئے!
 بمبئی تک ترے مشتاق چلے آئے ہیں!
 تیرے دیرینہ رفیقستان وطن تیرے لئے!
 خیر مقدم کے لئے ، شوق سے ہے چشم براہ
 گلشن ہند کا ہر سر و دوچمن تیرے لئے!
 کلفت راہ مٹانے کو ہے ساغر و در دست
 منتظر مسکدہ گنگا و چمن تیرے لئے!

فرش کے بدلے بچاتی ہے نسیم سحری
 نہکت نستر و بوئے سمن تیرے لئے!
 اتنا بے خود ہے خوشی سے کہ بجز گردشِ جام
 گردشیں بھول گیا چرخ کہن تیرے لئے!
 پھر وطن میں ہو مبارک ترا آنا تجھ کو
 یوں دعا گو ہیں عزیزانِ وطن تیرے لئے!
 رشکِ صدِ جنتِ رنگیں تر مستقبل ہے
 یوں ثنا خواں ہیں جوانانِ چمن تیرے لئے!
 دلِ خستہ سے نکلتی ہے یہ مستانہ دعا!
 تو وطن کے لئے ہو اور وطن تیرے لئے!

ایکس فر و شر سے

محبتِ آہ تیری یہ محبتِ رات بھر کی ہے!
 تری رنگین خلوت کی لطافتِ رات بھر کی ہے!
 ترے شاداب ہونٹوں کی عنایتِ رات بھر کی ہے!
 ترے مستانہ بوسوں کی صلاوتِ رات بھر کی ہے!
 مہِ روشن ہے تو اور تیری طلعتِ رات بھر کی ہے!
 گلِ شبو ہے تو اور تیری نہکتِ رات بھر کی ہے!

تو کیا جانے کہ سودائے محبت کس کو کہتے ہیں ؟
 محبت اور محبت کی لطافت کس کو کہتے ہیں ؟
 غم، ہجران ہے کیا اور سوزِ الفت کس کو کہتے ہیں ؟
 جنوں ہوتا ہے کیسا اور وحشت کس کو کہتے ہیں ؟
 تو کیا جانے ؟ غم شربِ اے فرقت کس کو کہتے ہیں ؟
 ترے اظہارِ الفت کی فصاحت رات بھر کی ہے !
 نگاہِ مست سے دل کو مرے تڑپا رہی ہے تو !
 ادائے شوق سے جذبات کو بھرکا رہی ہے تو !
 مجھے بچے کی صورت ناز سے پھسلا رہی ہے تو !
 کھلونے دے کے بوسوں کے مجھے بہنا رہی ہے تو !
 مگر نادان ہے تو ! آہ دھوکا کھا رہی ہے تو !
 مجھے معلوم ہے تیری محبت رات بھر کی ہے !
 ترارِ روئے درخشاں ہے مغلّسا ہر ماہتابِ آسا !
 ترے ہونٹوں کی شادابی ہے رنگت میں شرابِ آسا !
 ترے رخسار کی مہتابیاں ہیں آفتابِ آسا !
 مگر ان کی حقیقت ہے حبابِ آسا، سرابِ آسا !
 کہ غازے کی صباحت اس پہ چھانی ہے نقابِ آسا !
 اور اس غازے کی بھی جھوٹی صباحت رات بھر کی ہے !

یہ مانا تیسری خلوت کی فضا، رُوحِ گلستاں ہے!
 تری خلوت کا ہر فانوس اک ہمتابِ لرزاں ہے!
 ترا پریشمی بستر نہیں اک خوابِ خداں ہے!
 ترا جسمِ آفتِ دل، تیرا سینہ آفتِ جاں ہے!
 تو اک زندہ ستارہ ہے جو تہنائی میں تاباں ہے!
 مگر کہتے ہیں تاروں کی حکومت رات بھر کی ہے!
 لطافت سے ہیں خالی تیرے کملائے ہوئے بوسے!
 طراوت سے ہیں خالی تیرے مرجھائے ہوئے بوسے!
 نزاکت سے ہیں خالی تیرے گہرائے ہوئے بوسے!
 حقیقت سے ہیں خالی تیرے شرمائے ہوئے بوسے!
 محبت سے ہیں خالی تیرے گہرائے ہوئے بوسے!
 اور ان بوسوں کی یہ جھوٹی حلاوت رات بھر کی ہے!
 ترے زہریلے بوسے مجھ کو جس دم یاد آئیں گے!
 مرے ہونٹوں پہ کالے ناگ بن کر تھر تھرائیں گے!
 پشیمانی کے جذبے مجھ کو دیوانہ بنائیں گے!
 مرے اذکار کو نفرت کے خنجر گد گدائیں گے!
 مرے دل کی رگوں میں غم کے شعلے تیر جائیں گے!
 میں سمجھا! آہ سمجھا! یہ مسرت رات بھر کی ہے!

مجھے دیوانہ کرنے کی مسرت، بے خبر کب تک؟
 رہے گی میرے دل میں تیری الفت کار کب تک؟
 مجھے مسحور رکھے گا یہ عشق بے شر کب تک؟
 حقیقت کی سحر آخر نہ ہوگی پردہ در کب تک؟
 مجھے مغلوب کر کے خوش ہے تو ظالم مگر کب تک؟
 تری یہ فسح میری یہ ہزیمت رات بھر کی ہے!

آہ وہ راتیں!

جبیں بندگی سے شوق کے سجدوں کی بارش ہے
 اور ان کی بھولنے والی نگاہوں سے گذارش ہے
 کہ وہ گذری ہوئی مستانہ راتیں یاد ہیں اب بھی
 وہ راتیں، وہ ملاقاتیں، وہ باتیں یاد ہیں اب بھی
 وہ راتیں، آہ! جن کی گود میں ہم چھپ کے ملتے تھے
 وہ باتیں جن کے پردوں میں دلوں کے تار پلتے تھے
 وہ راتیں، آہ! جو سیراب تھیں جوئے محبت سے
 وہ باتیں، آہ! جو شاداب تھیں بوئے محبت سے
 وہ راتیں، جب محبت کے فسانے جاگ اٹھتے تھے
 ربابِ دل کے خوابیدہ ترانے جاگ اٹھتے تھے

کتابِ عاشقی کے جب اُلٹتے تھے ورقِ ہم تم !

وہ راتیں، جن میں بے خوابی کے لیتے تھے سونے ہم تم !

سکون سوتا تھا جب، بیتابیاں ہشیار ہوتی تھیں

وہ راتیں، جن میں دل کی دھڑکنیں بیدار ہوتی تھیں

سکون و صبر کھودیتی تھیں جب تم، آہ وہ راتیں !

خیالِ غم سے رو دیتی تھیں جب تم، آہ وہ راتیں !

اگر تم کو یہ بھولی بسری باتیں یاد آ جائیں !

اور آغنا ز محبت کی وہ راتیں یاد آ جائیں !

تو ان راتوں کی رنگیں داستانی کی قسم تم کو !

اور اپنی پاک و دوشیزہ جوانی کی قسم تم کو !

جو ان راتوں میں روشن تھے قسم ہے ان ستاروں کی

جو ان راتوں میں بکھرے تھے قسم ہے ان نظاروں کی

محبت کی انہی معصوم راتوں کی قسم تم کو !

حقیقت کی انہی ”موہوم“ راتوں کی قسم تم کو !

قسم اس پاک بازی کی، جو لہتی باہم خیالوں میں !

قسم اس بے نیازی کی جو عقی باہم سوالوں میں !

انہی بہر کی ہوئی نیچی نگاہوں کی قسم تم کو !

انہی کھوئی ہوئی خاموش آہوں کی قسم تم کو !

قسم اُس چاک دامانی کی، جو مجبور و حشت تھی !
 قسم اُس پاک دامانی کی، جو مغرور و عفت تھی !
 قسم اُن آنسوؤں کی جو بہائے تھے کبھی تم نے !
 وہ سیارے جو آنکھوں سے گرائے تھے کبھی تم نے !

مشرور و عشق کی بے تاب یوں کی ہے قسم تم کو !
 زبانِ حُب کی بے خوابیوں کی ہے قسم تم کو !
 فقط اتنا بتادو ! کیا وہ باتیں پھر نہ آئیں گی ؟
 وہ راتیں ! آہ وہ راتیں ! وہ راتیں ! پھر نہ آئیں گی ؟

ایک شاعر کا شاد دہی !

جس کو دعویٰ تھا کہ وہ دنیا میں صرف شاعرانہ زندگی گزارے گا

اے کہ تھا اُس تجھے عشق کے افسانوں سے !
 زندگانی تری آباد تھی رومانوں سے !
 شعر کی گود میں پلتی تھی جوانی تیری !
 تیرے شعروں سے اُبلتی تھی جوانی تیری !

رشتکِ فردوس تھا ہر حُسن بھرا خواب ترا !
 ایک پامال کھلونا تھا یہ ہمتا ب ترا !

نہکتے شعر سے ہلکی ہوئی رہتی تھی سدا!
نشہ فکر میں بہکی ہوئی رہتی تھی سدا!

شرکتِ غیر سے بیگانہ تھے نغمے تیرے!
عصمتِ حور کا افسانہ تھے نغمے تیرے!
شعر کی خلوتِ رنگیں تھی پر می حسانہ ترا!
مست خوابوں کے جزیروں میں تھا کاشانہ ترا!

غائب از چشم تھی جنت کی بہاروں کی طرح!
دستِ انساں سے تھی محفوظ ستاروں کی طرح!
صحبتِ غیر سے گھبراتی تھی تنہائی تری!
آئینے سے بھی تو شرمانی تھی تنہائی تری!

صبح کی طرح سے دوشیزہ تھی ہستی تیری!
بوئے گل کی طرح پاکیزہ تھی ہستی تیری!
نغمہ و شعر کے فردوس میں تو رہتی تھی!
یکسر الہام و ترنم تھا جو تو کہتی تھی!

تیرے اشعار تھے، جنت کی بہاروں کے ہجوم
تیرے افکار تھے، زریں ستاروں کے ہجوم
دردِ شعری کے تاثر سے تو مغموم تھی تو!
آسمان کا مگر اک غنچہ معصوم تھی تو!

موج کو شرکا پھلکتا ہوا پیسا نہ تھی !
غیر ہونٹوں کے قصور سے بھی بیگانہ تھی !

اب گوارا ہونی کیوں غیر کی صحبت تجھ کو ؟
کیوں پسند آگئی نا جنس کی شرکت تجھ کو ؟
اورچ تفتہ یس کو پستی کی ادا بھاگئی کیوں ؟
تیری تنہائی کی جنت پہ خزاں چھا گئی کیوں ؟
شعرو رومان کے وہ خواب کہاں ہیں تیرے ؟
وہ نقوش گل و ہناب کہاں ہیں تیرے ؟
کون سی طُرفہ ادا بھاگئی اس دُنیا میں ؟
خلد کو چھوڑ کے کیوں آگئی اس دُنیا میں ؟
ہو گئی عام تو نورِ مسہر تا باں کی طرح !
آہ ! کیوں جل نہ بجھی شمع شبستاں کی طرح !
اپنی دوشیزہ بہاروں کو نہ کھونا تھا کبھی !
وہ کلی تھی تو ، جسے پھول نہ ہونا تھا کبھی !
غفتیں مٹائے ، جوانی کو مٹا جاتی ہیں !
پھول کھلاتے ہیں ، کلیاں کہیں کھلاتی ہیں !
بلبلِ مست نوا ، درشت میں کیوں رہنے لگی ؟

نغمہ تر کی جگہ ، مرثیہ کیوں کہنے لگی ؟
 ہو س آلودہ ہوئی پاک جوانی تیری !
 غنیر کی رات ہے اب ، اور کہانی تیری !
 کس کو معلوم تھا تو اس قدر ارزاں ہوگی !
 زینتِ محفل و پامالِ شبستاں ہوگی !
 جذبِ عفت کا میسر تھا جو عرفاں تجھ کو !
 کیوں نہ مرغوب ہوا شیوہِ جانان تجھ کو !
 تیرگی ، حرص کی ، حوروں کو بھی بہکا ہی گئی !
 تیرے بستر پہ بھی آخر کو شکن آ ہی گئی !
 اب نہیں تجھ میں وہ حوروں کی سی عفت باقی !
 حور تھی تجھ میں گئی ، رہ گئی عورت باقی !
 ہاں وہ عورت جسے بچوں کا فسانہ کہئے !
 بر بیا نفس کا اک منخش ترانہ کہئے !
 جس میں ہے زہرِ عفونت کا وہ پیمانہ کہیں !
 اک گنا ہوں کا بھسکھکتا ہوا مے خانہ کہیں !
 سو گوار اپنی جوان موت کا ہونے دے مجھے
 مسکراتو ، مگر اس حال پہ رونے دے مجھے !

لے جاناں بیگم

دل کی ویلگی

نوحہ زارِ عسرت ہے شہرِ دل کی دیرانی
روح کی پریشانی
ظلمتِ تغافل میں گم ہے شمعِ عرفانی
نورِ منکرِ انسانی

شرق ہے عمارتِ کائنات میرا اب بھی
شش جہات میرا اب بھی
خندہ زن ہیں انجم، پر کاہلے سلطانِ
بادِ ادائے سلطانِ

بے چراغ، اب لکینِ روح و دل کے یواں ہیں
خستہ حالِ دیریاں ہیں
ظلمتوں میں خوابیدہ ہے دیارِ انسانی
جلوہ زارِ انسانی

اب بھی باغِ دبستاں ہیں از بہار سے معمور

سبزہ زار سے معمور
شاخسار پر رقصاں ہے شمیم بستانی
نکھت گلستانی

پر بدل گئی حالت، بزمِ قلبِ نساں کی
لونہارِ امکاں کی
بن گئی ہے مٹ مٹ کر یادِ گارِ ویرانی
داغِ دارِ ویرانی

کوہسار ہیں اب بھی شاخسار سے آباد
برگ و بار سے آباد
دامنوں میں رقصاں ہیں آیشارِ نورانی
جوشِ بارِ نورانی

روح و دل میں ہیں لیکن سخت آفتیں برپا
ہاں قیامتیں برپا
ہو چکی ہے اب غارت، وہ فضائے روحانی
وہ صفائے روحانی



اب بھی ساغرِ خورشید، نور کا نشیمن ہے
 جلوہ زارِ امین ہے
 اب بھی ہے شعاخوں میں، اس کی شعلہ سمانی
 رنگ و نور و تابانی

روح و دل سے ہیں لیکن، کل حرا زیں خصلت
 وہ لطافتیں خصلت
 رہ گئے ہیں سینوں میں قطرہ طئے بارانی
 پر تو بخشتانی!

اب بھی ہوتی ہے ذریت، ہر مکانِ ایواں کی
 مسکن و شبستاں کی!
 ذرے ذرے سے روشن ہے فروغِ نورانی
 رونق و درخشانی

پھوڑ دی ہے انسان نے لیکن ایک مدت سے
 اپنی جہل و غفلت سے
 روح و دل کے ایواں کی نو بہارِ سمانی

افخار سامانی!

سازِ دہر سے جاری حرص کے ترانے ہیں
فسق کے فلانے ہیں
مٹ گیا ہے مستی سے ذوقِ پاک دامانی
نقشِ کیفِ روحانی

ہو رہی ہے انساں میں خجائے شیطنت پیدا
اک بہمیت، بیدار
منظروں پہ عریاں ہیں پھر قوائے شیطانی
جذبہ ہائے حیوانی

برہمن سے رخصت ہیں، آج گیان کی باتیں
اور دھیان کی باتیں
شیخ میں نہیں باقی شیوہِ مسلمانی
پاسِ ذوقِ ایمانی

حرص و آرز کی دُنیا بستی ہے خیالوں میں

پستی ہے خیالوں میں
بحرِ دل میں طوفاں زن، ہے ہوس کی طغیانی
فسق کی سرادانی

دل نہیں ہیں سینوں میں، عفتوں کے رہزن ہیں
عصمتوں کے مدفن ہیں
روحِ جسم میں ہے یا پیکرِ ہوس رانی
روحِ خونِ نفسانی

چھا ہے ہیں غفلت کے پرچے چشمِ انسان پر
گلِ فضا کے امکاں پر
چند روزہ ہے مہماں، عہدِ عشرتِ فانی!
دورہ تنِ آسانی

نوحہ زارِ عبرت ہے شہرِ دل کی دیرانی
روح کی پریشانی!
ظلمتِ تغافل میں، گم ہے شمعِ عرفانی!
نورِ منکرِ انسانی!

عاشقانہ موت

عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل، قندھار چل!

رنگ لایا ہے نیا پھر چرخِ کج رفتار چل!
پھر نظر آتے ہیں برپا، حشر کے آثار چل!
کعبۂ ملت پہ ہے پھر نزعۂ اشعار چل!
چھوڑ دے، ہاں چھوڑ دے، دنیا کے کاروبار چل!

پھر اٹھالے ہاتھ میں شمشیر جوہر دار چل!

عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل، قندھار چل!

خونِ افغانی تری رگ رگ میں طوفاں خیز ہے!
جوشِ قومی تیرے دل میں ولولہ انگیز ہے!
جذبہ غیرت تیرے سینے میں آتش زبیر ہے!
ترا تیرے صاف و روشن، تیرا خنجر تیز ہے!

اور ترے تو سن کی ہے برقِ آشنایں رفتار چل!

عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل، قندھار چل!

موج زن ہے اک بہار بے خزاں قندھار میں!
چار سو ہے رحمتِ حق، گلِ فشاں قندھار میں!
کوندتی ہیں قومیت کی بجلیاں قندھار میں!

جلوہ گستر ہیں امان اللہ خاں قندھار میں!

ہو رہا ہے جمع ہر سو لشکرِ احرار چل!

عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل، قندھار چل!

کوئی دن میں انقلابِ آسماں ہونے کو ہے

لشکرِ قندھار پھر کابل و واں ہونے کو ہے

شاہِ غازی کا ستارہ پھر جواں ہونے کو ہے

قومی غداروں کی ہستی بے نشان ہونے کو ہے

جھلملاتے ہیں افق پر مسیح کے انوار چل!

عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل، قندھار چل!

فسیرِ وحی کی ادائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد

ارضِ کابل کی نفسائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد

باغِ ملت کی ہوائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد

اُٹھ بزرگوں کی صدائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد

موت کی وادی میں کر، اسلاف کا دیدار چل!

عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل، قندھار چل!

ضیغمِ اسلام امان اللہ غازی زندہ باد!

سایہٴ اقبالِ ادچوں آسماں پائندہ باد!

برجِ بنیشِ تانا بد نورِ ظلمتِ تابندہ باد!

حاشش رانخل عمر از یخ و بن برکتہ بادا

گو بچنے کو ہے فضا میں نعرہ آسراہ چل !
عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل قندھار چل !

”یورہالی نسح!“

(ناستہم)

میں جب کسں تھا اور تو اپنے سینے سے لگاتی تھی

ترمی ہنستی ہوئی نظروں سے مجھ کو شرم آتی تھی
مچلتا تھا میں تیری گود سے باہر نکلنے کو !

مگر تو اک اداۓ مطمئن سے مسکراتی تھی
ترے وہ گیت، اب تک گونجتے ہیں میرے کانوں میں

جنہیں میرے لئے لکھتی تھی تو اور گنگنا تی تھی
سمجھتا تھا بہت کم، مطلب ان گیتوں کا میں، لیکن

ترمی اس شوخی گویا سے مجھ کو شرم آتی تھی
ترا وہ مخملی بستر، ابھی تک یاد ہے مجھ کو !

مجھے سردی کے ڈر سے جس میں تو اکثر سلاتی تھی

وہ بستر، یا سمیں بستر، سراسر غنیمتیں بستر!
 جہک سے جس کی حورانِ جاناں کو نیند آتی تھی
 میں سو جاتا تھا جب رنگیں دلائی اوڑھ کر تیری
 تو اپنے حرم میں ہاتھوں سے مجھ کو کد اُتاتی تھی
 وہ تیری خواب گہ کے نیلگوں ابریشمی پرے
 سہرِ شام آکے زگس جن کو چپکے سے گرا تی تھی
 دماغ اب تک معطر ہے تری مرتانہ خوشبو سے
 ترے گجروں کی کلیوں کو بھی جو بے خود بناتی تھی
 تراشکیں تنفس بس رہا ہے اب بھی ہونٹوں میں
 اثر سے جس کے اک لرزش ہی دل میں تیر جاتی تھی!
 تری رنگیں جوانی نقش ہے اب تک مرے دل پر
 جو تیرے پھول سے پیکر کے اندر لہلہاتی تھی
 تری وہ محفلیں آباد ہیں اب تک تصور میں
 تو جن میں، اپنی گڑیا سے مری شادی رچاتی تھی
 تری آنکھیں، وہ شوخ آنکھیں نہیں بھولیں ابھی مجھ کو
 کہ جن میں اک سیلی مسکراہٹ جھللاتی تھی!
 مگر اے شاہزادی، آج کچھ تجھ کو خبر بھی ہے!
 کہ وہ کم سن جسے تو اپنے سینے سے لگاتی تھی

وہ شاعر ہے کہ دنیا میں کہانی اُس کی رسوا ہے !
وہ رسوا، اُس کا دل رسوا، جوانی اُس کی رسوا ہے !

آرزوئے یک جوان افغانی

تشبیہ

من شیر نو جوانم و میدانم آرزو است
باساقتی و مرغی و دلبر مرا چہ کار ؟
رخ، سوئے ساغر و می و مینا نیاورم
باسقہ ہم نبر و شوم، عار آیدم
اے آنکہ سر بہ کنج سلامت نہادہ ای
اے آنکہ زخم تیغ حریفان نہ خوردہ ای
آزادی وطن کہ با ایمان برابر است
ناموس و ملک و قوم بہ قرآن برابر است
اہر بمان سقہ زو ستم کجا روند ؟
افغانم و شجاعت افغانم آرزو است
تیغ و تفنگ و خنجر برانم آرزو است
تیر و سنان و خنجر و پیکانم آرزو است
جنگ ہزار رستم و شانم آرزو است
با من میا کہ شیر نیستانم آرزو است
لوک سناں بخون رگ جانم آرزو است
ایمان من ہمیں فقط ایمانم آرزو است
قرآن گواہ، حرمت قرآنم آرزو است
ہاں، ہمتے، کہ ملک سلیمانم آرزو است

اختر بگیر تیغ و دیسرا نہ بازگو !
من شیر نو جوانم و میدانم آرزو است !

پشیمانِ آرزو!

علاجِ دردِ دل بے قرار کر لیتے
تلافیِ غم لیل و نہار کر لیتے
ستمِ شعار کو جی بھر کے پیار کر لیتے

فسانہ غمِ فرقت اُنہیں سناتے ہم
جو ہم پہ گزری ہے حالت اُنہیں دکھاتے ہم
اور اپنے ساتھ اُنہیں اشکبار کر لیتے

یہ کہتے ”چاکِ گریباں کو دیکھئے تو سہی
ہمارے حال پریشاں کو دیکھتے تو سہی“
اور اس بہانے اُنہیں ہم کنار کر لیتے

جھلے چرخِ ستم گارنے نہ دی مہلت
ہمارے بختِ جفا کارنے نہ دی مہلت
کہ ان کے قدموں پہ ہم جاں نثار کر لیتے

امیدِ وصل کبھی کامیاب ہونہ سکی!
دعاے نیم شبی مستجاب ہونہ سکی!
کہ دردِ دل سے اُنہیں بیقرار کر لیتے

الہی! موت کے کیا کیا منے نہ لیتے ہم

کسی کے زانو پہ سر رکھ کے جان دیتے ہم
 اور اپنے غم میں اُنہیں سو گوار کر لیتے
 گر اُن کے ”وعدے“ کا کچھ بھی ہمیں یقین ہوتا
 تو دل میں درد، زباں پر گلہ نہیں ہوتا
 غم فراق کو بھی خوشگوار کر لیتے
 دلِ حزیں کو ہمیشہ یہ آرزو ہی رہی
 نگاہِ شوق کو ہر دم یہ جستجو ہی رہی
 پرستشِ زرخِ رنگیں بہار کر لیتے
 گر ابتداءِ محبت میں موت آ جاتی!
 سکونِ خوابِ عدم کا مزہ چکھا جاتی!
 تو زندگی کو نہ یوں ناگوار کر لیتے
 ستم ہے اُس بُتِ زہرہ جہیں کو کھو بیٹھے
 اور اپنی زلیبت سے ہم ناامید ہو بیٹھے
 اُسی پہ کاش ہم اُس کو نشانہ کر لیتے
 ”نشے“ میں قطبِ شمالی کے پار اتر جاتے
 طلسمِ ماہِ دُشُریا سے بھی گزر جاتے
 مگر ایک بار بھی ہم اُن کو پیار کر لیتے
 حبابِ عالمِ فانی کو پھوٹ دیتے ہم

حصارِ چرخِ بریں کو بھی توڑ دیتے ہم
اگر کبھی ہم اُنہیں تھکنا کر لیتے

خدائی بھریں کسی شے کی جستجو نہ رہی
سوائے اس کے کچھ اختر کی آرزو نہ رہی
”ستم شعار“ کو جی بھر کے پیار کر لیتے

فتحِ کابل

(ترانہ)

ساقی درود دے!	بر جام و ساغر!
مطرب سرود دے	بالحنِ خوش تر!
آمد نوید دے!	چوں گلِ معطر!
گر فصلِ حق شہ	ناورِ مظفر!
وزیرِ تیغِ او گشت	کابلِ مستخر!
اللہ اکبر!	اللہ اکبر!

ایک چمنِ کابل	وقفِ ستم شد!
افغانیاں را	دلِ صرفِ غم شد!

صدیدِ عالم شد!	هر قلب حساس!
دل شاد هم شد!	و امروز آخر!
شیرِ دلاور!	بر منجِ نادر!
الله اکبر!	الله اکبر!

مدرِ هوش گشته!	یک چند ملت!
روپوش گشته!	در قعرِ زلت!
همدوش گشته!	باشیرِ قالیس!
خاموش گشته!	بر جورِ سست!
تیغِ دوپیکر!	برداشت آخر!
الله اکبر!	الله اکبر!

خوا بریده بودند	شیرانِ افغان!
ترکیده بودند!	و لهایِ ملت!
لغزیده بودند!	بر خاکِ پستی!
رنجیده بودند!	در قعرِ ملت!
صبحِ منور!	آخر عیاں شد!
الله اکبر!	الله اکبر!

از غیب آمد!	یک مرو سبکی!
افسردہ شدہ پیکر!	با رُوحِ جستگی!
از سطوتِ او!	دل چاکِ رنگی!
وزنِ ہیبتِ او!	لرزِ ازلِ منہِ رنگی!
ضرغامِ پُرِ دل!	شیرِ دلاوری!
اللہ اکبر!	اللہ اکبر!

بالا بلبلِ رے	روئیں قباے!
دارِ اشکو ہے!	خسروِ ادائے!
تیمور تمثال!	رستمِ نملے!
ناورِ مثیلے!	نادرِ ملتائے!
شمشیرِ درگفت!	صمصامِ وریبے!
اللہ اکبر!	اللہ اکبر!

از خاکِ مغرب	آمدِ چو طوفاں!
با چشمِ پُرِ خوں!	با جانِ جو شاں!
در عشقِ بے تے!	دل چاکِ ویریاں!
در گفتم نمایاں!	شمشیرِ عریاں!

گوئی درخشاں! صمصامِ داور!
اللہ اکبر! اللہ اکبر!

غمِ خوارِ ملت! اور اچو دیدند!
کشیرانِ افغان! از جا جہیدند!
چوں رعد و باران! یک یک رسیدند!
تیغ از نیام! روئیں کشیدند!
تیغے! چہ تیغے! یک برق مضطر!
اللہ اکبر! اللہ اکبر!

با فوجِ حرار! نا در بروں شد!
قوم و وطن را! اور ہمنموں شد!
دل ہائے اعداء! در سینہ خوں شد!
انواجِ سفتا! زار و زربوں شد!
وز دستِ او شد! کابلِ مسخّر!
اللہ اکبر! اللہ اکبر!

تختِ آمانی! آباد بادا!!

آزاد بادا !!	شمشیر نادر !
دشاد بادا !	شاہ ولی خاں
بر باد بادا !!	اعدائے محمود !
ملت منظم !	کز تیغ شاکست
اللہ اکبر !	اللہ اکبر !

خستستان

اخترشیرانی کے کلام کا دوسرا مجموعہ

چهاره نما !

هر نظم کوهریں کہ بیاد تو گفت ام
دل رخنہ کردہ و جگر خویش سفت ام

(ملک الشعراء فیضی)

نذرے !

”ع“

زلف آشفته خوسے کردہ د خندان لب و مست

پیرہن چاکہ غر لخوان و سر اچی در دست

زگشش عربده جوی و لبش افسوس گناں !

نیم شب ، مست بہا لین من آمدہ بہشت

سرفراگو شش من آورد با دانه حسیں !

گفت کائے عاشق شوریدہ من بخوابت ہست !

عاشقے را کہ چنیں بادہ شہگیر دہن !

کافر عشق بود گر نبود بادہ پرست !

خیز و یک جام و گر گیر کہ باید نوشید !

اگر از خمر بہشت است و را از بادہ مست !

خندہ جام مے زلف گرہ گیر نگار !

اے بسا توبہ کہ چوں توبہ حافظا شکست !

نشیبہ آغاز

” باز بر آئم کہ نیاز آورم رُخ بہ تماشا گہ ناز آورم“
 پھر قلم بے تاب ہے موتی لٹانے کے لئے
 کہکشاں جھلکنے لگی دامن بڑھانے کے لئے
 پھر صلائے عام دی سپرِ مغانِ عشق نے
 بادہ نوشانِ تخیل کو جگانے کے لئے
 زہرہ پھر بر ربطِ بکفتِ جو ہوا میں آگئی
 کارگاہِ خاک پر نغمے لٹانے کے لئے
 شمعِ دل کہتا ہوں روشن رہ گزارِ عشق پر
 سوز و سازِ غم کی ہمت آزمانے کے لئے
 شوق نے بجٹا ہے پھر بے رنگیوں کو آبِ رنگ
 قطرہ ہے آمادہ پھر دریا بہانے کے لئے
 دل میں ذوقِ آرزو پھر چٹکیاں لینے لگا !
 حُسن کی نازک دلی کو گدگد لانے کے لئے
 پھر حبیب میں بال زن ہے موجِ بیتابیِ عشق
 آستانِ حُسن پر سجدے لٹانے کے لئے

گرچہ دُنیا سے بے گشت تھی
 دل تھا مضطر، اک نئی دُنیا بنانے کے لئے

جس میں افکارِ زمانہ ہوں نہ افکارِ حیات
 طبع رنگیں کی لطافت کو لٹانے کے لئے

جس میں بدذوقی کے صدمے ہوں کچھ فنی کاخ
 رُوح و دل کی خلوتوں میں بارِ پائے کے لئے

لیکن اہلِ دل کی بزمِ آراہیوں کو کیا کروں
 چاہیے ہنگامہ جن کا دل بھانے کے لئے

یہ وہ باتِ زریاں دربر ہے جس کو ہم نشیں
 جنس کا سہ چاہیے رونق بڑھانے کے لئے

رنگِ دورِ روزگارِ سفید پروردیجئے
 شاعری ہے اک بہانہ مانگ کھانے کے لئے

آہ! وہ احسانِ شیریں، نام ہے جس کا ادب
 اک تجارت رہ گیا ہے اپنے ماننے کے لئے

وہ گدازِ رُوح، دُنیا شعر کہتی تھی جسے !
 لجنِ سائل بن گیا دولت کمانے کے لئے

جذیبہٴ دل اک کھلونا بن چلا بازار کا !
 سادہ لوحوں کی مسرت کو بڑھانے کے لئے

آہ! وہ حکمت کہ تھی کج ہزار انسانیت
 دستِ مسکین بن گئی جیبیں ہلانے کے لئے
 خوابِ طفلان کے جمالِ بے نیازی کی قسم!
 یہ چمن موزوں نہ تھا میرے ترانے کے لئے
 میں کہاں، اخذِ متاعِ عالمِ فانی کہاں!
 طائرِ سہ راہ نہیں تنکے اٹھانے کے لئے
 میرے ذوقِ بخودی کو دو جہاں ہیں نیمِ گام
 وہ بھی رُتبہ ان کی وسعت کا بڑھانے کے لئے
 میں وہ مکش ہوں کہ گلزارِ جہاں سے صبح و شام
 خوریں آتی ہیں مجھے کوثرِ پلانے کے لئے
 میں وہ مجنوں ہوں کہ گر سیرِ جنوں منظور ہو
 وراثت میں آجائے لیلیٰ خاک اڑانے کے لئے
 میں ہوں وہ دامن کہ ذوقِ بندگی ہو کر قبول!
 میرے در پر آئے غدرِ اسر جھکانے کے لئے
 میں وہ خسرو ہوں کہ گر چاہوں ثبوتِ عاشقی!
 مضطرب شیریں ہو جوئے شیر لانے کے لئے
 میں وہ یوسف ہوں کہ ہو کر جستجوئے مُشرقی
 آئے خودِ حسنِ ازل قیمت لگانے کے لئے

خاک و خاکستر نشینی گریب مجھے منظور ہو !
 جنتیں لے آئیں پھول اپنے بھانے کے لئے
 میرے سینے میں ہیں وہ احساس کے شعلے یہاں
 مہر و مہ میں مضطرب جن میں نہانے کے لئے
 دل میں اُس وجدان کے کعبے ہیں قصاں اے نیم
 جن میں آتے ہیں فرشتے سر جھکانے کے لئے
 اک نگاہِ پُرتبسم، قیمتِ ہر دو جہاں
 وہ بھی گر نورِ ازل آئے بھانے کے لئے
 دل کے کاشانے میں ہیں فالوس، اشکِ مریخ کے
 آرزو، شعلہ ہے شمعِ غم جلانے کے لئے
 الغرض جس دل کا گوارہ ہو خودِ عرشِ بریں
 وہ کھانا بن نہیں سکتا زلزلے کے لئے
 اضطرابِ شوق، لیکن جنتِ تسکین ہے
 موت آتی ہے جہاں سجدے لٹانے کے لئے
 شعلہٴ دل، بوئے دل سے ہے طرب انگیز تر
 طور برساتا ہوں جنت کو جلانے کے لئے
 عشق کی، دل میں خلش ہو، گو جہنم بن کے ہو
 خلد کو چاہیں گے کیا قبریں بسانے کے لئے

اک حقارت کی ادا ہے، نذرِ مرگ زندگی
 آئے کوئی بے نیازی کو مٹانے کے لئے
 دہم آبادِ عدم ہے، خوابِ طفلان سے مراد
 موت، اک آئینہ، حیرت کو جگانے کے لئے
 شورشِ آبادِ جہاں، بازیچہٴ طفلانہ ہے
 زندگی خوابِ پریشیاں بھول جانے کے لئے
 موت ہے اک انتظار اور انتظارِ دائمی
 کس قدر معصوم دھوکا جی بھلانے کے لئے
 یہ نظامِ زندگی ہے نقشِ احساسِ خودی
 ذرہ ذرہ مضطرب ہے سر اٹھانے کے لئے
 ”نوبہار آمد“ نوائے بلبانِ سستان است
 ”وقتِ جام“ است لے عزیزانِ نوبتِ پیمانہ است

رباعی

موسم بھی ہے، عمر بھی، شباب بھی ہے
 پہلو میں وہ رشکِ ماہتاب بھی ہے!
 دنیا میں اب اور چاہیے کیا مجھ کو!
 ساقی بھی ہے ساز بھی، شراب بھی ہے!

خطابک ارادت

ارمغان به پیشگاه جان پاک روح اقدس تابناک استاد یگانہ
سخن گوئے فرزانه حکیم ابوالقاسم فردوسی طوسی علی اللہ مقامہ
این قصیدہ در موقع جشن یادگار ہزار سالہ فردوسی کھلکتہ بتاریخ ۲۵ نومبر مسیحی ۱۹۳۳ء سرود شد

ایا شاعر پاک ایران زمین	ز ما بر تو باد ہزار آفرین
سخن آفرین تا سخن آفرید	سخن گوئے چون تو نیامد پدید
سرود تو افمانہ باستان	ز پا کان ایران از راستان
چہا نقش انگبختہ خامہ ات	کہ از رنگ معنی است شہنامہ ات
ز لفظت باندیشہ ہمت رسید	ز فکر تو نیرو بہ فکرہ رسید
از ان تخم دانش کہ بر کاشتی	سخن را علم بر تر افراشتی
تو خود گفتہ امی من درین سال سی	عجم زندہ کردم بدین پارسی

بنابائے آباد گرد دخراب
ز باران و از تابش آفتاب
بنا کردم از نظم کاخے بلند
کہ از باد و باران نیامد گزند
”ز خورشید و از آب ز باد و خاک“

نہ گرو تہ نام و گفتار پاک

یکے خیز و بگر کہ ملک مجھ!
زمانہ پذیرفت رسم نوی
رضا شاہ آل شاہ پاکیزہ دین
ز گفتار خوبیت باولے رود
شد آراستہ باز چوں عصر جم!
بد و بد شہ فرخ پہ سہلوی
کہ نازد براد تخت و تاج و نگین
بر آواز از ان خسروانی سرود

بہا نندار محمود شاہ بزرگ
بابشخو را رد ہے پیش و گرگ
چو کوک لہائے شیر باد شہست
بگہوارہ محمود گوید شہست

ہماق شیر ایران کہ در خواب بود
و گر زندہ شد روح ایرانیان
پس از دورہ ساہلے دراز
طرب گاہ خسرو کران تا کران
پس از سالہا چشم غفلت کشود
فرہ متدی ہمد ساسانیان
عروس شہم شد بہارین طراز
شد آباد چون باغ نوشیروان

بہار نوین را سرودے بگو
خزان کہن را در دے بگو

سخن پر درامج خوان توایم!
توئی شاہ و مابندگان توایم!

نہ ایرال فقط والہ نام تو !
 صنم خانہ ہنس دہم رام تو !
 حقوق ارادت ادا کردہ ایم !
 بکلمتہ جسنے بپا کردہ ایم !
 تو اے جہانِ حریم ارم !
 زما سجدہ شوق بیندیر ہم !

بیاد تو دل می چکاند سجود
 بخاک تو از ما ہزاراں درود

اودیس سے آنے والے بتا !

ایک اوو اور وطن سے کسی غریب الوطن کا خطاب

اودیس سے آنے والے بتا !
 اودیس سے آنے والے بتا
 کس حال میں ہیں یارانِ وطن
 کس رنگ میں ہے کنعانِ وطن
 آوارہ غربت کو بھی سنا !
 وہ باغِ وطن، فردوسِ وطن
 وہ سروِ وطن، ریحانِ وطن
 اودیس سے آنے والے بتا

اودیس سے آنے والے بتا !

کیا اب بھی وہاں کے باغوں میں
 کیا اب بھی وہاں کے پہرے پر
 مستانہ ہوائیں آتی ہیں ؟
 گھنگور گھٹائیں چھاتی ہیں ؟
 کیسا اب بھی وہاں کی برکھائیں
 ویسے ہی دلوں کو بھاتی ہیں ؟
 اودیس سے آنے والے بتا !

ادیس سے آنے والے بتا !

کیا اب بھی وطن میں ویسے ہی
کیا اب بھی سہانی راتوں کو
ہم کھیل جو کھیل کرتے تھے، کیا
سرست نظامے ہوتے ہیں؟
وہ چاند ستارے ہوتے ہیں؟
اب بھی وہ سارے ہوتے ہیں؟
ادیس سے آنے والے بتا !

ادیس سے آنے والے بتا !

کیا اب بھی شفق کے سایوں میں
کیا اب بھی چمن میں ویسے ہی!
برساتی ہوا کی لہروں سے
دن رات کے دامن ملتے ہیں؟
خوش رنگ شگوفے کھلتے ہیں؟
بھیکے ہوئے پودے ملتے ہیں؟
ادیس سے آنے والے بتا !

ادیس سے آنے والے بتا !

نشا و آب شگفتہ پھولوں سے
بازار میں مالن لاتی ہے
اور شوق سے ٹوٹے پڑتے ہیں
معمور ہیں گلزار اب کہ نہیں؟
پھولوں کے گندھے ہاں اب کب نہیں؟
نوعمر خریدار اب کہ نہیں؟
ادیس سے آنے والے بتا !

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا شام پڑے گلیوں میں وہی
اور سڑکوں کی دھندلی سٹھوں پر
باغوں کی گھنیری شاخوں میں!
دکچپ اندھیرا ہوتا ہے؟
سایوں کا بسیرا ہوتا ہے؟
جس طرح سویرا ہوتا ہے؟
ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی وہاں ویسی ہی جواں
کیا رات بھر اب بھی گیتوں کی!
وہ حُسن کے جادو چلتے ہیں
اور مدھ بھری راتیں ہوتی ہیں؟
اور پیار کی باتیں ہوتی ہیں؟
وہ عشق کی گھاتیں ہوتی ہیں؟
ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

دیرانیوں کے آغوش میں ہے آباد
تلواریں بغل میں دالے ہوئے
اور بلبلیوں میں سے جھلکتے ہیں
وہ بازار اب کہ نہیں؟
پھرتے ہیں طرح دار اب کہ نہیں؟
ترکانِ سیہ کار اب کہ نہیں؟
ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی جھکتے مندر سے
کیا اب بھی مقدس مسجد پر!
اور شام کے رنگیں سایوں پر

ناقوس کی آواز آتی ہے؟
مستانہ اداں تھراتی ہے؟
عظمت کی جھلک چھا جاتی ہے؟

ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی وہاں کے پگھٹ پر
انگڑائی کا نقشہ بن بن کر
اور اپنے گھروں کو جاتے ہوئے

پنہاریاں پانی بھرتی ہیں؟
سب ماتھے پہ گاکر دھرتی ہیں؟
ہنستی ہوئی پھیلیں کرتی ہیں؟

ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

برسات کے موسم اب بھی وہاں
کیا اب بھی وہاں کے باغوں میں
اور دور کہیں کچھ دیکھتے ہی

ویسے ہی سہلانے ہوتے ہیں؟
جھولے اور گانے ہوتے ہیں؟
نوعمر دیوانے ہوتے ہیں؟

ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی پہاڑی چوٹیوں پر
کیا اب بھی ہوائے ساحل کے
اور سب سے اونچی ٹیکری پر

برسات کے بادل پھلتے ہیں؟
وہ ریس بھرے جھونکے آتے ہیں؟
لوگ اب بھی ترانے گاتے ہیں؟

ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی پہاڑی گھاٹیوں میں
سہل کے گھیرے پیروں میں!
بھینگر کے ترانے جاگتے ہیں

گھنگور گھٹائیں گونجتی ہیں؟
برکھا کی ہوائیں گونجتی ہیں؟
موروں کی صدائیں گونجتی ہیں؟

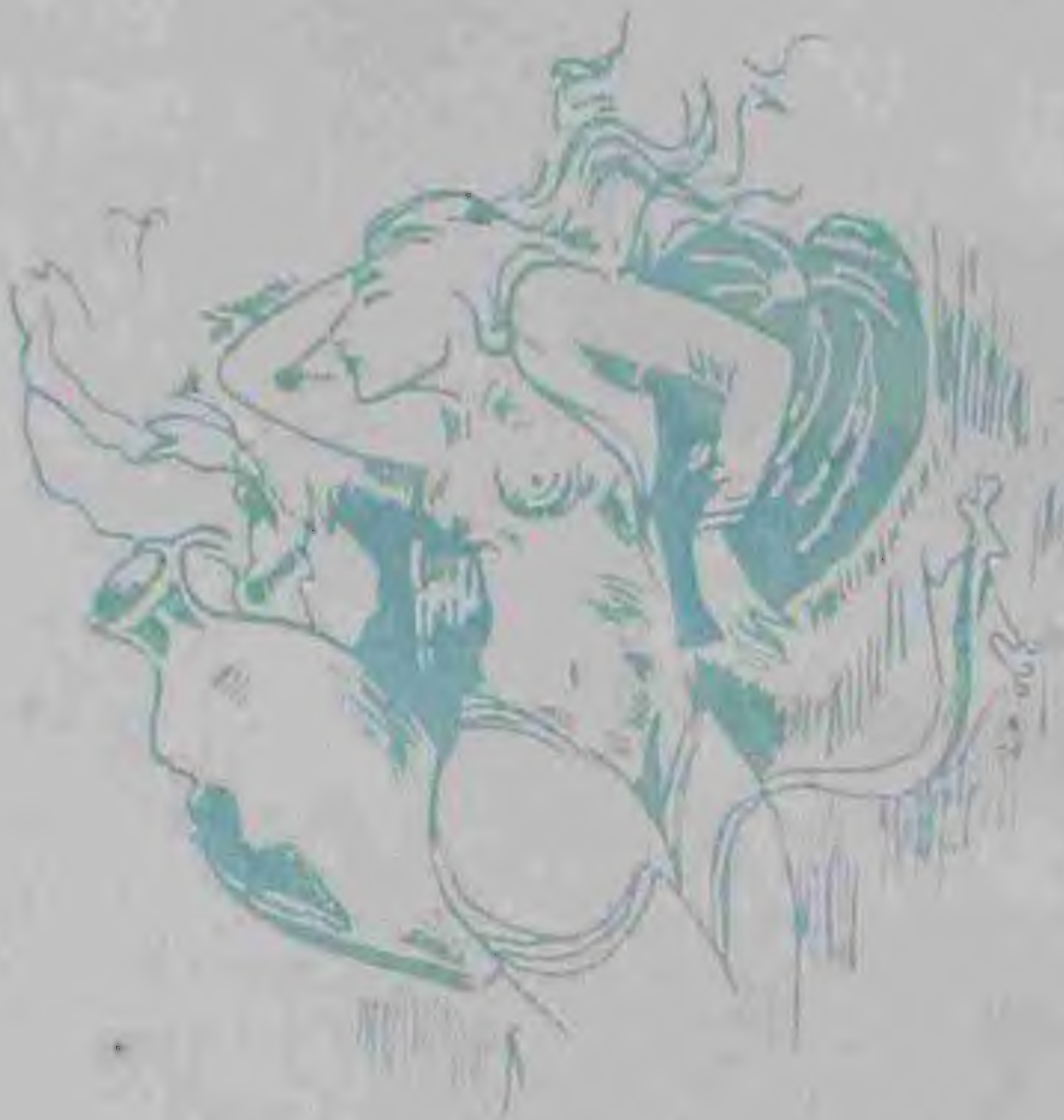
ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی وہاں میلوں میں
پھیلے ہوئے بڑکی شاخوں میں
آمدے ہوئے بادل جوتے ہیں

وہی برسات کا جو بن ہوتا ہے؟
جھولوں کا شبنم ہوتا ہے؟
چھایا ہوا ساون ہوتا ہے؟

ادیس سے آنے والے بتا!



ادیس سے آنے والے بتا!

کیا شہر کے گرد آب بھی ہو رہا
جوں گود میں اپنے من کو لئے
یا نور کی منہاسی، حور کی گردن میں
دریائے حسین لہرائے ہوئے؟
ناگن ہو کوئی تھرائے ہوئے؟
ہو عیاں بل کھائے ہوئے؟
ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی فضا کے دامن میں
کیا اب بھی کنارِ دریا پر
کیا اب بھی اندھیری راتوں میں
برکھا کے سہ لہراتے ہیں؟
طوفان کے جھونکے آتے ہیں؟
ملاح ترانے گاتے ہیں؟
ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی وہاں برسات کے دن
معصوم وحسین دوشیزائیں
اور تیتریوں کی طرح بے نیکیں،
باغوں میں بہاریں آتی ہیں؟
برکھا کے ترانے گاتی ہیں؟
جھولوں پہ لہراتی ہیں؟
ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی اُفت کے سینے پر
دریا کے کنارے باغوں میں
اور اُن کے نشیلے جھونکوں سے

شاداب گھٹائیں جھومتی ہیں؟
مستانہ ہوائیں جھومتی ہیں؟
خاموش فضا میں جھومتی ہیں؟

ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا شام کو اب بھی جاتے ہیں
وہ پیڑ گھنیرے اب بھی ہیں
اور پیار سے آکر جھانکتے ہیں

احباب، کنارِ دریا پر؟
شاداب، کنارِ دریا پر؟
ہفتاب، کنارِ دریا پر؟

ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا آم کے اونچے پتروں پر
شاخوں کے حریری پردوں میں
سادن کے رسیلے گیتوں سے

اب بھی وہ پیسے بولتے ہیں؟
نغموں کے خزانے کھولتے ہیں؟
تمالاب میں امرس کھولتے ہیں؟

ادیس سے آنے والے بتا!

اور دس سے آنے والے بتا !

کیا پہلی سی ہے معصوم ابھی
کچھ بھولے ہوئے دن گزے ہیں
وہ کھیل، وہ ہنس، وہ میدیاں

وہ مدرسے کی شاداب فضا ؟
جس میں وہ مثالِ خواب فضا ؟
وہ خواب گہ ہفتاب فضا ؟

اور دس سے آنے والے بتا !

اور دس سے آنے والے بتا !

کیا اب بھی کسی کے سینے میں
کیا یاد ہمیں بھی کرتا ہے اب
اور دس سے آنے والے بتا

باقی ہے ہماری چاہ بتا ؟
یاروں میں کوئی آہ بتا ؟
للہ بہت، للہ بہت

اور دس سے آنے والے بتا !

اور دس سے آنے والے بتا !

کیا ہم کو وطن کے باغوں کی
برکھا کی بہاریں بھول گئیں
دریا کے کنارے بھول گئے

مستانہ فضا میں بھول گئیں ؟
سادن کی گھٹائیں بھول گئیں ؟
جنگل کی ہوائیں بھول گئیں ؟

اور دس سے آنے والے بتا !

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا گاؤں میں اب بھی ویسی ہی
دیہات کی کم سن ماہوشیں
اور چاند کی سادہ روشنی میں

مستی بھری راتیں آتی ہیں؟
تالاب کی جانب جاتی ہیں؟
رنگین ترانے گاتی ہیں؟

ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی گجر دم چرواہے
اور شام کے دھندلے سایوں کے
اور اپنی رسیلی بانسریوں میں

ریوڑ کو چراسے جاتے ہیں؟
ہمراہ گھروں کو آتے ہیں؟
عشق کے نغمے گاتے ہیں؟

ادیس سے آنے والے بتا!

ادیس سے آنے والے بتا!

کیا گاؤں پہ اب بھی سادہ ہیں
معصوم گھروں سے بھورے
اور یاد میں اپنے میکے کی

برکھا کی بہاریں چھاتی ہیں؟
چکی کی صدائیں آتی ہیں؟
بچڑی ہوئی سکھیاں گاتی ہیں؟

ادیس سے آنے والے بتا!

ادویس سے آنے والے بتا!

دریا کا وہ خواب آلودہ سا گھاٹ
اور اُس کی فضا میں کیسی ہیں؟
وہ گاؤں وہ منظر، وہ تالاب
اور اُس کی ہوائیں کیسی ہیں؟
وہ کھیت، وہ جنگل، وہ چڑیاں
اور اُن کی صدائیں کیسی ہیں؟
ادویس سے آنے والے بتا!

ادویس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی پرانے کھنڈروں پر
تاریخ کی عبرت طاری ہے؟
اُن پورنا کے اُجڑے مندر پر
مایوسی و حسرت طاری ہے؟
سنان گھروں پر چھاؤنی کے
ویرانی و رقت طاری ہے؟
ادویس سے آنے والے بتا!

ادویس سے آنے والے بتا!

آخر میں یہ حسرت ہے کہ بتا
وہ غارتِ ایماں کیسی ہے؟
بچپن میں جو آفت ٹھاتی تھی
وہ آفتِ دوراں کیسی ہے؟
ہم دونوں تھے جس کے پرانے
وہ شمعِ شبستان کیسی ہے؟
ادویس سے آنے والے بتا!

اور دیس سے آنے والے بتا!

مر جاننا تھا جس کا نام بتا
جس پر تھے فدا اطفالِ وطن
وہ سرو چمن، وہ رشکِ سمن

وہ غنچہ دہن کس حال میں ہے؟
وہ جانِ وطن کس حال میں ہے؟
وہ سیم بدن کس حال میں ہے؟

اور دیس سے آنے والے بتا!

اور دیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی رُخِ گل رنگِ پہ
کیا اب بھی سیلی آنکھوں میں
اور اُس کے گلابی ہونٹوں پر

وہ جنت کے مظاہرے روشن ہیں؟
ساون کے شلے روشن ہیں؟
بجلی کے شرارے روشن ہیں؟

اور دیس سے آنے والے بتا!

اور دیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی شہابی عارضِ بہر
یا بحرِ شفقت کی موجوں پر
اور جن کی جھلک سے ساون کی

کیونے سیدہ بل کھاتے ہیں؟
دوناک پڑے لہراتے ہیں؟
راتوں کے سے سپنے آتے ہیں؟

اور دیس سے آنے والے بتا!

اودیس سے آنے والے بتا !

اب نامِ خدا ہو گی وہ جواں
دوشیزہ ہے یا آفت میں
گھر پر ہی رہی یا گھر سے گئی

میکے میں ہے یا سسرال گئی؟
اُسے کم بخت جوانی ڈال گئی؟
خوشحال رہی، خوشحال گئی؟
اودیس سے آنے والے بتا !

گُذری ہوئی راتیں

نہ بھولے گا ترار اتوں کو شرماتے ہوئے آنا
نُچ روشن کے جلوؤں سے سحر کا نور بن کر
روپہلی چاندنی میں اپنی مستانہ خرامی سے
حجرت کے فرشتے کی طرح خاموش اتوں میں
ترے پازیب کی جھنکار کا آہستہ آہستہ
ترے ابریشمی بلبوس کا صرصر کے جھونکوں سے
بدن اپنا چرالینا، کبھی نظر میں جھکا لینا
شب تار یکے خاموش نظاروں کی بستی کو
نگاہوں میں حیا، آنکھوں میں مستی، چال میں لغزش
ہواؤں کا ہلکا اٹھنا، فضاؤں کا بہکا اٹھنا
محل کے پاسباں خوابیدہ، شمعیں خواب پر دیدہ

ریلی آنکھڑیوں سے نیند برساتے ہوئے آنا
اندھیری رات کے پردوں کو سرکاتے ہوئے آنا
بہار و خواب کے سائے سے برساتے ہوئے آنا
فضا کو کہرت گیسو سے مہکاتے ہوئے آنا
وہ دھیمی دھیمی لہے میں گیت برساتے ہوئے آنا
سحابِ ناک بول کی طرح لہراتے ہوئے آنا
ہم آغوشی کے اندیشے سے گھبراتے ہوئے آنا
شرابِ نور کی موجوں سے نہلاتے ہوئے آنا
مصور کے قلم کے خواب برساتے ہوئے آنا
وہ بہکاتے ہوئے آنا، وہ بہکاتے ہوئے آنا
اور اے ملک ترے سائے کا شربا تے ہوئے آنا

جہاں ریچانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی!

وہ اس وادی کی شہزادی تھی اور شاہانہ رہتی تھی!
کنول کا پھول تھی، سنسار سے بیگانہ رہتی تھی!
نظر سے دور، مثلِ بہتِ مستانہ رہتی تھی!

یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی!

انہی صحراؤں میں وہ اپنے گلے کو چراتی تھی
انہی چشموں پہ وہ ہر روز، مٹنے دھونے کو آتی تھی
انہی ٹیلوں کے دامن میں وہ آزادانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی!

کھجوروں کے تلے، وہ جو کھنڈر سے جھللاتے ہیں
یہ سب ریچانہ کے معصوم افسانے سناتے ہیں
وہ ان کھنڈروں میں اک دن صورتِ افسانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی!

مرے ہمدم، یہ تخلصاں، اک دن، اُس کا مسکن تھا
اسی کے خرمی آغوش میں اس کا نشیمن تھا
اسی شاداب وادی میں وہ بے باکانہ رہتی تھی

یہی دادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی!
 یہ پھولوں کی حسیں آبادیاں، کاشانہ تھیں اُس کا
 وہ اک بُت تھی یہ ساری وادیاں بتخانہ تھیں اُس کا
 وہ اس فردوسِ وجد و رقص میں مستانہ رہتی تھی

یہی دادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی!
 تباہی کی ہوا اس خاکِ رنگیں تک نہ آئی تھی
 یہ وہ خطہ تھا، جس میں نو بہاروں کی خدائی تھی
 وہ اس خطے میں مثلِ سبزۂ بیگانہ رہتی تھی

یہی دادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی!
 اسی دیرانہ میں اک دن بہشتیں لہلہاتی تھیں
 گھٹائیں گھر کے آتی تھیں، ہوائیں سکراتی تھیں
 کہ وہ بن کہ بہارِ جنتِ دیرانہ رہتی تھی

یہی دادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی!
 یہ دیرانہ، گزر، جس میں نہیں ہے کاروانوں کا
 جہاں بلتا نہیں نام و نشان تک ساربانوں کا
 اسی دیرانے میں اک دن، مری ریچانہ رہتی تھی

یہی دادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی!
 یہیں آباد تھی اک دن، مرے اذکار کی ملکہ

مرے جذبات کی دیوی، مرے اشعار کی ملکہ
وہ ملکہ، جو برنگِ عظمت شاہانہ رہتی تھی

یہی دادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی!
صبا، شاخوں میں نخلستان کی، جس دم سرسراہتی ہے
مجھے ہر لہر سے ریچانہ کی آواز آتی ہے
یہیں ریچانہ رہتی ہے، یہیں ریچانہ رہتی تھی

یہی دادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی!
فضائیں گونجتی ہیں اب بھی اُن وحشی ترانوں سے
سنو، آواز سی آتی ہے اُن خالی چٹانوں سے
کہ جن میں وہ برنگِ نغمہ بیگانہ رہتی تھی

یہی دادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی!
مرے ہمدم، جنوں شوق کا اظہار کرنے دے
مجھے اس دشت کی اک اک کلی سے پیار کرنے دے
جہاں اک دن، وہ مثلِ غنچہ مستانہ رہتی تھی

یہی دادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی!
برتبِ کعبہ، اُس کی یاد میں عمر میں گنوا دوں گا
میں اس دادی کے ذرے ذرے پر سجدے بچھا دوں گا
جہاں وہ جانِ کعبہ، عظمتِ بت خانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدیم، جہاں ریحانہ رہتی تھی!

وہ اس ٹیلے پر اکثر عاشقانہ گیت گاتی تھی!

پرنے سوراووں کے فسانے گنگستانی تھی!

پہیں پر، منتظر میری وہ بے تابانہ رہتی تھی!

یہی وادی ہے وہ ہمدیم، جہاں ریحانہ رہتی تھی!

کھجوروں کے حسیں سائے زمیں پر لہلہاتے تھے

ستارے جگمگاتے تھے، شگوفے کھل کھلاتے تھے

فضا میں منتشر اک نکہت مستانہ رہتی تھی!

یہی وادی ہے وہ ہمدیم، جہاں ریحانہ رہتی تھی!

پہیں بستی تھی اے ہمدیم مرے رومان کی بستی!

مرے افسانوں کی دنیا، مرے وجدان کی بستی!

پہیں ریحانہ بستی تھی، یہیں ریحانہ بستی تھی!

یہی وادی ہے وہ ہمدیم، جہاں ریحانہ رہتی تھی!

شمیم زلف سے اُس کی، ہلک جاتی تھی گل وادی

نگاہ مست سے اُس کی، بہک جاتی تھی گل وادی

ہوا میں پرفشاں، روح مے و میخانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدیم، جہاں ریحانہ رہتی تھی!

وہ گیسوئے پریشاں، یا گھٹائیں رقص کرتی تھیں

اخترستان

فضائیں وجد کرتی تھیں ، ہوائیں رقص کرتی تھیں
وہ اس فردوس وجد و رقص میں مستانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی !
گدازِ عشق سے لبریز تھا ، قلبِ حزیں اُس کا
مگر آئینہ دارِ شرم تھا ، روئے حسیں اُس کا
خوشی میں چھپائے نغمہ مستانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی !
اُسے پھولوں نے میری یاد میں بے تاب دیکھا ہے
ستاروں کی نظر نے ، رات بھر بے خواب دیکھا ہے
وہ شمعِ حسن تھی ، پر صورتِ پروانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی !
یہیں ہم رنگ گلہائے حبیب ، رہتی تھی ریچانہ
مثالِ محمدِ فردوسِ بیس ، رہتی تھی ریچانہ
یہیں ریچانہ رہتی تھی ، یہیں رہتی تھی ریچانہ

یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریچانہ رہتی تھی !
پیامِ دردِ دل ، اختر دیئے جاتا ہوں وادی کو
سلامِ رخصتِ غمگیں ، کئے جاتا ہوں وادی کو

سلام لے وادی دیراں، جہاں ریچانہ رہتی تھی !

ایک حادثہ

(چند لمحے عذرا کے ساتھ)

کوئی مہ جبین جلوہ دکھلا گئی
تصور کی نیرنگیاں کیا کہوں
ہہکتا ہے اب تک شبستان مرا
نگاہوں میں موتی بکھرنے لگے
تخیل میں بجلی نے انگڑائی لی
فضاؤں کو جلوؤں سے روشن کیا
سیہ پیرا ہن پرستاروں کا رنگ
تصور میں اب تک مچلتے ہیں طور
ہوا، بوئے رنگیں سے بخود ہوئی
اداؤں سے فتنے برستے ہے
بڑھی جیسے صبح بنارس بڑھے
وہ آنکھیں کہ رقصاں شبِ میلہ
شبستان میں آئی کچھ اس ناز سے
وہ ابریشمین بال، کرون کے ہار

مرے گھر پہ شام بہار آ گئی
جدھر دیکھئے پھول برسائی گئی
فضا میں بہاریں سی پھیلا گئی
خیالوں میں تلے سے برسائی گئی
تصور میں ناہید لہر آ گئی
ہواؤں کو خوشبو سے مہر کا گئی
کہ تاروں بھری رات شر آ گئی
یہ کس کی بجلی منتظر آ گئی
گھٹا، زلف مشکیں سے شر آ گئی
نگاہوں سے منجانے چھلکا گئی
اٹھی، جیسے شام اودھ چھا گئی
وہ نظریں کہ بجلی سی لہر آ گئی
کہ جیسے چمن میں بہار آ گئی
وہ چوٹی کہ ناگن سی بل کھا گئی

بدن جیسے کلیوں کا معصوم خواب
 گھٹاؤں نے دیکھیں نہ وہ بجلیاں
 وہ شیریں تکلم، وہ رنگیں صدا
 سنائی غزل اس نے اس ناز سے
 سماعت کو بلبل کا دھوکا ہوا
 اٹھیں آنکھیں، بادل سے ہرا گئے
 محبت جسے بھول بیٹھا تھا میں
 تمنا کی بے تابیاں بخش کر
 محبت خوشی، زندگی، سب کے راز
 نہ سمجھا خضر زندگی کا جو بھید
 ہما بن کے دم بھر کو پھری مگر
 مری حسرت بوسہ کو، ناز سے
 یہ افسانہ ہے مختصر اس طرح
 کمریا کوئی شاخ ہر گئی
 جو نیچی مگا ہوں سے دکھلا گئی
 بہشتوں کی موسیقی شرما گئی
 کہ خود شعر کی دیوی ہر گئی
 کہ ناہید بر بٹا بکف آ گئی
 ملیں نظریں، بجلی سی تھرا گئی
 اسے دیکھ کر پھر سے یاد آ گئی
 جوانی کی راتوں کو ترپا گئی
 مجھے آنکھوں آنکھوں میں سمجھا گئی
 وہ باتوں ہی باتوں میں تبلا گئی
 مری زندگی بھر کو ہکا گئی
 ”مری بات ہے“ کہہ کہہ پہلا گئی
 کہ اختر کے پہلو سے غزرا گئی

جمالِ سلسلہ

مری کی صنوبرستانی راتوں میں

مری کی ہر سبز پوش وادی ہواؤں سے تھر تھرا رہی ہے

صنوبرستان کے دامنوں میں نسیم بر بٹا بج رہی ہے
 شمیم گل موج بے خودی بن کے رُوح کو گدگد رہی ہے
 مگر مرے دل کی دھڑکنوں سے صدایہ رہ رہ کے آرہی ہے
 ”احن شوقاً“ الی دیارِ لقیّت فیہا جمالِ سلمیٰ!
 کہ می رساند ازاں نواحی نوید وصلے بجانبِ ما“

بہار کی چاندنی فضا میں رو پہلی کر نہیں لٹا رہی ہے
 جو غنچہ ہے مسکرا رہا ہے، جو شاخ ہے لہلہا رہی ہے
 ہوائے کشمیر منظروں میں شگفتگی سی بار رہی ہے
 مگر مری رُوح دکھ بھری لے میں اس طرح گنگنا رہی ہے
 ”احن شوقاً“ الی دیارِ لقیّت فیہا جمالِ سلمیٰ!
 کہ می رساند ازاں نواحی نوید وصلے بجانبِ ما“

انت

غمِ دل دیدہ کو غمِ سہنے کی عادت نہ رہی
 مرنے کے دن نہیں اور جینے کی حسرت نہ رہی
 چشمِ محزوں میں لہر و نہ کی تہمت نہ رہی
 رحم کر رحم، کہ اب ضبط کی طاقت نہ رہی
 دردِ دل بڑھ کے نہ محتاجِ مداوا ہو جائے

تیرے قربان ترا عشق نہ رسوا ہو جائے
 کیا غصہ ہے کہ غمِ ہجرِ سنا بھی نہ سکیں
 سینے کا زخم دکھائیں تو دکھا بھی نہ سکیں
 صبر ہو بھی نہ سکے، رنج اٹھا بھی نہ سکیں
 آپ جا بھی نہ سکیں، تم کو بلا بھی نہ سکیں

غمِ دل کون سنے تیری بلا بھی نہ سنے

اور نصیبوں کو یہ ضد ہے کہ خدا بھی نہ سنے

عشق نے ظلم وہ ڈھائے ہیں کج جانتا ہے یاس نے گل وہ کھلائے ہیں کج جانتا ہے

درد، دکھ، دل نے وہ پائے ہیں کج جانتا ہے ہم نے وہ رنج اٹھائے ہیں کج جانتا ہے

اشک پروردہ ہیں غم دیدہ ہیں مجبور ہیں ہم

اُد پرسی، یاس بلائے کہ بہت دور ہیں ہم

جانتا ہوں کہ تمہیں بھی ہے محبت مجھ سے گریہ سچ ہے تو سنا ایک شکایت مجھ سے

پہلے تو رکھتی تھیں تم خط و کتابت مجھ سے کہتی سنتی تھیں ہم قصہ الفت مجھ سے

پھول کی طرح ہکتے ہوئے خط آتے تھے

دیکھ کر جن کو کنول روح کے کھل جاتے تھے

اب مگر بدلتی گزریں کہ وہ حالت نہ رہی وہ نوازش، وہ مرقت، وہ عنایت نہ رہی

یہ تو کس دل سے کہوں مجھ سے محبت نہ رہی ہاں مگر اور خیالات سے فرصت نہ رہی

تم ہو اب اور مدارات ہے بیگانوں کی !

کون لیتا ہے خبر عشق کے دیوانوں کی !

خطا تو لکھنے کو ہمیں لکھتی ہو اب بھی اکثر اجنبیت سے بھرے ہوتے ہیں لیکن یکسر

نام کو بھی نہیں ہوتا ہے محبت کا اثر خراس طرزِ مخاطب ہے کیا مدِ نظر

کیا یہ مطلب ہے کہ میں لائق الفت نہ رہا

دل مرادِ زورِ غم ہائے محبت نہ رہا

درد مند دل پہ یہ ظلم اور ستم ایجا د نہ کر
میر ہی امیدوں کی فردوس کو برباد نہ کر
اس پہ راضی ہوں کہ تا حشر تجھے یاد نہ کر
بن کے انجان، مگر مائل فریاد نہ کر

حال یہ ہے کہ دل ب غم سے مٹا چاہتا ہے

عشق پر وہ شیش بے پردہ ہوا چاہتا ہے

پھر نہ کہنا کہ ”عذت کر دیا بد نام ہمیں
پہلے معلوم نہ تھا جو رکنا خبام ہمیں“
یا یہ جیسا کہ ”نہیں آپ سے کچھ کام ہمیں
آپ بھیجانے کریں عشق کے پیغام ہمیں“

دیکھ لینا یہ بہانے نہیں کام آئیں گے

تیرے دیوانے ترے عشق میں مر جائیں گے

میرے انجام پہ پھتاؤ گی تم، یاد ہے
اپنے اس ظلم سے شرماء گی تم، یاد ہے
اب اگر رحم نہ فرماؤ گی تم، یاد ہے
حشر تک پھر نہ ہمیں پاؤ گی تم، یاد ہے

”رفتم از دست تو لائے غارتِ ایماں رفتم

بہ ہوا یم نہ شتابی کہ شتاباں رستم

نغمہ زندگی!

مست نوا ہے زندگی

جلوہ نما ہے زندگی

جس کو کبھی فنا نہیں

رقص صبا ہے زندگی

بربط کائنات پر، نغمہ سرا ہے زندگی

داد می ہر و ماہ تک بال کشا ہے زندگی

جس کی کچھ ابتدا نہیں، جس کی کچھ ابتدا نہیں

خواب کہ فنا میں وہ موج صدا ہے زندگی

موسمِ شعلہ بار میں ، دامنِ کشتِ زار میں
 بن کے لہو کا اضطراب ، ہمہ زاس ہے زندگی
 جام ہیں مختلف تو ہوں ، اُن میں شراب ایک ہے
 سائرِ فنا میں مشترک ، ایک صدا ہے زندگی
 رہ رو راہ ارتقا کے لئے ایک مقام ہے
 لے کے عدم سے تا عدم ایک فضا ہے زندگی
 اُس کی ہوائے تندہ پر تیر رہی ہے کائنات
 طائرِ دہر کے لئے ایک فضا ہے زندگی

سینہ کا شستکار میں
 نغمہ مہرا ہے زندگی
 بادۂ ناب ایک ہے
 ایک نوا ہے زندگی
 راہِ نرجسِ سرام ہے
 راہ نما ہے زندگی
 مستِ شرابِ حیات
 کیا کہوں کیا ہو زندگی؟

شاعر کی تربت!

دامنِ خرابہ زار میں ہے اک شاعرِ نوجواں کی تربت
 یادِ ادنیٰ نو بہار میں ہے اک نکبتِ رنگاں کی تربت

آتی نہیں اس طرف ہوائیں شاداب و سگفتہ پھول لے کر
 زائر نہیں اشک جو بہائیں سینے میں دل بلول لے کر

ممنون ، بہار کی نہیں ہے کھلتے نہیں پھول اس زمیں سے
 بکس کا یہ مرقہِ عزیز ہے بیگانہ گلاب دیا ہمیں سے

پراچشم بصیرت آشنا کو مل جائے جو رخصت تماشا
اور غور سے گورِ با صفا کو دیکھے تو ہے عبرت تماشا

شاعر کے الم گسار ہیں جمع تربت پہ ہجوم ہو رہا ہے
شمع و دل داغدار ہیں جمع اور جام بھی خون رو رہا ہے

وہ شمع کہ جس کی روشنی میں راتوں کو وہ فکرِ شعر کرتا
وہ جام کہ جس کو زندگی میں وہ بادۂ شعلہ گوں سے بھرتا

وہ دل کہ جو تھا اسیرِ الفت اور آج بھی خوگرِ جفا ہے
پیوست ہے جس میں تیر الفت جو پھول کی طرح جانفزا ہے

اک سمت فضا پہ چھا رہا ہے آئینہٴ ردنائے سلما
یا موت کو گدگدا رہا ہے نظارۂ جانفزائے سلما

شاعر کو مگر نہیں خبر کچھ وہ تیرہ نصیب سو رہا ہے
اُس پر نہیں حال کا اثر کچھ جاگا تھا غریب سو رہا ہے

سکلام کے جواب میں

سلام اُس پہ کہ جس نے سلام بھیجا ہے
سلام اُس پہ کہ گراس کی طرح ناز کروں
سلام اُس پہ فدا جس پہ ہر چمن کی بہار
سلام اُس پہ جسے حور کہکشاں کہتے
وہ مہ جبین جسے تلے بھی پیار کرتے ہیں
مہ دستاروں کا پیکر، رُخ حسیں اس کا
وہ گل بدن کہ اگر سیر گل کو آ جائے
شمیم زلف سے سو جنتیں بہک جائیں
وہ زلف تیرہ کہ دن ہو تو رات ہو جائے
وہ شوخ آنکھیں جہاں بکلیاں مچلتی ہیں
کشیدہ ابرو ہلال سیاہ کہتے جنہیں
شفق سے گل سے آسمن سے بنے ہوئے عارض
وہ لعل لب کہ جنہیں آرزوئیں پیار کریں
خرام تاز، کہ موج نسیم رک جائے
بتان شہر میں وہ اس طرح نمایاں ہے
نسیم کی طرح جس دم چمن میں آتی ہے

نگاہ ناز کا رنگیں پیام بھیجا ہے
ذرا سی عمر کو میں حشر تک دراز کروں
بہشت کے گل و نسیم نرسن کی بہار
زمین کے شب کرے میں نور آسماں کہتے
اور اُس کے قدموں پہ کرنیں تثار کرتے ہیں
بہار و نور کا بت جسم مر میں اُس کا
غرور گل کی نزاکت کا سب ٹلا جائے
نگاہ مست سے میخانے تک بہک جائیں
سیاہ آنکھوں میں گل کائنات ہو جائے
وہ نظریں جن سے جواں ستیاں اُبلتی ہیں
کئی دلوں کا مال سیاہ کہتے جنہیں
بہار باغ عدن سے بنے ہوئے عارض
بہشتیں غنچوں کی شادابیاں تثار کریں
صدائے شوخ کہ قدموں پہ زہرہ جھک جائے
کہ جیسے تاروں میں ماہ جواں رخشاں ہے
چمن کی ہر کلی مدحت کے گیت گاتی ہے

وہ پھول ہے، کہ بہاروں کا جس سے ساتھ ہے وہ چاند ہے کہ ستاروں کا جس سے ساتھ ہے

برنگ مدح یہ "تازہ کلام" حاضر ہے اور اس زباں میں "جواب سلام" حاضر ہے
 اُمیدِ دل کی کلی کھل کے پھول ہو جائے
 ہماری نذرِ محبت، قبول ہو جائے!

سرزمینِ عشق!

اک سرزمینِ عشق ہے!

ہنگامہِ عالم سے دور، آفتِ گہِ مستی سے دور
 اس مکر کی دنیا سے دور، اس ظلم کی بستی سے دور
 اس رات، اس دن سے الگ اس اوجِ اہلِ بستی سے دور

دور از زمین و آسماں

اک سرزمینِ عشق ہے!

اس کے گلستاں پر فضا، اس کی بہاریں دل نشیں

اس کی زمینیں خوشنما، اس کی فضا میں مرمیں

اس کے نظائے دل کشا، اس کی ہوائیں عنبریں

مثلِ بہشتِ گل فشاں

اک سرزمینِ عشق ہے!

ہاں یہ بہشتی سرزمین اک ساز و جد انگیز ہے!
جس کے سنہری پردوں میں ہر نغمہ خواب آمیز ہے!
اور دیتا ہے عشق کی پرواز سے لبریز ہے!

ہم رنگ خوابِ رائگاں!
اک سرزمینِ عشق ہے!

اک وادیِ اسرار ہے، اک جنوہ گاہِ ناز ہے!
جس کی فضا میں موجزن اک سرمدی آواز ہے!
اور جس کا ہر نغمہ گدازِ روح کی پرواز ہے!

ہم تلے بولے گلستاں!
اک سرزمینِ عشق ہے!

دُعا!

مجھ پر فرض کر کے!

تاروں بھری رات سو رہی ہے	فطرتِ مہرِ ہوش ہو رہی ہے!
ہیں وادیِ دگوہ سارِ خاموش	ہر پھول، ہر آبشارِ خاموش
اس اُجلے سمے میں اک پری ہے	گویا کوئی شکلِ مرمری ہے!
کلم سن، معصوم، بھولی بھالی	چہرے پہ گلاب کی سی لالی

ایک دکھ بھر اگیت گاری ہے
 بیدار ہے ہوتے ہے اپنا دامن
 بکھرے ہوئے بال اڑ رہے ہیں
 نگہیں نظریں اٹھا رہی ہے
 خالق کے حضور میں چلی ہے
 آنکھوں میں چھلک رہے ہیں آنسو
 روتی ہوئی اڑتی جا رہی ہے
 ہونٹوں پہ ہے دل گداز شیون
 ظلمات کے جال اڑ رہے ہیں
 اور تاروں کی سمت جا رہی ہیں
 کچھ رحم کی بھیک مانگتی ہے
 گالوں پہ ڈھلک رہے ہیں آنسو

سازِ رنجی کی ہے صدا یہ !
 ٹوٹے ہوئے دل کی ہے دعا یہ

اندس سبھا میں !

وہ بے نقاب سامنے آکر چلی گئیں
 سینے میں سور ہی تھیں جوانی کی حسرتیں
 تھا صبر کی شراب سے لبریز جامِ دل !
 جادو سا کر رہی تھیں شبیلی نگاہ سے
 یونان کے شوخ و شنگ کماندار کی طرح
 ایک ایک کو کنول سی وہ سرشار آنکھڑیاں
 دل کے سیاہ خانے میں، برقِ جمال سے
 میرے ہر اک خیال کی دنیا بدل گئی
 بجلی سی میرے دل پر گر آکر چلی گئیں
 نظروں کی پکھیوں سے جگا کر چلی گئیں
 بے درد بن کے تھیں رگاکر چلی گئیں
 ساری "سبھا" کو اپنا بنا کر چلی گئیں
 ننھا سا ایک تیر چلا کر چلی گئیں
 مستی کے درود جام پلا کر چلی گئیں
 ارمان کا چراغ جلا کر چلی گئیں
 کچھ ایسا خواب مجھ کو دکھا کر چلی گئیں

سینے میں ہلکی ہلکی نگاہوں کے وار سے
 رنج و الم کے حسرت واریاں کے ہجر کے
 سرشار آنکھ، نیند کی مستی، خسارِ حسن
 آنکھیں سی کھل گئیں کہ وہ منظر بدل گیا
 کعبے کا راستہ مرے دل سے بھلا دیا
 اُن آنکھڑیوں کی یاد میں اس طرح مست ہوں
 رنگیں لباس کی نظر آشوبیاں نہ پوچھ
 دہزار ہا ہوں اب تک انہی کے خیال کو
 وہ جس طرف چلی ہیں، اُدھر یوں چلا ہوں میں
 مجھ کو، کہ پہلے اپنی نظر میں کچھ اور تھا

کب آئیں، کب گئیں، مجھے اخترِ خیر نہیں
 ہاں اتنا ہوش ہے کہ بس آکر چلی گئیں

دادی گنگا میں ایک رات

کرتے ہیں مسافر کو محبت سے اٹکائے !
 اے دادی گنگا، ترے شاداب نظائے !
 یہ بکھرے ہوئے پھول، یہ بکھرے ہوئے تارے !

خوشبو سے مہکتے ہوئے دریا کے کنارے !

یہ چاند فی رات، اور یہ پر خواب فضا میں!
 اک موج طرب کی طرح بے تاب فضا میں!
 سبزے کا ہجوم اور یہ شاداب فضا میں!
 جھلکے ہوئے منظرارے ہیں جھلکے ہوئے تارے!

یہ تارے ہیں یا نور کے پیمانے ہیں روشن!
 معصوم پری زادوں کے کاشلنے ہیں روشن!
 ستانہ ہواؤں پہ پری خانے ہیں روشن!
 یاد امن افلاک میں بے تاب شرارے!

ہت تاب ہے یا نور کی خوابیدہ پری ہے!
 الماس کی مورت ہے کہ مندر میں دھری ہے!
 مرمر کی صراحی مئے سیہیں سے بھری ہے!
 اور تیرتی ہے نیل کی موجوں کے سہارے!

نیندوں میں ہیں کھوئی ہوئی بیدار ہوائیں!
 گلزار ہیں گلریز، گہر بار ہوائیں!
 ہیں نور میں بھیگی ہوئی سرشار ہوائیں!
 یا بال نشان ہستی ذہنت کے منظرارے!

ساحل ہیں کہ خوابیدہ نظاروں کے شبستاں!
 دامن میں لئے چاند ستاروں کے شبستاں!

فردوس کی مستانہ بہاروں کے شبستان!
 اختار کی تمنا ہے یہیں رات گزارے!

عشق و آزادی !!

عشق و آزادی بہارِ زیست کا سامان ہے
 عشق میری جان، آزادی مرا ایمان ہے
 عشق پر کروں مندا میں اپنی ساری زندگی
 لیکن آزادی پہیہ سرِ عشق بھی قربان ہے

سلا

نورجہان کے مزار پر

فضائے غم میں مسرت سی جھلملائی ہے خزاں کی شام پہ صبح بہار چھائی ہے
 مزارِ نورجہاں پر وہ شوخ آئی ہے!
 گماں ہے خلد سے حورِ جہاں نکل آئی نقابِ گل سے شیم نہاں نکل آئی
 کہ اپنی قبر سے نورِ جہاں نکل آئی!
 اندھیرے مقبرے میں غم سے یوں پریشان ہے فضا کی گود میں گویا کہ شمع گریاں ہے
 شبِ سیاہ میں سیارہ شاکل افشاں ہے

طلائی ہاتھ اٹھے کس کے فاتحہ کے لئے فضا میں ہو گئیں بیتاب التجا کے لئے
خدائی کانپ اٹھی جذبہ دعا کے لئے

یہ رنگ دیکھ کے رنجور ہو رہا ہوں میں شرابِ درد سے مخمور ہو رہا ہوں میں

بیانِ حال پہ مجبور ہو رہا ہوں میں

گداز دل میں جنوں سر میں لبتِ شیون بھی دہشیون آہ کہ روئے دہ چشمِ پُرفن بھی

مگر میں کیا کروں ہے ساتھ شیرانِ گلن بھی

الہی گرا سے نورِ جہاں بنا نا تھا مرے نصیب کو یوں کامراں بنا نا تھا

مجھے بھی خسرو ہندوستان بنا نا تھا

کہ ایک دن یہی نورِ جہاں مری ہوتی جو آج غیر کی ہے دستاں مری ہوتی

یہ غم زدہ بدلِ شاداں مری ہوتی

یہ کس نے چپکے سے تربت کی سمت اشارہ کیا بتا کے حسن کا انجام دل دو پارہ کیا

اور اپنا رازِ غم عشقِ آشکارہ کیا

یہ کس کو شکوہ ہے تربت کی بے نوائی کا مزارِ شہرِ ملکہ کی خوش نمائی کا

اور اس کے ساتھ ہی مردوں کی بیوفائی کا

اٹھی ہیں قبر پر یہ کس کی سو گوارا نکھیں کہ ذرے ذرے کی ہیں غم سے بقیہ رانکھیں

فضا میں کچھ نہیں باقی پر آشکارا نکھیں

شعاعِ ماہِ جواں کو نگار دیکھا ہے ؟ شمیمِ خلد کو ماتم گسار دیکھا ہے ؟

کسی نے حسن کو یوں سو گوارا دیکھا ہے ؟

شکوہ

میری خوابیدہ امیدوں کو جگایا کیوں تھا
مجھ کو اس طرح گرا نا تھا اگر نظروں سے
اک شکستہ سا کھلیو نا "ہی ہی دل میرا
غیر کی یاد کو ممنون اگر کرنا تھا!
عشق تھا تم کو تو دل میں سے پنہاں رکھتیر
"چاندنی رات" میں "افت کا سبق" دینے کو
عمر بھر پاس نہ آنے کا ارادہ تھا اگر
میری راتوں میں سمائے ہیں تہائے کاکل
یاس کی نیند سلا نا ہی اگر تھا منظور
اتنی خود دار اگر تھیں تو مرے دل کے عوض
تلخ انجامی الفت سے اگر ڈرتی تھیں
رُوٹھ جا نا ہی اگر حسن کا شیوا ٹھہرا
"ادب صلح کریں عشق کریں، پیار کریں"
ولولہ اپنی محبت کا گھٹانا تھا اگر
اُسٹھ نہ سلکتا تھا اگر عدمہ فرقت تم سے
نالہ درد کی تلخی سے اگر نفرت تھی!

دل جلا نا تھا تو دل تم نے لگایا کیوں تھا؟
پھر مرے عشق کو سینے میں بسایا کیوں تھا؟
اس کو تحفے کی طرح تم نے منگایا کیوں تھا؟
خلوتِ دل میں مرے غم کو بسایا کیوں تھا؟
اپنا یہ رازِ حسیں مجھ کو بتایا کیوں تھا؟
مجھ کو "جہنما" کے کناروں پہ بلایا کیوں تھا؟
پھر مجھے دُور سے دیوانہ بنایا کیوں تھا؟
تم نے یہ خواب مجھے آہ دکھایا کیوں تھا؟
میری امید کی راتوں کو جگایا کیوں تھا؟
اپنا سب کچھ مرے قدموں پہ لٹایا کیوں تھا؟
یہ خطرناک سبق مجھ کو پڑھایا کیوں تھا؟
میری روٹھی ہوئی قسمت کو منایا کیوں تھا؟
مجھ کو یہ زمزمہ شوق سنایا کیوں تھا؟
حوصلہ میری تمنا کا بڑھایا کیوں تھا؟
پھر کے دل کا عبث ناز اٹھایا کیوں تھا؟
میرا عشق کے تاروں کو جگایا کیوں تھا؟

لب پہ اس طرح لگانی تھی اگر ہر سادت
بے نیازی ہی سکھانی تھی اگر جلووں کو
نامہ شوق ہمیشہ جو نہ لکھ سکتی تھیں
پاس کرنا تھا اگر اپنی نزاکت کا تمہیں
واد یوں میں لئے پھرتا تھا اگر شوق شکار
بادۂ عشق میں ایسی ہی اگر تلخی تھی !
گر نظر آتی تھی دشوار وفا کی منزل
میرے سجدوں کیلئے اور ٹھکانے تھے بہت

پھر مجھے نغمہ اُمید سُنایا کیوں تھا ؟
میرے خوابوں کی فضاؤں کو بسایا کیوں تھا ؟
”بندگی نامہ“ عبث ہم سے لکھایا کیوں تھا ؟
دل پہ پھر بارِ غمِ عشق اُٹھایا کیوں تھا ؟
دُور سے میری طرف تیر چلایا کیوں تھا ؟
پہلے اس جام کو ہونٹوں سے لگایا کیوں تھا ؟
پھر قدمِ راہِ محبت میں اُٹھایا کیوں تھا ؟
آستان اپنا مجھے تم نے بنا یا کیوں تھا ؟

الغرض عشق کا بھولا ہوا یہ تلخ سبق !

بھولنے والی ! مجھے یاد دلایا کیوں تھا ؟

وقت کی قلندر

دعوت

بہار بیتنے والی ہے آ بھی جائے !
بہار بیتنے والی ہے آ بھی جائے !
چمن کی گودی میں آکر سما بھی جائے !
کلی کلی میں بہاریں بسا بھی جائے !
مجھے جنوں کا سبق پھر پڑھا بھی جائے !
بہار بیتنے والی ہے آ بھی جائے !

”میں گے حشر میں“ مت کہہ یہ بار بار مجھے ہو کیسے حشر کے وعدے پہ اعتبار مجھے
خدا کے دل پہ نہیں کوئی اختیار مجھے خدا کو مان، یہیں حشر اٹھا بھی جائے!
بہار بیتنے والی ہے آ بھی جائے!

نشاطِ عمر کو اُمید پر نثار نہ کر وصالِ صبحِ قیامت کا انتظار نہ کر
ریاضِ خلد کی باتوں کا اعتبار نہ کر فریبِ وعدہ نہ داما بھی جائے!
بہار بیتنے والی ہے آ بھی جائے!

کسے خبر ہے قیامت میں ہم ملیں نہ ملیں فضائے روضہٴ جنت میں ہم ملیں نہ ملیں
کشاکشِ ابدیت میں ہم ملیں نہ ملیں کشاکشِ ابدیت بھلا بھی جائے!
بہار بیتنے والی ہے آ بھی جائے!

گنوا نہ سوگ میں اپنے شباب کی راتیں نظر نہ آئیں گی پھر ماہِ شباب کی راتیں
یہ نکہتوں کا ہجوم اور یہ خواب کی راتیں فضا میں خوابِ حسین بن کے چھا بھی جائے!
بہار بیتنے والی ہے آ بھی جائے!

خبر لے جلد کہ عمر عزیز فانی ہے سرائے دہر کی ہر چیز آنی جانی ہے
برنگِ ابر، رواں فصلِ نوجوانی ہے چھلکنے والا ہے ساغرِ پلا بھی جائے!
بہار بیتنے والی ہے آ بھی جائے!

کسے خبر یہ گھٹائیں رہیں نہ رہیں یہ نکہتیں یہ ہوائیں رہیں نہ رہیں
یہ استیاں، یہ فضا نہیں رہیں نہ رہیں شرابِ دھل کا ساغرِ پلا بھی جائے!
بہار بیتنے والی ہے آ بھی جائے!

ثباتِ عہد زمانے میں کس نے پایا ہے زمانہ رنگ بدلنے کو رنگ لایا ہے
بہارِ عمر رواں بادلوں کا سایا ہے بہارِ عمر کی خوشیاں منا بھی جاسکتی!
یہاں جیتنے والی ہے آ بھی جاسکتی!

ترے خیال کو دل میں بسائے بیٹھے ہیں خدائی ہو کہ خدا ہو، بھلائے بیٹھے ہیں
سرورِ عہد جوانی لٹائے بیٹھے ہیں تو آ کے قدرِ جوانی سکھا بھی جاسکتی!
بہارِ جیتنے والی ہے آ بھی جاسکتی!

یہ فضل اور یہ بہار میں نظر نہ آئیں گی پھر یہ بادلوں کی نظار میں نظر نہ آئیں گی پھر
یہ ہلکی ہلکی پھواریں نظر نہ آئیں گی پھر شرابِ عیش و مستی لٹا بھی جاسکتی!
بہارِ جیتنے والی ہے آ بھی جاسکتی!

بتا تو کیا یہ نظارے اجڑ نہ جائیں گے؟ یہ ندیاں یہ کنائے اجڑ نہ جائیں گے؟
یہ چاند اور یہ ستارے اجڑ نہ جائیں گے؟ ستارہ وار شعا عین لٹا بھی جاسکتی!
بہارِ جیتنے والی ہے آ بھی جاسکتی!

غموں پہ کی ہیں فدا شادمانیاں ہم نے خدا کے نام پہ تج دیں جو انیاں ہم نے
گزار دیں ہیں یونہی زندگانیوں ہم نے دمِ اخیر تو غم سے پھڑا بھی جاسکتی!
بہارِ جیتنے والی ہے آ بھی جاسکتی!

تفاصیب ہیں یہ سبزہ زار کے منظر یہ کوہسار و لبِ جوئبار کے منظر
نظر نہ آئیں گے، پھر یہ بہار کے منظر ابھی سماں ہے بہار میں کھا بھی جاسکتی!
بہارِ جیتنے والی ہے آ بھی جاسکتی!

خبر لے جلد کہ بہکی ہوئی بہار ہے آج نشاطِ خلد سے غمور سبزہ زار ہے آج
 اجل پہ بھی مری ہستی کو اختیار ہے آج غرورِ عشق کی ہمت بڑھا بھی جاسکے!
 بہار بیتنے والی ہے آ بھی جاسکے!

تو حکم دے تو ستاروں کو چھین لاؤں میں فلک سے اس کے نظاروں کو چھین لاؤں میں
 ارم کی مست بہاروں کو چھین لاؤں میں خدائی کو یہ تماشا دکھا بھی جاسکے!
 بہار بیتنے والی ہے آ بھی جاسکے!

تو سامنے ہو تو کون و مکان کو گم کر دوں غمِ طبِ سر میں غمِ آسماں کو گم کر دوں!
 ددنی ہو فرد تو دو دنوں جہاں کو گم کر دوں برنگِ بدوح بدن میں سما بھی جاسکے!
 بہار بیتنے والی ہے آ بھی جاسکے!

ایک خط کی رسید

جنتِ حسن کی بو، حورِ صبا لانی ہے
 چار سو رقص کناں مستی و رعنائی ہے
 میرے افکار پہ پھولوں کی گٹھا پھائی ہے
 دادی سندھ سے اک دعوتِ عشق آئی ہے

کوئی سلمیٰ، مرے سجدوں کی تمنائی ہے



کس نے لکھا ہے کہ تم سندھ کو کیوں بھول گئے؟
 تب میں چرچا ہے کہ تم سندھ کو کیوں بھول گئے؟
 ”سخت شکوہ ہے کہ تم سندھ کو کیوں بھول گئے؟“
 ”کس نے پوچھا ہے کہ تم سندھ کو کیوں بھول گئے؟“
 کیسے بتلاؤں کہ اندیشہ رسوائی ہے؟

جس کے ذروں پہ قداہیں مہ و خورشید و فلک
 جس کے ہر پھول پہ قربان ہے فردوسِ تلک
 کھاتے ہیں جس کی لطافت کی قسم، حور و ملک
 جس نے دیکھی تھی کبھی تیغِ محبت کی جھلک
 اب وہ میدانِ میرے خلمے کا تماشا بنی ہے!

غائب از چشم ہے پھر جلوہ نما ہے یہ کون؟
 نظر آتا نہیں، منظرِ دل میں چھپا ہے یہ کون؟
 دل کو معلوم نہیں، دل میں بسا ہے یہ کون؟
 دُور سے، کان میں یوں نغمہ سرا ہے یہ کون؟
 کن طلسمات میں حیرت مجھے لے آئی ہے!

کون آمادہ ہے سینے میں در آنے کے لئے
دل کے ظلمت کدے میں شمع جلانے کے لئے
شام اذکار کو غوشبر سے بسانے کے لئے
کون بے پردہ ہوا جلوہ لٹانے کے لئے
کہ تصور کو خیال چمن آرائی ہے !

لکھا ہے ”سندھ بھی وعدے کو وفا کر دے گا“
”تم اگر یاد کرو گے، حق ادا کر دے گا“
”صداۂ عشق، شبہ حسن عطا کر دے گا“
”دردِ دل خوب بڑھاؤ کہ دوا کر دے گا“
یہ حقیقت ہے کہ یارب سخن آرائی ہے !

عشق کے ولوے پھر جاگ اٹھے سینے میں
نقشِ ارماں پھر ابھر آئے اس آئینے میں
لطف آنے لگا صہبائے جنوں سینے میں
لذتیں خلد کی پیدا ہوئیں پھر جینے میں
”شوق و اُمید کے پھولوں میں بہا آئی ہے !“

بَعْدُ رُومَانِی لَمَحَاتِ کِی

در عتقوان جوانی چنانکہ افتدوانی

(سعدیؒ)

عشق کا موسم، غم کی ہوائیں، اُف رے جوانی، ہائے زمانے
 دل میں تمنا لب یہ دعائیں، اُف رے جوانی، ہائے زمانے
 یاروں کا گہری نیند میں سونا، دل کا کسی کی یاد میں کھونا
 شوق کو یہ ضد سب کو جگائیں، اُف رے جوانی، ہائے زمانے
 عشق کی نادانی کا فسانہ، عقل کی حیرانی کا زمانہ
 سر میں جنوں، آنکھوں میں حیائیں، اُف رے جوانی، ہائے زمانے
 شوق کی پہلی نیند، اُچھٹنا، عشق کی پھلی رات نہ کٹنا
 دل میں امیدیں، لب پہ دعائیں، اُف رے جوانی، ہائے زمانے
 دُور سے ان کو دیکھتے رہنا، مُنہ سے مگر اک حرف نہ کہنا
 سادہ نگاہیں، بھولی ادائیں، اُف رے جوانی، ہائے زمانے
 پاک سہانی گھر کی فضا میں، بوئے حنا سے مست ہوائیں
 صحن میں بنتِ غم کی صدائیں، اُف رے جوانی، ہائے زمانے

چاندنی راتیں سوئی ہوئی سی، نیند میں فطرت کھوئی ہوئی سی
 مست فضائیں، سرد ہوائیں، اُن سے جوانی ہائے زمانے
 گھر پہ کسی کے رات گزرنا، اور وہ اس کا صبح کو ڈرنا
 ”دیکھو کنیزیں دیکھ نہ پائیں“ اُن سے جوانی ہائے زمانے
 جھوٹے پہ ان کو پھیلنے رہنا، اور وہ اُن کا ناز سے کہنا
 ”آپ نہ جھولا اب سے جھلائیں“ اُن سے جوانی ہائے زمانے
 اُن کا بلانا، آپ نہ جانا، راہ دکھانا راست جگانا
 تاکہ ابھی وہ اور منائیں، اُن سے جوانی ہائے زمانے
 صبح چمن اور بارہ پرستی، رات کا منظر عالمِ مستی
 قدموں پہ ساغر سر پہ گھٹائیں، اُن سے جوانی ہائے زمانے
 وہ مری راتیں بہکی ہوئی سی، وہ مری باتیں بہکی ہوئی سی
 مرنے کے دن جینے کی دعائیں، اُن سے جوانی ہائے زمانے
 ایک گلی سے روز گزرنا، گرچہ کسی سے بات نہ کرنا
 سینے میں دھڑکن، منہ پہ ہوائیں، اُن سے جوانی ہائے زمانے
 گھر پہ وہ اک مہ پاؤں کا آنا، بات نہ کرنا آنکھ مچرانا
 دل میں خلش تنہا کبھی پائیں، اُن سے جوانی ہائے زمانے
 چاندنی اور دریا میں سفینہ، ہاتھ میں مینا ساتھ حسینہ
 ساز کے لب پر مست صدائیں، اُن سے جوانی ہائے زمانے

باغ کا وہ پھولوں سے ہلکنا ، دقت کا خوشبو بن کے ہلکنا
 چاندنی راتیں ، مست ہوائیں ، اُف سے جوانی ہائے زمانے
 گاؤں کے جس پنگھٹ پہ بھی جا نا بے کہے گا گر سر پہ رکھانا
 ہنستی رہیں گھونگھٹ میں ادائیں ، اُف سے جوانی ہائے زمانے
 یاد میں آنسو بہتے ہیں اختر کھونٹے ہوئے سے رہتے ہیں اختر
 دل سے سمے وہ کیسے بھلائیں ، اُف سے جوانی ہائے زمانے

عید کا چاند

عربی ریحستان میں

عرب کی شام کا دلکش سماں ہے فضا سے کیف رنگینی عیاں ہے
 سوئے منزل رواں اک کارواں ہے
 مسافر ہیں تھکے ہیں ، جارہے ہیں حُدی کے مست نغمے گاہے ہیں
 سکونِ دشت کو ترپا رہے ہیں !
 یہ صحرا ہے کہ ہے دامنِ نکہت سوادِ شام ہے یا جانِ نکہت
 بپا ہے چار سو طوفانِ نکہت !
 مسافر مست تھے کیفِ لڑا سے کہ ناہِ عید نے جھانکا فضل سے
 ہر اک بے خود ہوا ذوقِ دُعا سے !

ہیں سجدے شکر کے مصنطربیں میر ہے سرخم در کہ جاں آفریں میں

سرشک شوق ہیں چشم حزیں میں!

ہلالِ عیدِ برروئے فلک ہے کہ قوسِ سیمِ ابروئے فلک ہے

طلائی کشتی اور جوئے فلک ہے!

طراوت آگئی موجِ صبا میں بہاریں کھلتی ہیں اس فضا میں

بسی ہے عید کی نکہت ہوا میں!

عرب کی شام کا دلکش سماں ہے فضا سے کیفِ رنگینی عیاں ہے

سوئے منزل رواں اک کارواں ہے!

یادِ کارِ علیؑ

فرارِ چرخ سے ہمدوشِ افتخارِ علیؑ چراغِ مہرِ دمہ اک پر تو دستارِ علیؑ

بہارِ باغِ جنان، خاکِ رہ گزا بہ علیؑ فضاے دہر پہ از یادِ سو گوارِ علیؑ

قلمِ فدائے علیؑ ہے، زباںِ نثارِ علیؑ!

علیؑ کی یاد ہے، دنیا میں یادِ کارِ علیؑ!

علیؑ کہ نقشہٴ خیبر مٹا دیا جس نے فضاے جنگ میں محشر جگا دیا جس نے

حصارِ چرخِ بریں کو ہلا دیا جس نے جہاں کو تیغ کا جوہر دکھا دیا جس نے

ہے اب بھی یادِ زمانے کو ذوالفقارِ علیؑ!

علیؑ کی یاد ہے دنیا میں یادِ کارِ علیؑ!

وہ دلق پوش کہ سب بادشاہ کہیں جس کو وہ خاکسار کہ شیر خدا کہیں جس کو
وہ اُس کا نام کہ مشکل کشا کہیں جس کو وہ اُس کا خلق کہ شمع ہار کہیں جس کو
ہے فیض پر تو حق، خلقِ لطف بارِ علیؑ!

علیؑ کی یاد ہے دنیا میں یادگارِ علیؑ!
وہ اُس کی تیغ کہ جب سُخ سوجھے مصاف کیا ذرا سی دیر میں کتنی صفوں کو صاف کیا
کبھی نہ فطرتِ اخلاق کے خلاف کیا وہ اُس کا رحم کہ قاتل کو بھی معاف کیا
ہے لطفِ رحم بھی سوجان سے تبارِ علیؑ!
علیؑ کی یاد ہے دنیا میں یادگارِ علیؑ!

سیرِ نیاز ہے خالق کا آستانہ ہے زبانِ شوق پہ تصدیق کا ترانہ ہے
رگِ گل ہے کہ جلاد کا نشانہ ہے یہ موت، موت نہیں، کیفِ عاشقانہ ہے
مدام رحمتِ حق بادِ ہمکنارِ علیؑ!
علیؑ کی یاد ہے دنیا میں یادگارِ علیؑ!

انتظار!

سنا ہے میری سلمیٰ رات کو آئے گی وادی میں!
خوش ہوا عیست فرح بخش خدا یا بفرست نازنین کہ برویشِ مے گالگوں نو شمع
بہار و کیف کی بدلی، اتر آئے گی وادی میں
سرور و نور کا کوثر چمک جائے گی وادی میں

نسیم باد یہ، منظر کو مہکائے گی وادی میں
شبابِ حسن کی بجلی سی لہرائے گی وادی میں

سنا ہے میری ستمی رات کو آئے گی وادی میں!

ابھی سے جادوں اور وادی کے نظاروں سے کہہ دوں
بچا دیں فرشِ گل وادی میں، گلزاروں سے کہہ آؤں
چھڑکے ہیں مستیاں، پھولوں کی مہکاروں سے کہہ آؤں
کہ ستمی، میری ستمی نور برسائے گی وادی میں!

سنا ہے میری ستمی رات کو آئے گی وادی میں!

سنا ہے میری ستمی رات کو وادی میں آئے گی!
برائے سیر اس پھولوں کی آبادی میں آئے گی!
غزال دشت بن کر رنگِ آزادی میں آئے گی!
اور آکر ناز کی بستی بسا جائے گی وادی میں!

سنا ہے میری ستمی رات کو آئے گی وادی میں!

بہارِ وادی رنگیں کو یہ مژدہ سنا آؤں!
زمین کو نکھت گھمائے رعنائی سے بسا آؤں!

اور اُس پر ناز نہیں کلیوں کا اک بستر بچھاؤں
 کہ وہ نازک بدن ہے اور تھک جائے گی دادی میں
 سنا ہے میری ستمی رات کو آئے گی دادی میں

زمین پر بھیج دے آج اے بہشت اپنی بہاروں کو
 بچھا دے خاک پر اے آسمان اپنے ستاروں کو
 خرام و رقص کا دے حکم فطرت ابر پاروں کو
 وہ بخود چاند کی نظروں سے گھبرائے گی دادی میں
 سنا ہے میری ستمی رات کو آئے گی دادی میں!

مرے آغوش میں ہوگا وہ جسم مر مر میں اس کا
 وہ اُس کے کا کل مشکیں، وہ روتے نازیں اُس کا
 وہ رخسارِ حسیں اُس کے، وہ حُسنِ یاسمیں اُس کا
 وہ جس سے شوق کی دنیا کو ہٹکائے گی دادی میں!
 سنا ہے میری ستمی رات کو آئے گی دادی میں!

تتنا و حیا کی کشمکش کیوں کر مٹاؤں گا!
 میں اُس کے یاسمیں پیکر کو کیسے گدگداؤں گا!

اور اُس کے لعل ایسے کس طرح رنگت چراؤں گا!
وہ پھولوں اور ستاروں سے بھی شراینگی دادی میں!

سنا ہے میری سہیلی رات کو آنے کی دادی میں!

خیر مقدم!

راہِ دہلی سے صبا عطر فشاں آتی ہے
پھر اٹھا دادی جہنم سے وہی ابر بہار
جس کے پہلو میں میسر تھی کبھی راحتِ جاں
جسمِ پنجاب تھا بے روح و رواں مدت سے
گل و گلشن سے کہو خاک رہ شوقِ بنیں
عندلیبانِ چمن گرم غمِ غزل خوانی ہوں
نوبہاروں سے کہو محو گل افشانی ہوں
فرشِ گلبرگ بھلے رہ گلشن میں نسیم
نورِ برساتیں فضا میں مہ دا بخم مل کر
کشتیِ ماہِ زرافشاں پہ سہرا بر رواں!
گلشنِ دہلی میں دل اُس کا نہ بہلا شاید
موجِ رفتہ کی طرح دور تھی جو دادی سے
مٹنے والی ہے جہانگیرِ نی شامِ فرقت

خبر آئی ہے کہ وہ جانِ جہاں آتی ہے
جس کے سائے میں وہ خوشبو رگڑا لیتی ہے
حرمِ جاں میں وہی راحتِ جاں آتی ہے
جسمِ پنجاب میں پھر رنجِ رواں آتی ہے
وہ گل سر سبدِ گلبدناں آتی ہے
کہ بہار آتی ہے اور خلد فشاں آتی ہے
کہ وہ رشکِ رخِ نسریں بدناں آتی ہے
آج وہ نازشِ گل پیر ہنساں آتی ہے
کہ وہ غیرتِ وہ صدِ میناں آتی ہے
مُسکراتی ہوئی وہ ماہِ رواں آتی ہے
سوئے لارنس جو وہ میرور و لال آتی ہے
لبِ راوی پہ وہی موجِ رواں آتی ہے
کہ سحر بن کے کوئی نورِ جہاں آتی ہے

لب شیریں کو سکھاتی تھی جو شیریں دہنی
دامن دل کو سکھانے کے لئے درس جنوں
نئی دہلی کی فضائیں تھیں معطر جس سے
پھر مئے شوق سے سرشار ہوا ہوں اختر
پھر وہی حیرت شیریں دہناں آتی ہے
مصر دہلی سے زلیخائے جواں آتی ہے
سوئے لاہور وہ فردوسِ رواں آتی ہے
پھر مرے لب پہ غزلِ قص کنائے آتی ہے

پیاری چلی جاؤ گی کیا؟

بھگ کو ترپتا چھوڑ کر، پیاری چلی جاؤ گی کیا؟
میری نگاہِ شوق کو فرقت میں ترساؤ گی کیا؟
اُن حشر تک یہ چاند ہی صورت نہ دکھلاؤ گی کیا؟

اور پھر نہیں آؤ گی کیا؟
پیاری چلی جاؤ گی کیا؟

کیا جنت دیدار سے محروم ہو جاؤں گا میں؟
اس محشرِ انوار سے محروم ہو جاؤں گا میں؟
ہاں کیا تمہارے پیار سے محروم ہو جاؤں گا میں؟

اُن، یہ ستم ڈھاؤ گی کیا؟
پیاری چلی جاؤ گی کیا؟

کیا سن رہا ہوں آہ میں دشمن کے گھر جاؤ گی تم !
اور اس قفس سے پھر رہا ہوں نے نہیں پاؤ گی تم !
میری تسلی کے لئے واپس نہیں آؤ گی تم !

سچ مجھ نہیں آؤ گی کیا ؟
پیارے چلی جاؤ گی کیا ؟

کیا یہ وفا ہے بے وفا، ایسی وفا ہوتی ہے کیا ؟
دنیا میں رسم وعدہ اب یونہی ادا ہوتی ہے کیا ؟
یہ ہے وفا تو وہ جو اک شے ہے وفا، ہوتی ہے کیا ؟

دل میں نہ شرماؤ گی کیا ؟
پیارے چلی جاؤ گی کیا ؟

کس کو خبر تھی، آسمان آتش فشاں ہو جائے گا !
فردوس زارِ آرزو، تندرختِ سراں ہو جائے گا !
اور یہ گلِ طلعت، نصیبِ دشمنان ہو جائے گا !

دشمن کی ہو جاؤ گی کیا ؟
پیارے چلی جاؤ گی کیا ؟

تم جس کی قسمت میں ہو وہ فرخندہ اختر کون ہے؟
کہہ دو تمہارے عشق میں وہ میرا ہمسر کون ہے؟
وہ میرا دشمن لیکن اب، میرا مقدر کون ہے؟

مجھ کو نہ بتلاؤ گی کیا؟
پیار سی چلی جاؤ گی کیا؟

تم سے گلہ، لیکن نہیں، اصلاً نہیں، حاشا نہیں
مجبور ہو، مجبور سے کچھ حسیہ کا شکوہ نہیں
لیکن کہہ دوں کیا، دل کو بھی تو ضبط کا یارا نہیں

کہہ دو کہ پھر آؤ گی کیا؟
پیار سی چلی جاؤ گی کیا؟

شامِ بنگال

ایک ایسے مسافر کے نقطۂ نظر سے جو پہلے
بھی کبھی بارشامِ بنگال سے لطف اندوز ہو چکا ہے

شامِ بنگال اٹھی زلفوں کو بکھراتی ہوئی
چاک دامانی کیوسف کی قسم کھاتی ہوئی

گنگتاتی ہوئی، ہنستی ہوئی، اٹھلاتی ہوئی
چشمِ میگوں میں لئے خوابِ زلیخا کے هجوم

یاد ایتام کے جذبہ یوں کو جگا کر دل میں
 بھر کے دامن میں حسینوں کا لہکتا ہوا نور
 سارے غم بھول کے اک عالم سستی میں
 خاک کلکتہ پہ برسے کے شمیم دستی
 تازہ ہو کر مے خوابوں میں ستاروں کی طرح
 ہر قدم پر نئے جادوں کو نمایاں کر کے
 آکے پہلو میں مرے۔ لول گئی جیسے کوئی حور!
 بستر گل سے اٹھے صبح کو شرماتی ہوئی

اسکا درکاشک

مسلمانوں سے

اے مسلمان تیری وہ دیرینہ عظمت کیا ہوئی
 کفر زار دہر کا تجھ پر اثر کیوں ہو گیا؟
 یاس کی تاریکیوں میں راہ گم کردہ ہے تو
 جو نہ کرتی تھی تمیز بننے و آت کبھی
 جس کی کیفیت میں گم تھی روح سلمان و بلالؓ
 جن کی سیدت سے کبھی کانپ اٹھتے تھے روم و فرنگ
 وہ حمیت وہ دلیری وہ شجاعت کیا ہوئی؟
 وہ عرب والوں کی اسلامی صداقت کیا ہوئی؟
 آج وہ اُمید کی پتر نور صورت کیا ہوئی؟
 آہ وہ یک رنگی جو شریعت اخوت کیا ہوئی؟
 بادۂ عرفاں کی وہ مستان لذت کیا ہوئی؟
 تیری تکبیروں کی وہ شیرانہ صولت کیا ہوئی؟

صفحہ تاریخ پر جو آج تک تابندہ ہے
 جو چلا دیتی تھی خشکی پر کبھی سوسو جہاز
 جس نے جاگاڑا تھا یورپ میں علم اسلام کا
 سینہ افریقہ تھا جس کا مزارِ دائمی
 و جلدِ وکیل آج تک ہیں جس کے غم میں شکار
 روک سکتا تھا نہ کوئی جن کو بحرِ سبکراں
 روہے میں آج تک جس کو کھنڈرِ آپین کے
 یاد کر لیتے آج ان رفعتوں کو یاد کر !

آج تیری وہ تیر خیز شوکت کیا ہوئی؟
 آج تیرے دستِ بازو کی وہ ہمت کیا ہوئی؟
 آہ تیرے بازوؤں کی اب طاقت کیا ہوئی؟
 تیرے ہاضی کی وہ طوفانِ خیرِ عظمت کیا ہوئی؟
 وہ خلافت کیا ہوئی؟ وہ اس کی مطوت کیا ہوئی؟
 تیرے وہ بیڑے کہاں ہیں؟ ان کی قوت کیا ہوئی؟
 وہ حکومت کیا ہوئی؟ وہ اس کی شوکت کیا ہوئی؟
 تیرے دل کو کیا ہوا، اس کی وہ غیرت کیا ہوئی؟

اٹھ رہا کر دل کو خوابِ عیش کی زنجیر سے !
 گونج اٹھیں پھر فضا میں نعرہٴ تکبیر سے !

ہر جگہ !

عشق میں تجھ کو بھی اپنا ہم زبان سمجھا تھا میں
 تیرے دل کو درِ بدول کا راز داں سمجھا تھا میں
 آہ اُس دن جب کہ تو پہلے پہل آکر ملی
 ساری پھلی زندگی کو راہِ نگاں سمجھا تھا میں
 ہائے وہ رات اور وہ اُس رات کی رنگینیاں
 جس کے ہر لمحے کو عمرِ جادواں سمجھا تھا میں

دامن لارنس میں ہر سمت وہ خوابیدہ پھول
 ذرے ذرے کو چمن زائے جنات سمجھاتا تھا میں
 صحن گلشن میں ترا حُسن خراماں دیکھ کر!
 تجھ کو اک سیارہ بے آسماں سمجھاتا تھا میں
 آہ وہ رنگیں فضا، وہ چاندنی وہ بے خودی
 اس سہمے میں تجھ کو اک حورِ جنات سمجھاتا تھا میں
 گونجتا ہی اب بھی کانوں میں ترا اظہارِ عشق
 جس کو اس رات اک سرودِ آسماں سمجھاتا تھا میں
 پھرتے ہیں آنکھوں میں وہ بے تاب آنسو آج بھی
 جن کو تیرے رنج و غم کا ترجمان سمجھاتا تھا میں
 چاند کی کرنوں سے گھبرا کر وہ خلوت کی تلاش
 جس کو اپنے ضبط کا اک امتحان سمجھاتا تھا میں
 پھر وہ خلوت میں ہم آغوشی کی پنہاں گشتیں
 تیری بے تابی کا جن کو رازِ داں سمجھاتا تھا میں
 مینہ برکتے میں وہ لے جاتا بیاباں کی طرف
 جن کو تیری وحشتوں کا ترجمان سمجھاتا تھا میں
 وہ تریستی بھری نے اور وہ رنگیں غزل
 جس سے تیرے ذوقِ شعری کو جواں سمجھاتا تھا میں

شکوہ کرنا چشم میگوں کا وہ لحن مست سے
 جس کو صرف اک شوخی ناز بیتاں سمجھا تھا میں
 وعدہ لینا راز داری کا وہ ہنس گام و داغ
 جس کو تیری پاکبازی کا نشان سمجھا تھا میں
 آج اے..... مگر آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا
 ایک دھوکے کو حقیقت کا نشان سمجھا تھا میں
 تھا ترازو میں پیکر اک بساطِ رہ گزرا
 جس کو آغوشِ حریم کہکشاں سمجھا تھا میں
 تیرا جسم اک زخم تھا اک زخمِ پنبہ دردِ ہاں
 جس کو انبارِ حریر و پر نیاں سمجھا تھا میں
 تیرے سینے میں تھا رقصاںِ حرص کا آتشکدہ
 جس کو نورِ شمعِ عشقِ جاوداں سمجھا تھا میں
 تیرے ہونٹوں سے اُبلتی تھی ہوس کی تیرگی
 جس کو غم کی پاک آہوں کا دھواں سمجھا تھا میں
 تیرے پہلو سے نکلتی تھی گناہوں کی بھبک
 جس کو بوئے دامنِ حورِ جناں سمجھا تھا میں

۱۵ "چشم میگوں تو گویا ست کہ صہبا زوہ امی !
 نوشتنِ ہاں بادو لے جیف کہ بے مازدہ امی"

چاند کی طرح ارزاں تھا ترا حُسن و شباب
 جس کو اک دن چاند سے بڑھ کر گراں سمجھا تھا میں
 تیرے ذوقِ شعر سے منکر نہیں لیکن اے
 آسمانی رفعتوں کا ترجمہاں سمجھا تھا میں
 تیرا اک اک سانس تھا اک دوزخِ حرص ہوا
 لیکن اس کو سوزِ الفت کا نشان سمجھا تھا میں
 کون واقف تھا تری ہستی ہے وقفِ ابنِ آں
 آہ تجھ کو مارو اے ایندھن آں سمجھا تھا میں
 تیرے ہونٹوں پر تھیں عفت کے لہو کی مٹیاں
 جن کو روحِ غنچہ ہائے ارغواں سمجھا تھا میں
 آہ! تو نکلی فریبِ حُسن کی زندہ مثال
 تجھ کو اک حُسنِ حقیقت ترجمہاں سمجھا تھا میں
 تو وہ سا غرقِ ہر اک کے ہونٹ جس کو چھو سکیں
 ساغرِ خورشید و مہ کا ہمعناں سمجھا تھا میں
 ہر مکان نکلا تری جلوہ گرمی سے آشنا
 تیرے ہر جلوے کو نورِ لامکاں سمجھا تھا میں
 ایک ناگن بن کے لہراتی ہے تو افکار میں
 حُسن کی اک سلسبیل بے کراں سمجھا تھا میں

چودھویں سالگرہ کا تحفہ

ستارے نذر کروں آفتاب نذر کروں ؟
 ریاضِ خلد کی شاراہیاں کروں حاضر ؟
 صباحتِ سُرخ شیریں کا ارمغان بھجوں ؟
 غزالِ دیدہ لبائے نجد بھجوا دوں ؟
 کھلونا چاہیے گر کوئی کھیلنے کے لئے
 یہ سن ہے وہ کہ ستاروں سے بھی ہے یہ ضرور
 مطالعے کی تمتا ہو گر نگاہوں کو
 مذاقِ شعر کی لازم اگر رعایت ہو
 زبیکہ سالگرہ چودھویں ہے حسرت ہے
 قبول ہوں نہ یہ تھکے تو کیا کروں آخر ؟

کلی کا حسن نگاہوں کا شباب نذر کروں ؟
 نگاہِ حور کا رنگیں حجاب نذر کروں ؟
 لبِ سلیمی کا لعل خوش آب نذر کروں ؟
 خمارِ چشم ز کینا کا خواب نذر کروں ؟
 چرا کے زہرہ کا زریں نقاب نذر کروں ؟
 شعاعِ مہر کا زریں نقاب نذر کروں ؟
 تو کہکشاں کی طلسمانی کتاب نذر کروں ؟
 تو شاعرانِ جہاں کا جواب نذر کروں ؟
 کہ میں بھی چودھویں کا ماہِ تاب نذر کروں ؟
 کہو تو میں دلِ خانہ خراب نذر کروں ؟

ادبِ شاد میں

اُردو اخبار نویسوں کا تعارف

قلم ہے ہاتھ میں، سگریٹ ہے منہ میں، تن کے پیٹھے ہیں
 صحافیات کی کرسی پہ یوں بن ٹھن کے بیٹھے ہیں !

مقامت، لاکھ مصنوعی ہو، لیکن شبہ ہوتا ہے
 وزیر بہت، وائٹ ہال میں لندن کے بیٹھے ہیں
 غم ملت میں چہرے سے عیاں ہے موت کی سختی
 مطلب میں آپ گویا ڈاکٹر برٹن کے بیٹھے ہیں
 بس اب انگریزی اخباروں کی شامت آنے والی ہے
 کہ قینچی ہاتھ میں ہے بل جبیں پر، تن کے بیٹھے ہیں
 اکڑ فوں اُن کی کہتی ہے بنا لو کارٹون آکر
 کہ ہم بن کر بھٹیجے قیصر جرمین کے بیٹھے ہیں
 ہزاروں ہتھ اور ایمان قرباں اُن کے تیور پر
 گماں ہوتا ہے کوئی جانشین کہ زن کے بیٹھے ہیں
 چمک آنکھوں کی گرفتیر کے عالم میں ظاہر ہو
 تو ہو معلوم ہماں وادی ایمن کے بیٹھے ہیں
 اگر غم خوار ہی ملت کریں ظاہر تو یہ شک ہو
 بزرگ خاندانی کوئی سن یٹ سن کے بیٹھے ہیں

۱۵ کلکتہ کے احباب خصوصاً داد دیں -

۱۶ تبصر کی مونچھیں یاد کر کے فاتحہ پڑھئے -

۱۷ مولوی عطا اللہ شاہ بخاری کا تصور نہ کیا جائے غ سپین پونچھے اپنی جہیں سے

۱۸ کلکتہ کے عاٹنا بازار سے رسیاں تڑا کر بھاگ نکلتے ہیں -

شکم آپ کا دیکھے تو نازی کو بھی ہو دھوکا
 ”جسم“ صبر ہیں، مشروطہ جرمن کے بیٹھے ہیں
 اگر قومی مصائب کا بیاں چھیڑیں مجالس میں
 تو شک ہو رد فہ خواں کوئی کسی مدفن کے بیٹھے ہیں
 خطابیات کو گر رنگ اُلفت سے رنگیں، شک ہو
 کہ پردادا نیشترہ کے چچا ہیٹرن کے بیٹھے ہیں
 اصولوں پر جو چھیڑیں بحث، امریکہ یقین کر لے
 کہ استاد گمانہ حضرت ولسن کے بیٹھے ہیں
 اگر افسانہ چھیڑیں اقتصادیات عالم کا!
 تو ہو معلوم ابوالآبا کوئی لیسن کے بیٹھے ہیں
 غرور آمیز نظریں پڑتی ہیں پبلک پریس گویا
 کلینئر این۔ ڈبلو۔ آر کے انجن کے بیٹھے ہیں
 عتیقیات کے ماہر انہیں دیکھیں تو بول اٹھیں
 کہ دارث تخت گاہ خسرو و بہمن کے بیٹھے ہیں

۱۔ نہ ہوئے عارف قزلباشی ہندوستان میں۔

۲۔ حبشہ کو آج ان کی بری طرح ضرورت ہے خ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا!

۳۔ قابل توجہ محکمہ آثار قدیمہ ہند

کوئی کاتب نہ مانگے ان سے مضمون بار بار آکر
 کہ جو تہ بن کے اٹھیں گے، طمانچہ بن کے بیٹھے ہیں
 عسرب ہوٹل کا "خشک" ختم ہو جانے کو ہے بالکل
 کہ چچہ ہاتھ میں ہے، منہ کھلا ہے، تن کے بیٹھے ہیں
 لکھے ابن بطوطہ کب تلک تعریف حضرت کی
 صحافیات کے گنبد پہ ہر ہا بن کے بیٹھے ہیں

بیوقوفی زمکات

قطعہ !

شکستہ دلوں سے منار اک بنا دیں
 کہ نو واردان بساط زمانہ!
 داغوں سے فکر و نا محو کر دیں!
 یہ باغ، ایسے پھولوں کے قابل نہیں ہے
 خدائی ہے محروم صدق و صفا سے
 اور اس پر سے بزم جہاں میں صدا دیں
 یہاں آکے درس محبت بھلا دیں
 دلوں سے صداقت کے جذبے مٹا دیں
 خدرا اُمیدوں کی شمعیں بجھا دیں
 خدائی میں صدق و صفا کو بھلا دیں

سلہ چچہ یا چچو بہ جناب سندیاد جہازی مدیر مطابعات روزنامہ "احسان" توجہ
 فرمائیں آپ کا سر ہے سلامت تو ہزاروں چچو!

وہ سینے میں حساس دل جن میں لڑاں
 وہ دل جن میں ہیں عشق کے شعلے رقصاں
 وہ آنکھیں ۔ ہے نورِ وفا جن میں روشن
 وہ جذبات، اخلاص سے ہیں جو رنگیں
 وہ افکار گہوارہ ہیں جو وفا کا
 کہ دنیا ہے بیگانہ عشق و وفا سے !

پھر انسانیت منحرف ہے خدا سے !

ایک تصویر دیکھ کر

یہ حسنِ ناز نہیں، یہ جلوہ نازِ آفریں تیرا
 یہ معصومانہ چہرہ غنچہ شاداب کا عالم
 یہ ستانہ نگاہیں، اک بہشتی خواب کا عالم

سراپائے خیالِ حور، جسمِ ناز نہیں تیرا
 مجسمِ خندہ خوابِ پرمی، روئے حسین تیرا

یہ موتی، یہ جہیں، یا انجم و مہتاب کا عالم
 پریشاں خواب کا سا گیسوئے شبنم کا عالم

چمن زارِ شعلہ نور، عکسِ دل نشین تیرا

تو از سر تا پا اک نکہت و تنویر ہے سلمیٰ!

شرابِ شعر و موسیقی میں پہاں تیری رنگت ہے

مرے خاموش دل میں موجزن تیری محبت ہے

بہار اور خواب کا ہیکل تری تصویر ہے سلمیٰ

ادا اس طرح فرضِ رونمائی کچھ تو کر جاؤں!

ترمی تصویر سینے سے لگا لوں اور مر جاؤں!

سلسلہ

بہارِ حسن کا تو غنچہ شاداب ہے سلمیٰ

بکھے فطرت نے اپنے دستِ رنگیں سے سنوارا ہے

بہشتِ رنگ و بو کا تو سراپا اک نظارہ ہے

ترمی صورت سرا سر پیکرِ ہفتاب ہے سلمیٰ!

تراجم اک، جہمِ ریشم و کخواب ہے سلمیٰ!

شبستانِ جوانی کا تو اک زندہ ستارہ ہے

تو اس دنیا میں بحرِ حسنِ فطرت کا کنارہ ہے

تو اس سنسار میں اک آسمانی خواب ہے سلمیٰ!

جہانِ قدس کا تو ایک فردوسیِ فسانہ ہے

تجھے مصرِ جمال و ناز کی اک ساحرہ کہئے
صنم آبادِ عفت کی مقدس کافرہ کہئے

ربابِ حسن کا تو ایک الہامی ترانہ ہے!

پرستانِ لطافت کی تو اک رنگیں کہانی ہے
جواں فطرت کا تو اک گمشدہ خوابِ جوانی ہے

ایک دوست کی خود کشی پر

آرزو تھی، ہم بہم دیکھیں تماشاے فنا

تھی مقدر، لیکن اس کی ابتدا تیرے لئے!
کتنی آساں ہو گئی راہِ فنا تیرے لئے!

کھینچ گیا آنکھوں میں نقشِ حسن لیلایے فنا!

پی گیا تو بے تامل، جامِ صہبائے فنا!

خواب تھا، اک خواب، یہ ارضِ سما تیرے لئے

ایک دھوکا تھا سکوں زارِ بقا تیرے لئے

جنبشِ خنجر میں پوشیدہ تھی دنیاے فنا!

فالبِ دخیام کے شعروں کا تو دیوانہ تھا!

جن کے دیوانوں میں اک کیفِ رواں ہو زندگی

طاثرانِ رنگ و بو کا کارواں ہے زندگی

اُن کی طفلانہ بقا سے تو مگر بیگانہ تھا!

حُسن تھا مطلوب اُن کو عمر فانی کے لئے!

اور تیری موت، حسنِ جاودانی کے لئے!

ایک نوجوان بُتراش کی آرزو!

ایک ایسا بت بناؤں کہ دیکھا کروں اُسے

آسودہ ہے خیال کا پیکر بنا ہوا

خوابِ عدم میں مست ہے جو ہر بنا ہوا

اک مر مر میں حجاب سے پیدا کروں اُسے

پُکھلوں میں جیسے جذبہٴ نکہت نہفتہ ہو

یا جلوے بے قرار ہوں امواجِ رنگ میں

یوں اُس کی روح خفتہ ہے آغوشِ رنگ میں

ظلمت میں جیسے نور کی صورت نہفتہ ہو

دن رات، صبح و شام، میں پُوجا کروں اُسے

میرا گدا زِ روح، جبیں سے مچل پڑے

اس کی نظر سے جذبِ محبت اُبل پڑے

سازِ نفس کو توڑ کے گویا کروں اُسے
فن، خوابِ مرگ بن رہے بت ساز کے لئے
مُنیسا پکارتی رہے آواز کے لئے

”پ“ کا نغمہ سن کر

نظر کے سامنے رقصاں ہیں رنگیں و ادیاں گویا
شراب و شعر میں ڈوبی ہوئی ساری فضا میں ہیں
افق پر موجزن مستانہ خوابوں کی ہوائیں ہیں
فضا میں بس رہی ہے نور کی آبادیاں گویا
خلا میں پُرفشاں ہیں حُسن کی شہزادیاں گویا
بہار و کیف سے لبریز فردوسی ہوائیں ہیں
اور ان میں منتشر غمگین رُوحوں کی صدا میں ہیں
ہتیا ہیں سکون و ہوش کی بربادیاں گویا

وہ دنیا ہے جہاں جنت کے مظاہرے بستے ہیں
شفق کی سطح پر آباد خوابوں کے جزیرے ہیں
ستاروں کے سمندر، ماہتا بوں کے جزیرے ہیں
بہاریں منظروں میں پھول ادرتائے بستے ہیں

فضا ہے مست، موجِ فکرتِ بادِ بہاری سے !

اور اس پر تیرنا پھرتا ہوں میں بے اختیاری سے !

دُنیا کی بہکاریں

یہ دُنیا، یہ منظرے اور یہ رنگینی فضاؤں میں

یہ جلوے چاند سورج کے، یہ تابانی ستاروں کی

یہ نزہت لالہ زاروں کی یہ فطرت کوہاروں کی

یہ بھینی بھینی، آوارہ سی خوشبوئیں ہواؤں میں

یہ بکھری بکھری مستی جھومنے والی گھٹاؤں میں

یہ تیزی آبشاروں کی، روانی جوئباروں کی

یہ پھولوں کا، بحوم اور یہ لطافت سبزہ زاروں کی

یہ موسیقی جو رقصاں ہے پرندوں کی صداؤں میں

یہ نغمے، یہ ترانے، یہ شراب و شعر کا عالم

یہ آرائش مکانوں کی، یہ زیبائش مکینوں کی

یہ رعنائی حسینوں کی، یہ صحبت نازنینوں کی

یہ عمریں، یہ بہاریں، یہ شباب و شعر کا عالم

نہ لے جا خلد میں یارب، یہیں ہنسنے دے تو مجھ کو

یہ دنیا ہے تو جنت کی نہیں ہے آرزو مجھ کو !

کلو پیڑا !

دادی نیل پہ طاری تھا بہاروں کا سماں
جلوۂ سبزہ دگل سے تھیں فضائیں شاداب
نشہ باد بہاری سے ہوائیں شاداب
محو پرواز تھا رنگین ستاروں کا سماں
مائلِ رقص ہو جس طرح شراروں کا سماں
نورِ انجم سے تھیں منظر کی ادائیں شاداب
نکھت و رنگ کی آوارہ گھٹائیں شاداب
چار سو، بال فشاں میکرہ زماروں کا سماں

یک بیک اک شفق اندام ستارہ ٹوٹا !
بن کے اک غنچہ زر کار گرا دادی میں !
اور اک خواب نما پھول گرا دادی میں !
دیکھتے دیکھتے نیرنگِ منظرہ ٹوٹا !
جلوۂ فطرت رنگیں کی تھی تنویر اس میں
ایک عورت کی پریشان تھی تصویر اس میں

عورت

(فنون لطیفہ کی دنیا میں)

کہیں وہ شعر کے پردے میں چھپ کر مسکراتی ہے
 مصوّر کی نظر میں اس کی تصویریں پریشاں ہیں!
 ادب کی محفلوں میں اس کی تنویریں پریشاں ہیں!
 مغنی کی صدا میں نغمہ بن کر جھلکتی ہے!
 نقاب ساز میں آہنگ ہو کر تھر تھراتی ہے!
 نقوشِ آب و گل میں اس کی تصویریں پریشاں ہیں
 صنم سازوں کے دل میں اس کی تفسیریں پریشاں ہیں
 حریم رنگ و بو میں نشہ بن کر لہلہاتی ہے

ہر اک تصویر کے رنگوں میں نکھرتا اس کی آوارہ!
 حسین اور خوشنما اشعارِ شاداب اس کے نغموں سے
 ہمارے بربطوں کے تار بے خواب اس کے نغموں سے
 بتوں کے مرمریں پردوں میں رنگت اس کی آوارہ!
 غرض جب تک یہ دنیا اور اس کی خوشنمائی ہے
 ہماری زندگانی بھر پہ عورت کی خدائی ہے

لالہ صکرا

بہارِ سحرِ عریانی ہے، جسمِ یاسمیں اُس کا

لباسِ سادہ ہے تزنین کی صورت سے بیگانہ

یہ صحرانی حسینہ ہے ہر اک نیت سے بیگانہ

نہیں ممنون غازہ کا، جمالِ دل نشیں اُس کا

معا ہے ہر آرائش سے حسنِ ناز میں اُس کا

تکلف سے بری اور ناز کی عادت سے بیگانہ

ہر اک رنگیں نظر، غمزے کی کیفیت سے بیگانہ

مگر ہے عشق سے لبریز قلبِ آتشیں اُس کا

محبت، جب کسی کے جذبِ دل کو لگداتی ہے

نہیں کرتی ہے فرقِ شہر و صحرا ماہتاب آسا

چلی آتی ہے ہر دوشیزہ کے دل میں حجاب آسا

اور اگر ساز کے تاروں کی تہ میں سکراتی ہے

فضا میں، موجزن، نغمات کا نظارہ ہوتا ہے

اور ایک اک نغمہ سوز و عشق کا گہوارہ ہوتا ہے

نوائے غیب

مجھے تاروں کی آبادی سے اک آواز آتی ہے
 کوئی کرلوں کے ربط پر سنہری گیت گاتا ہے
 اور اپنے گیت سے خوابیدہ دنیا کو جگاتا ہے
 فضاؤں میں بہار کیف و نہت مسکراتی ہے
 خدائی سلسیلے خودی میں ڈوب جاتی ہے
 یہ نغمہ روح کے پردوں کو جا کر گدگداتا ہے
 اور اپنی مست لے میں یہ نڈیہ لے کر آتا ہے
 کہ فطرت اپنے شعرستان میں مجھ کو بلاتی ہے

یہ کون آباد ہے ان روشن و نگین ستاروں میں ؟
 ہے کس کا نور عریاں کہکشاں کی شاہراہوں پر ؟
 ہیں کس کے نغمے رقصاں ان طلائی جلوہ گاہوں پر ؟
 یہ کس کی لے چپی ہے ربط انجم کے تاروں میں ؟
 یہ کس کے جلوے مضطرب ہیں قمر کے آگینے میں ؟
 یہ کون آکر سمایا جا رہا ہے میرے سینے میں ؟



لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

اخترشیرانی کے کلام کا تیسرا مجموعہ

منذ

”ش“

اے ہدیہ صبا بہ ستبامی فرستمت
 ز نہ ہار عرضہ وہ برجاناں پیام ما
 ”در راہ عشق“ مرحلہ قرب و بے غایت
 ہر صبح و شام قافلہ از دعائے خیر
 در رویے خود تفرج صبح خدا کے کن
 تا لشکرِ نعمت نکند ملکِ دل خراب
 ہر دم غم فرست مرا و بگو بہ ساز
 اے غائب از منظر کہ شدی ہم نشینِ دل
 تا مہربان ز شوقِ منت آگہی دہند
 منظم و غزل بہ ساز و نوامی فرستمت

بنگر کہ از کجا بہ کج بامی فرستمت
 (زینجا بہ آشتیان و فامی فرستمت)
 می بنیبت عیان و دعای فرستمت
 در صحبتِ شمال و صبا می فرستمت
 کایسہ خدائے نمامی فرستمت
 جانِ عزیز خود بفدای فرستمت
 کایں تحفہ از برائے خدای فرستمت
 می گویمیت و عادتنامی فرستمت

جشن بہار

جب دادی گل کے شعر ستاں پر خاموشی چھا جاتی ہے
 جب یلی شب کی زلف سیہ سینے تک لہرا جاتی ہے
 جب موج ہوائے ساحل کو، نشوں بھری نیمند آ جاتی ہے
 جب چاندنی دشت و گلشن میں موتی سے برسنا جاتی ہے
 جب زمزمہ زار، ہستی اک، ہو کی بستی ہو جاتا ہے!
 جب نیند کی گہری مستیوں میں سارا عالم سو جاتا ہے!
 تب دادی کی کم سن کلیوں تک زہرہ کی شعاعیں آتی ہیں
 اور ان کے رنگ و بو کے رسیلے پردوں میں بس جاتی ہیں
 پھر شبم بو سے لیتی ہے، ہستی کی بہاریں چھاتی ہیں
 اور ماہوشان کا ہکشاں، گل ہائے طلا برساتی ہیں
 جس وقت یہ سب رنگینیاں اس دادی میں یک جا ہوتی ہیں
 تب کلیوں کے رنگیں پہلو سے کچھ حوریں پیدا ہوتی ہیں!
 پھر حوریں یہ ساری، مل جل کر اک نغمہ رنگیں گاتی ہیں
 اور دائرے کی سی صورت میں سب رقص اپنا دکھلاتی ہیں
 ایک ایک حور میری جنبش سے، جنت کے سمے برساتی ہیں
 اور دادی ماہ و انجم کے نظاروں کو شر ماتی ہیں

سنانِ فضا میں نغموں کا اک طوفان بپا ہو جاتا ہے
 ویران ہوا میں رقص کا اک ہیجان بپا ہو جاتا ہے
 یوں رات بھران کے مست ترانے جھومتے ہیں گلزاروں پر
 اور رات بھران کا رقص بہار میں تیسرتا ہے کھساروں پر
 شاداب وحسین رعنائیاں سی، چھائی رہتی ہیں تاروں پر
 اک حشر سا نور و نہکت کا رہتا ہے بیابانِ ساروں پر
 جب صبح کو سورج کی کرنیں مشرق سے ابھر کر آتی ہے
 تب شرم کی ماری یہ کلیوں کے پردوں میں چھپ جاتی ہے

خوش آمدید

شمسِ وہ ماہِ رواں آنے کو ہے
 بہرِ پا بوسی بڑھا ابر بہار
 جس سے تھی جھکی ہوئی وادیِ سندھ
 دامنِ بحرِ عرب کی کر کے سیر
 وادیِ شملہ نہ ہو مغرب و کیوں
 وہ ہے زہرہ اور شملہ آسماں
 وہ ہے اک چاند اور شملہ آسماں
 وہ ہے اک حور اور شملہ اک جہاں
 اس ز میں پر آسماں آنے کو ہے
 وہ بہارِ گلستاں آنے کو ہے
 آج وہ بوسے رواں آنے کو ہے
 میری سلمائے جواں آنے کو ہے
 اک ستارہ میہماں آنے کو ہے
 زہرہ سوئے آسماں آنے کو ہے
 چاند سوئے کہکشاں آنے کو ہے
 حورِ پھر سوئے جہاں آنے کو ہے

وہ ہے اک سرو اور شملہ گلستاں
وہ ہے اک پھول اور شملہ باغباں
جس کے قدموں پر فدا جانِ جہاں
زندگانی سے کہو، قافی ہے کیوں؟
ماہِ دابنجم سے کہو، سجدے کریں
طوطیاں شملہ ہوں شکر شکن
شاعرانِ شہر سے جا کر کہو !
چشمِ ابنجم نے نہ دیکھا تھا جو حسن
اُس کا استقبال کرنے کے لئے
اُس کا فرشِ راہ بننے کے لئے
گردِ رہ سے پاک کرنے کے لئے
پائے زریں اُس کے دھونے کے لئے
کیوں نہ شمشاد و صنوبر جھکائیں
جا کے وادی میں بچھا دوں فرشِ گل
جو لٹاتا ہے بہارِ رنگ و بو !
مستیاں سی ہیں فضا میں منتظر
سمند کے ساحل پہ لہراتا ہوا
دامنِ رادی کو ہکا تی ہوئی !

سرو سوئے گلستاں آنے کو ہے
پھول سوئے باغباں آنے کو ہے
آج وہ جانِ جہاں آنے کو ہے
نورِ حسن جاوداں آنے کو ہے
وہ ملائک آستاں آنے کو ہے
بلبل شیریں زباں آنے کو ہے
میرا اہامِ جواں آنے کو ہے
آج وہ حسنِ رواں آنے کو ہے
دولتِ ہر دو جہاں آنے کو ہے
خاک پر پھر کہکشاں آنے کو ہے
گیسوئے حورِ جاناں آنے کو ہے
سلسبیلِ زرفشاں آنے کو ہے
آج وہ سروِ رواں آنے کو ہے
وہ سراپا پر نیاں آنے کو ہے
پھر دہی ابرِ رواں آنے کو ہے
اُس کی بوئے دلستاں آنے کو ہے
رنگ و بو کا کارواں آنے کو ہے
اک نسیم گل فشاں آنے کو ہے

شاخ گل جھک کر نہ کیوں سجدے کمرے وہ بتِ نازک میاں آنے کو ہے
 رنگ و بو کی داستان کہتے جسے وہ مجسم داستان آنے کو ہے
 لعل لب، دینِ نذر گل ہائے چمن وہ گل شیریں دہاں آنے کو ہے
 بے خودی میں کیوں نہ اختر جان دے
 آج وہ جانِ جہاں آنے کو ہے!

اے عشق ہمیں برباد نہ کر

اے عشق نہ چھیڑ آکے ہمیں، ہم بھولے ہوؤں کو یاد نہ کر
 پہلے ہی بہت ناشاد ہیں ہم، تو اور ہمیں ناشاد نہ کر
 قسمت کا ستم ہی کم نہیں کچھ، یہ تازہ ستم ایجاد نہ کر
 یوں ظلم نہ کر، بیداد نہ کر
 اے عشق ہمیں برباد نہ کر

جس دن سے ملے ہیں دونوں کا سب چین گیا، آرام گیا
 چہروں سے بہارِ صبح گئی، آنکھوں سے فردِ غم شام گیا
 ہاتھوں سے خوشی کا جام چھٹا، ہونٹوں سے منہسی کا نام گیا
 غمگین نہ بنا، ناشاد نہ کر
 اے عشق ہمیں برباد نہ کر

ہم راتوں کو اٹھ کر روتے ہیں، رورو کے دعائیں کرتے ہیں

آنکھوں میں تصویر، دل میں خلش، سر دھنتے ہیں آہیں بھرتے ہیں
 اے عشق! یہ کیسا روگ لگا، جیتے ہیں نہ ظالم مرتے ہیں
 یہ ظلم تو اے جلا د نہ کر!
 اے عشق، ہمیں برباد نہ کر

یہ روگ لگا ہے جب سے ہمیں رنجیدہ ہوں میں بیمار ہو وہ
 ہر وقت تیش، ہر وقت خلش، بخواب ہوں میں، بیدار ہے وہ
 جینے سے ادھر بیزار ہوں میں، مرنے پہ ادھر تیار ہے وہ
 اور ضبط کبے فریاد نہ کر
 اے عشق، ہمیں برباد نہ کر

جس دن سے بندھا ہے دھیان ترا گھرائے ہوئے سے رہتے ہیں
 ہر وقت تصور کر کے شرمائے ہوئے سے رہتے ہیں
 کھلائے ہوئے پھولوں کی طرح کھلائے ہوئے سے رہتے ہیں
 پامال نہ کر، برباد نہ کر
 اے عشق، ہمیں برباد نہ کر

بیدرد! ذرا انصاف تو کر، اس عمر میں اور مغموں ہے وہ
 پھولوں کی طرح نازک ہے ابھی، تاروں کی طرح معصوم ہے وہ
 یہ سن، ستم! یہ رنج غضب! مجبور ہوں میں مظلوم ہے وہ
 مظلوم پہ یوں بیداد نہ کر

اے عشق ہمیں برباد نہ کر

اے عشق خدا را دیکھ کہیں، وہ شوخِ حزیں بدنام نہ ہو

وہ ماہِ نقا بدنام نہ ہو، وہ زہرہ جبین بدنام نہ ہو

ناموس کا اس کے پاس رہے، وہ پردہ نشیں بدنام نہ ہو

اس پردہ نشیں کو یاد نہ کر

اے عشق ہمیں برباد نہ کر

امید کی جھوٹی جنت کے، رہ رہ کے نہ دکھلا خواب ہمیں

آئندہ کی فرضی عشرت کے، وعدوں سے نہ کر بیتاب ہمیں

کہتا ہے زمانہ جس کو خوشی، آتی ہے منظرِ کیا ب ہمیں

چھوڑا ایسی خوشی کو یاد نہ کر

اے عشق ہمیں برباد نہ کر

کیا سمجھے تھے اور تو کیا نکلا، یہ سوچ کے ہی حیران ہیں ہم

ہے پہلے پہل کا تجربہ اور کم عمر ہیں ہم، انجان ہیں ہم

اے عشق! خدا را رحم و کرم بہ خصوص ہیں ہم نادان ہیں ہم

نادان ہیں ہم، ناشاد نہ کر

اے عشق ہمیں برباد نہ کر

وہ راز ہے یہ غم آہ جسے، پا جلے کوئی تو خیر نہیں
آنکھوں سے جب آنسو بہتے ہیں آجلے کوئی تو خیر نہیں



ظالم ہے یہ دنیا، دل کو یہاں بھا جائے کوئی تو خیر نہیں

ہے غم، مگر سنہریا دنہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

دو دن ہی میں عہدِ طفلی کے، معشوم زمانے بھول گئے
آنکھوں سے وہ خوشیاں مٹ سی گئیں لب کو وہ ترانے بھول گئے
اُن پاک ہستی خوابوں کے، دل چسپ فسانے بھول گئے

ان خوابوں کی یوں آزاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

اُس جانِ حیا کا بس نہیں کچھ بے بس ہے پر اے بس میں ہے
بے درد دلوں کو کیا ہے خبر، جو پیار یہاں آپس میں ہے
ہے بے بسی زبرد اور پیار ہے رس، یہ زہر چھپا اس میں ہے

کہتی ہے حیا سنہریا دنہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

آنکھوں کو یہ کیا آزار ہوا، ہر جذبِ بہنہاں پر رو دینا
آہنگِ طرب پر جھک جانا، آوازِ فغاں پر رو دینا
بربط کی صدا پر رو دینا، مطرب کے بیاں پر رو دینا

احساس کو غم سنہریا دنہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

ہر دم ابدی راحت کا سماں دکھلا کے ہمیں ولگیر نہ کر!
 للہ جوابِ آبِ رواں پر نقشِ بہتِ تحسیر نہ کر
 مایوسی کے رمتے بادل پر امید کے گھر تعمیر نہ کر

تعمیر نہ کر ، آباد نہ کر!
 اے عشق ہمیں برباد نہ کر

جی چاہتا ہے اک دوسرے کو یوں آٹھ پہر ہم یاد کریں
 آنکھوں میں بسائیں خوابوں کو اور دل میں خیال آباد کریں
 خلوت میں بھی ہو جلوت کا سماں وحدت کو دوئی کشاد کریں

یہ آرزوئیں ایجا نہ کر
 اے عشق ہمیں برباد نہ کر

دنیا کا تماشا دیکھ لیا، نگین سی ہے بے تاب سی ہے
 امید یہاں اک دہم سی ہے، تسکین یہاں اک خواب سی ہے
 دنیا میں خوشی کا نام نہیں، دنیا میں خوشی نایاب سی ہے

دنیا میں خوشی کو یاد نہ کر
 اے عشق ہمیں برباد نہ کر

ساقی اٹھ تلوار اٹھا

ریوفان کے ایک رند مگر محبت وطن شاعر کے نقطہ نظر سے
پھر امن کی رنگیں مادی سے ہنگامہ گیر و دار اٹھا!
دنیا کے سکوں کے پہلو میں سرفستہ حشر اٹھا
ہستی کے بہاریں مطلع پر پھر ابر شراہ بار اٹھا!

بے کار ہیں جنگ دتار اٹھا
اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

پھر کارگہ انسانی پر خونخواری و وحشت پھیلی ہے
اقتصادی زمیں بے فتنوں ہی پُر اور فتنوں کی بیہیت پھیلی ہے
یزداں کی حکومت سٹسی گئی، شیطان کی حکومت پھیلی ہے

پھر غلغلہ دتار اٹھا
اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

پھر طیل و غا کا شور ہوا، آفاق کے ایواں کانپ اٹھے
پھر باغ و گلستاں کانپ اٹھے، پھر وشت و خیاباں کانپ اٹھے
عمر اذ قبتاں کانپ اٹھے، دریا و بیاباں کانپ اٹھے

آوازہ گیر و دار اٹھا
اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

مغرب کی فضا ئے بھری سے طوفاں کی صدائیں آتی ہیں
 یا بجے ہو ایں مرگ و ہلاکت کی پریاں لہراتی ہیں
 اور برق و شرر کے سازوں پر اک نغمہ نو نیاں گاتی ہیں

پھر صلصلہ پیکار اٹھا
 اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

سربازوں کے جنگی نعروں سے پھر ساحل و میدان گونجتے ہیں
 طیاروں کی آتشباری سے ہامون و کہستان گونجتے ہیں
 دریاؤں کی تہ میں موتوں کے بھرے ہوئے طوفاں گونجتے ہیں

یا دیو شرارہ خوار اٹھا
 اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

مُن وقت کی آواز آتی ہے وہ دور غفلت ختم ہوا
 ساغر کو اُلٹ، بربط کو اٹھا، ہسنگامہ عشرت ختم ہوا
 جان بازی کی ساخت آپہنچی، دیو پائے محبت ختم ہوا

ہیں جام و سبویہ پیکار اٹھا
 اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

پیادے ہٹا دے دستہ گل ہسنگام بہاراں خند تہیکہ
 نظروں میں ہے نقشہ میدان کاترین گلستاں خند تہیکہ
 پھر صبح قیامت آپہنچی، پھر لطف شہتائیں خند تہیکہ

پھر مہر قیامت بار اٹھا
اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

دشمن ہے قریب اور خطرے میں ہے ماہِ لفتائے آزادی
دل میرا تبارِ آزادی، جاں مسیری مندا کے آزادی
اٹھ جلد کہ غاصب چھین نہ لیں ہاتھوں سے لوائے آزادی

وہ بلبلا، یلزار اٹھا
اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

غیرت کہ عدد کے زعفران میں ہے خاکِ وطن، بستانِ وطن
ناپاک قدم سے غیروں کے آلودہ نہ ہو میدانِ وطن
یہ عمرِ جواں گلکارِ وطن، یہ عشقِ حسین مستربانِ وطن

پھر دلوں کی جیسے کھار اٹھا
اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

وہ دیکھ، وطن کی سرحد پر دشمن کے عساکر چھانے لگے
موجوں کی طرح بل کھانے لگے، طوفان کی طرح لہرانے لگے
دامانِ افق سے طیارے آگ اور دھواں برسانے لگے

یا ابرسر کھار اٹھا
اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

ہم مست ہیں لیکن تیغِ بخت میدان میں جانے والے ہیں

لالہ طور

اعدائے وطن کے سینوں پر بجلی سی گرانے والے ہیں
ادر اُن کے وطن میں اُن کی جگہ مسر یا دیں بسانے والے ہیں

یہ چنگ ہٹا، یہ تارا اٹھا
اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

دشمن کا لہو پینا ہے ہمیں رہنے دے مئے گلفام نہ دے
تلوار اٹھانے والوں کے ہاتھوں میں چھلکتا جام نہ دے
صہبا کی جگہ رقصاں ہے لہو ہستی کا فریب خام نہ دے

یہ جام مئے گلستاں اٹھا!
اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

ناموس وطن کو غیروں کے پنجے سے بچانے جاتے ہیں
مدت سے ہیں پیاسی تلواریں پیاس اُن کی بجھانے جاتے ہیں
دشمن کی تڑپتی لاشوں کا کھیل اُن کو دکھانے جاتے ہیں

لابرق فشاں تارا اٹھا
اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

وہ دیکھ اُس وپکی چوٹی سے جو دُور، دکھائی دیتی ہے
لیلائے وطن کی در و بھری آواز سنائی دیتی ہے
جواڑتے ہوئے پرچم کے تلے رور کے دہائی دیتی ہے

سُن، حشر سیرکس اٹھا

اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

میں رک نہیں سکتا جاؤں گا اور دھوم مچاتا جاؤں گا
بربط کی طرح ان دادیوں میں تلوار بجاتا جاؤں گا
اس سازِ حسیں پر حبِ وطن کے نغمے سناتا جاؤں گا

بربط کو ہٹا، ہتھیار اٹھا
اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

اٹھ، نام و شرف کی موت اچھی، بے نام و شرف کے جینے کو
ہے خونِ عددِ پینے میں سوالِ لذت مئے سادہ پینے سے
بھری ہوئی اک مستانہ صدا آتی ہے فضا کے سینے سے

پھر عہمہ سدا اٹھا
اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

پھر چشمِ براہِ جرأت ہے لیلائے شہادتِ میدان میں
شاہِ ادب ہوا کرتی ہے سدا ہر قوم کی عظمتِ میدان میں
تلواروں کی خونیں بارش سے کھل جاتی ہے جنتِ میدان میں

گلمائے طرب کا ہار اٹھا
اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

بجلی کی طرح رگ رگ میں رواں پھر عشقِ تپانِ ملت ہے
شیرانہ سوئے جنگاہِ دواں ایک ایک جہانِ ملت ہے

اور قومی نشان میں بال نشان پھر شوکت و شان ملت ہے

وہ رایتِ عظمت بار اٹھا

اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

خاموش کر اپنے بربط کو خوابوں کا اثر ہزار میں ہے

وہ لطف کہاں اس ساز میں جو تلوار کی اک جھنکار میں ہے

ہنگامہ قتل و غارت کا ارمان دلِ سحر میں ہے

یہ بربطِ راحت بار اٹھا

اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

ہشیار، کہ ہو جائے نہ کہیں پامال خزاں، گلزارِ وطن!

گلہائے ارم سے بڑھ کے ہمیں مجھ سے اک اک خارِ وطن!

گوارہ ماہِ واجہم ہے رفعتِ کدہ کہارِ وطن!

پھر دل میں سرِ پندار اٹھا

اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

مانا کہ کوئی ذرہ بھی یہاں، آزادِ عزمِ ایام نہیں

قابو میں کسی کے صبح نہیں، قبضے میں کسی کے شام نہیں

پر عشقِ وطن کے ماروں کا مرنے کے سوا کچھ کام نہیں

آنکھیں ہوئیں کیوں خنجرِ نثار اٹھا

اٹھ ساقی اٹھ تلوار اٹھا

نذرِ وطن

نذرِ وطن، پھر اسے دل دیوانہ چاہیئے
 پھر سرزمینِ وطن کی ہے نظروں کے سامنے
 بچپن کی یاد لیتی ہے پھر دل میں چٹکیاں
 برسوں کے بعد آئے ہیں باغِ وطن میں ہم
 کہ سارے سبز پوش نظر آئے دُور سے
 جس کو چہ میں ہوئیں کبھی رسوائیاں نصیب
 بخشا تھا جس نے پہلے پہل، دل کو درویش
 مدت کے بعد سامنے ہوگی وہ شمعِ رو
 پھر دل کو ہو یقین نہ کسی کے وصال کا
 پھر شوق سے ملیں گے کسی گلزار سے
 جھولا جھلائیں گے کسی مستِ شباب کو
 پائے طلب کو داویٰ پر دیں ہے نیم گام
 پھر حسرت من سکوں کو ہیں درکار بجلیاں
 پھر ذوقِ مے کشتی کو ہے معراج کی طلب
 پھر شوقِ بن کے دل میں دھڑکتی ہو زندگی
 پھر سینہٴ امید میں رقصاں ہی برقِ طور

پھر ہر قدم پہ سجدہٴ شکرانہ چاہیئے
 پھر لب پہ ایک نعرہٴ مستانہ چاہیئے
 پھر بے خودی بہت طفتانہ چاہیئے
 پھر ہر کلی کو سجدہٴ مستانہ چاہیئے
 پھر لب پہ چار بیت کا افسانہ چاہیئے
 اُس کا طواف، ہا دل دیوانہ چاہیئے
 پھر اُس کے در پہ سجدہٴ شکرانہ چاہیئے
 پھر دل کو سوزِ کشش پر پروانہ چاہیئے
 پھر واقعہٴ بصورتِ افسانہ چاہیئے
 پھر لب پہ شورِ بلبلِ مستانہ چاہیئے
 رقصاں نصائیں پھر مئےٴ دمیخانہ چاہیئے
 پھر آرزو کو منزلِ جانانہ چاہیئے
 پھر بے عجباب، جلوہٴ جانانہ چاہیئے
 کوثر کا بادہ، چاند کا پیمانہ چاہیئے
 پھر جنبشِ تبسمِ جسانانہ چاہیئے
 پھر پرکشش مذاقِ کلیمانہ چاہیئے

پھر سینہ امید میں رقصاں ہے برقی طور
بالائے کوہ سایہ ابر بہار میں
پھر اس حسرتِ نور کے آغوشِ ناز میں
پھر ابر و باغ و نہکت و گل کے عجم میں
پھر اس کی چشمِ مست پہ گیسو ہوں پر نشا
پھر چاندنی میں دامنِ دریا پر اے ندیم
جوشِ طرب نے حشرِ سادل میں کیا بپا
پھر پرکشش مذاقِ کلیمانہ چاہیے
پہرہ دین و ماہِ تاب کا کاشانہ چاہیے
اک گلکدہ برنگِ پرچینانہ چاہیے
شمع و سرود و بادہ و پیمانہ چاہیے
پھر ابرِ شام گوں سرِ میخانہ چاہیے
قصِ شراب و گردِ شبنم پیمانہ چاہیے
پھر بے خودی کو گریہِ مستانہ چاہیے

اختر، وطن میں آ کے کھلا یہ حسین زاد

اس مختصری عمر میں کیا کیا نہ چاہیے

میرا وجود مشغلہ

زبانِ خامہ سے پھر گل کھلانے کی تمنا ہے
کہ اک گلرخ نے پوچھا ہے "تمہارا شغل اب کیا ہے"

پریشاں حالیاں، اس پرکشش احوال کے قرباں

مراہر شعر، اس کی زلف کے ہر بال کے مسترباں

مری چشمِ حزیں اس دلِ ربا تحسیر کے صدقے

دلِ دیوانہ، اس مشکبیں ادا زنجیر کے صدقے

حسین الفاظ میں جہزِ لبوں کا اک طوفانِ پنہاں کی

اثر سے جس کے دل میں بجلیوں کا جوش رقصاں ہے
 ہمیں بندگی آباد ہے سجدے لٹانے کو
 زبان شوق مضطر ہے سرودِ عشق گانے کو
 دل مضطر کو ارماں ہے چل کر خامہ بن جائے
 تمتا کو یہ حسرت ہے اُبل کر نامہ بن جائے
 جنوں کہتا ہے پندارِ جنوں کی انتہا کر دوں
 مہ و انجسم کو اُس کے پائے نازک پر فدا کر دوں
 جوانی مضطر ہے شوق کا اظہار کر آؤں
 اور اُس بقیس و ش کے گیسوؤں کو سپار کر آؤں
 محبت مسکراتی ہے کہ ان کا سامنا ہوگا
 تو دل ہی کو نہیں، دونوں جہاں کو تھا منا ہوگا
 جنوں بے خودی بس کر کہ عرضِ داستاں کر لوں
 حضورِ حسن میں کچھ مشغلہ اپنا بیاں کر لوں
 ادب سے جا کے کہنا اے صبا اس شوخِ پُرفن کو
 کہ رواں اور محبت مشغلہ ہے میرا بچپن سے
 محبت کے لئے آیا ہوں میں دنیا کی محفل میں
 محبت خون بن کر اسلاملائی ہے مرے دل میں
 ہر اک شاعر، مقدر اپنا اپنے ساتھ لایا ہے

محبت کا جنوں تنہا مرے جھٹے میں آیا ہے
 محبت ابستد امیری، محبت انتہا میری
 محبت سے عبارت ہے بقا میری، فنا میری
 محبت ہی مرے نزدیک معراج عبادت ہے
 محبت ہی مرے نزدیک سرتاج عبادت ہے
 محبت مستدامیرا، محبت منہا میرا
 حقیقت میں محبت ہی محبت ہے خدا میرا
 محبت ہی مری طاقت، محبت ہی جوانی ہے
 محبت گرنہ ہو، ویران میری زندگانی ہے
 محبت میری دولت ہے، محبت میری عظمت ہے
 محبت ہی سے معر شہر پر میری حکومت ہے
 محبت کتنی ہی بے مایہ ہو، شاہانہ رہستی ہے
 خراب آبادِ دل میں صورتِ سلطانہ رہتی ہے
 محبت ہی سے روشن جلوہ زار کبریائی ہے
 محبت جس کو کہتے ہیں حقیقت میں خدائی ہے
 شب و روز اک نیا پینام لاتے ہیں محبت کا
 گل و انجم، مجھے نغمہ سناتے ہیں محبت کا
 سحر کی حور جب زلفِ سمن پر گنگنائی ہے

محبت رنگ و بو کر نصفا میں پھیل جاتی ہے
 سرکہسار جب مستانہ یاد دل گھر کے آتے ہیں
 محبت کے حسین اور خوشنما موتی لٹاتے ہیں
 جواں مہتاب جب سطح و ملک پر جگمگاتا ہے
 محبت کی حسین دھڑکیں کر نہیں لٹاتا ہے
 عروس شام، شرماتی ہے جب دن کے نظاروں کے
 محبت نچی نظریں بن کے گرتی ہے ستاروں سے
 سحر دم جب گہنی شاخوں میں چڑیاں چھپاتی ہیں
 محبت کی جہانگیر کے شیریں گیت گاتی ہیں
 محبت ہی نے مجھ کو درس گل چیتی سکھایا ہے
 اور اک مدت سے اپنے باغ کا مالی بنایا ہے
 دواغ شب، اکٹھلاتا ہے پائیں باغ میں مجھ کو
 ستارہ صبح کا پاتا ہے پائیں باغ میں مجھ کو
 سحر خیزی مری پھولوں کو بیداری سکھاتی ہے
 مری آمدنہاں گلشن کو جگاتی ہے
 خوشی کی بے خودی بے حد بے اندازہ ہوتی ہو
 فضاؤں سے لپٹ جانے کی حسرت تازہ ہوتی ہو
 اور اس کے بعد میں ہوتا ہوں اور وجدان کا عالم

محبت، شاعری، احساس اور پہچان کا عالم
 مزا آتا ہے وہ رنگ گل و آہنگ بلبل میں
 سحر سے شام کر دیتا ہوں اکثر گوشہ گل میں
 عجم گل میں کھو جاتی ہیں اکثر چاندنی راتیں
 مری معبود ہو جاتی ہیں اکثر چاندنی راتیں
 چمن کے مست نظارے مجھے سرور رکھتے ہیں
 مرے دل کو گداز غنیمت سے محسوس رکھتے ہیں
 اسیر کیف کر دیتی ہے یہ پھولوں کی آبادی
 مجھے خوشبو سے بھر دیتی ہے یہ پھولوں کی آبادی
 شراب رنگ دیو ایسی برستی ہے نظاروں سے
 لیٹ جاتا ہوں جوش بے خودی میں شاخساروں سے
 ہر اک لمحہ چمن کا نشہ بن بن کر گزرتا ہے
 کہ ہر پھول اور ستارہ جامِ مستی پیش کرتا ہے
 اسی عالم میں یاد آتی ہیں کچھ بیتی ہوئی راتیں
 جوانی کی بہاروں کا لہو پستی ہوئی راتیں
 گزشتہ زندگی دہراتے ہیں یہ چاندیہ تارے
 سہمے بچپن کے پھر دکھلاتے ہیں یہ چاندیہ تارے
 کہانی سی کوئی دہراتی ہیں یہ چاندنی راتیں

کہاں سے جا کے پھر لوٹ آتی ہیں یہ چاندنی راتیں
 وہی ہیں چاند تارے اب بھی اور ویسی ہی رات اب بھی
 مرا بچپن نہیں باقی وہی ہے کائنات اب بھی!
 مجھے جب یادِ ماضی حال سے سبزار کرتی ہے
 تو مستقبل کی امید آ کے دل کو پیار کرتی ہے
 میں کھو جاتا ہوں آئندہ مسرت کے خیالوں میں
 خوشی کا رنگ بھرو تیا ہوں ماضی کے ملا لوں میں
 محبت کی سی، کوئی چیز پیدا دل میں ہوتی ہے
 ستارے توڑ لانے کی تمتا دل میں ہوتی ہے
 خوشی کے جذبے طوفاں سے بسا جاتے ہیں سینے میں
 زمین و آسمان آ کر سما جاتے ہیں سینے میں
 مگر اک دل سمندر کا نشیمن بن نہیں سکتا
 ذرا سا قطرہ طوفانوں کا مسکن بن نہیں سکتا
 مراد دل ڈوبنے لگتا ہے اس اتنا براں سے
 یہ کشتی تہہ نشیں ہو جاتی ہے ٹکرا کے طوفاں سے
 ہیں اس دھن میں مکان و لامکاں کو بھول جاتا ہوا
 خیال گلستاں میں گلستاں کو بھول جاتا ہوں
 غرض کیا پوچھتی ہو مشغلہ الفت کے ماروں سے

یہ وحشی کھیلتے رہتے ہیں پھولوں سے بہاروں سے

اور

اور اس وحشت میں چننے پھرتے ہیں ہم پھول گلشن میں
صبا شاید گرا دے جا کر ان کو تیرے دامن میں

فرق

جیراں ہے آنکھ جلوہ جاناں کو کیا ہوا

دیراں ہیں خواب گیسوئے قصداں کو کیا ہوا

آواز ہائے سرد حسراں کو کیا ہوا

اُس شمع رنگ بو کے شبستان کو کیا ہوا

اللہ! میکہ راہ حسراں کو کیا ہوا

اُس دست بزم و ساعد لڑناں کو کیا ہوا

آرام گاہ گوشہ داناں کو کیا ہوا

ہیں نشہ کام سا غر جاناں کو کیا ہوا

یارب نمودا بر حسراں کو کیا ہوا

جیراں ہے آنکھ جلوہ جاناں کو کیا ہوا

قصر حسین خموش ہے ایوان پر سکوت

پردوں سے روشنی کی کرن پھوٹتی نہیں

دنیا سیاہ خانہ غم بن رہی ہے کیوں

طوقاں اٹھا رہی ہیں مرے دل کی دھڑکنیں

نادان آنسوؤں کو ہے مدت سے جستجو

سیراب کاری لب گنگدوں کہ ہر گئی

کشت مراد ہو چلی نذر سدم غم

روتا ہے بات بات پہ یوں زار زار کیوں

اختر خبر نہیں دل ناداں کو کیا ہوا؟

ساقی سے

(عالم رقص و نغمہ میں)

اٹھ ساقی گفام، اٹھا پھول، اڑا پھول
بے تاب ہیں مے خوار، پلا پھول، لٹا پھول
ہاں پھول کھلا پھول

اٹھ پھول اٹھا پھول ————— لا پھول پلا پھول

دنیا کے ستم بھول، زمانے کے الم بھول
فریاد و فغاں کس لئے سنسار کے غم بھول
غم بھول، اڑا پھول

اٹھ پھول اٹھا پھول ————— لا پھول پلا پھول

مینا کی طرف گام بڑھا، گام بڑھا، گام!
لا جام بڑھا، جام بڑھا، جام بڑھا، جام
اور جام میں لا پھول

اٹھ پھول اٹھا پھول ————— لا پھول پلا پھول

دل سرو ہے، دل سرو ہے، دل سرو ہے دنیا
بیدرو ہے، بیدرو ہے، بیدرو ہے دنیا
عشرت کے کھلا پھول

اٹھ پھول اٹھا پھول ————— لا پھول پلا پھول

تاروں سے مرصع ہوئے تاب کا ساغر
ناہید کا پیانہ ہو، ہتھاب کا ساغر
ساغر میں کھلا پھول

اٹھ پھول اٹھا پھول ————— لا پھول پلا پھول !

خاتمہ جنگ

سامان بہار و طرب و رنگ کا دن ہے !
افسوں گری ساز دے جنگ کا دن ہے !
دورے و نوش لبِ کُرننگ کا دن ہے
لا جام کہ پھر نکست و آہنگ کا دن ہے

اٹھ سا قیا اٹھ ، خاتمہ جنگ کا دن ہے

کیا کیا نہ کیا تنگ عنم و کرب و بلانے
کیا کیا نہ مظالم کئے اربابِ جفانے
آخر سنی مظلوموں کی شہداء و خدائے
پھر امن کے نعنائے خوش آہنگ کا دن ہے

اٹھ سا قیا اٹھ خاتمہ جنگ کا دن ہے

جرمن ہوں کہ جاپانی ہوں ، ربا دہیئے سب

جو ملک تھے قبضے میں وہ آزاد ہوئے سب
 سن کر خبر فتح کو دل رشاد ہوئے سب
 لا بادہ کہ پھر بادۂ افسرنگ کا دن ہے
 اٹھ سا قبا اٹھ خاتمہ جنگ کا دن ہے

آزاد بلا ہو گئی لیلائے تمدن !
 پھر جلوہ مناسبتے سبج زیبائے تمدن !
 لبریز مئے امن ہے مینائے تمدن !
 لا بھر کے گلہانی ، مئے افرنگ کا دن ہے
 اٹھ سا قبا اٹھ ! خاتمہ جنگ کا دن ہے

پھر مطلع عالم سے چھٹے جنگ کے بادل
 اللہ کی رحمت سے گھٹے جنگ کے بادل
 پھر مشرق و مغرب سے ہٹے جنگ کے بادل
 پھر فتح کا دن "خاتمہ جنگ" کا دن ہے !

اٹھ سا قبا اٹھ ! خاتمہ جنگ کا دن ہے

گل بانگِ قفس

مدت سے نہ آنی کوئی خبر، بارانِ گلستاں کیسے ہیں ؟
 اسے یاد دہا ، اتنا تو ہوا بس رو گل دریاں کیسے ہیں

پابندِ قفس تو کیسے کہیں اور کس سے کہیں رو وادِ قفس
 آزادِ قفس تہلایں ہمیں، اربابِ گلستاں کیسے ہیں؟
 ہر ایک قدم یاں مجلسِ غم، ہر تازہ ستم اک منبرِ اطم
 اس حال میں پوچھیں کس کی یہ ہم، غمدیدہ کنٹاں کیسے ہیں؟
 ہمدرد ہے اپنا کون یہاں، لا تو ہی خبر اے بادِ خزاں
 اس سال وطن کے باغوں میں گلہائے بہاراں کیسے ہیں؟
 غربت ہی نہ تھی کم ہوش رہا، اُس پر یہ اسیری رنجِ نزا
 ہے کون جو پلو چھہ اس کے ذرا، ہم خستہ حراں کیسے ہیں؟
 صبا دے کیوں چن چن کے کیا، بے جرم و خطا، مجوسِ بلا
 ہے کس کو غرور، جو پلو چھہ ذرا، آباد یہ زنداں کیسے ہیں؟
 اے سورجِ نسیم صبحِ چمن، خوشش باش، سنا پھر دالِ وطن
 کہ سارو دن کس حال میں ہیں وادی و خیاباں کیسے ہیں؟
 کیا پوچھتی ہے اے شاہِ قفس، افسانہ رنگتے بستے چمن
 ہم قیدیوں کو کیا علم کہ اب گل کیسے، گلستاں کیسے ہیں؟
 گلابِ نگِ قفس ہی بن جائے، اے کاشن نوائے آوازی
 کیا کہئے کہ خستہ سینے میں چلے ہوئے ارباب کیسے ہیں؟

آمل بہار

ہے فصل گرما قریب رخصت، فضا کے عالم بدل رہی ہے
 خیال ہوتا ہے بزمِ فطرت اک اور سانچے میں ڈھل رہی ہے
 حسین چہروں پہ اب اسپینہ سے غاذہ کم چھوٹنے لگا ہے
 سیاہ زلفوں کی چھاؤں میں پھر شگفتگی سی چل رہی ہے
 بہار آنے لگی ہے راتوں پہ کیف بن بن کے رفتہ رفتہ
 برنگ ہفتاب، حورِ فطرت اداسے رنگت بدل رہی ہے
 ہوا میں سردی سی آچلی ہے، فضا پہ مستی سی چھا چلی ہے
 جوان راتوں کے گیسوؤں سے بہا بہتا وہ ابل رہی ہے
 صبا جب آتی ہے گلستاں سے، غیب بہاراں کی کھکشاں سے
 یہی گماں ہوتا ہے جہاں سے، پرئی فطرت نکل رہی ہے
 گداز ہونے لگا ہے پیدا سحر کے مستانہ منظر دہ سے
 بہار کی روشنی سی بن بن کے روح انساں گھل رہی ہے
 یہ حسرت و غمور است اختر، یہ جہاں خزاںات خمصر
 ادھر نظارے اُٹا رہی ہے، ادھر مستارے اُگل رہی ہے

پاؤں زخمی ہونے پر

یارب اول تو مرے زحسم نہ آیا ہوتا
یا یہ صورت کتنی مناسب کہ مرا قلب رقیق
گر یہ ممکن نہ تھا یارب تو مرے سینے میں
یہ بھی مشکل تھا الٰہی تو مرے پاؤں کا زخم
یہ بھی امید سے بڑھ کر ہے تو میرے محبوب
شدت درد نے اتنا نہ ستایا ہوتا!
درد احساس سے تو نے نہ بنایا ہوتا
میں سدا دل اپنا نہیں بلکہ پرایا ہوتا
ساتھ تیمور کی تفسیر بھی لایا ہوتا
بارگاہی کا سا حاصل مجھے پایا ہوتا

اور اگر زحسم ہی آنا تھا ہر رنگ تو یہ

ملک کے واسطے، میدان میں آیا ہوتا

میدان کی آرزو

گل کی ہے آرزو نہ گلستاں کی آرزو
حردوں کو مطرب و مے دینا سے کام کیا
ہے بارگدگشش، زمرہ سائر دل نہانہ
ساتی سے مطلب اور نہ میخانہ سے غرض
کم ہمتوں سے کہہ دو کہ آئیں نہ میرے ساتھ
ہوسیل میکدہ کا اثر ہم پہ کیسا محال
پھولوں سے کیلنے کا زمانہ گزر گیا
سینے میں حشر خیز ہے میدان کی آرزو
ہے تیرد تیغ و خنجر براں کی آرزو
بیتاب کن ہے نعرہ میدان کی آرزو
سرباز کو ہے تیغ و پیکان کی آرزو
ہے عجب کو جنگ بستہ دستاں کی آرزو
لڑناں ہر دل میں خون کے طوفان کی آرزو
ہے دل کو جو رہ خارِ مہیلاں کی آرزو

اختر کے نام میں بھی اثر شیر کا ہے پھر
کیوں ہو نہ جنگ شیر نیستاں کی آرزو

بڑھے چلو

(ایک جنگی ترانہ)

ولاوران تیغ زن بڑھے چلو، بڑھے چلو

بہادران صف شکن بڑھے چلو، بڑھے چلو

یلان زلزلہ شکن بڑھے چلو، بڑھے چلو

غضنفران پیل تن بڑھے چلو، بڑھے چلو

ولاوران تیغ زن بڑھے چلو بڑھے چلو

بہادران صف شکن بڑھے چلو بڑھے چلو

سنو، سنو کہ وقت کا کچھ اور ہی پیام ہے

اٹھو، اٹھو کہ خطرے میں وطن کا ننگ نام ہے

بڑھو، بڑھو کہ غازیوں کو بڑھنے ہی سر کام ہے

برنگ جہلم دجن بڑھے چلو، بڑھے چلو

ولاوران تیغ زن بڑھے چلو بڑھے چلو

بہادران صف شکن بڑھے چلو بڑھے چلو

رکو نہیں جو دشت دریگ زار آئیں سامنے

بچو نہیں جوکیل دجوسبار آئیں سامنے
 ہٹو نہیں، جو بحر کو ہمار آئیں سامنے
 ہورہا کتنی ہی کھٹن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

دلادراں تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو
 بہادران صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

بڑھو کہ ڈھل چلا ہے دن، قریب قریب شام ہے
 افق کے دستِ زردیں، شفق کا سُرخ جام ہے
 سوادِ غرب کو روانہ ہر تیز گام ہے
 بڑھی شجاعتِ صوفیوں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

دلادراں تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو
 بہادران صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

اٹھو، کہ رزم گہ ہے پھر تمہارے انتظار میں
 تڑپ رہی ہیں بجلیاں فضا کے شعلہ کار میں
 ہیں مضطرب شجاعتیں، سوادِ کارزار میں
 مثالِ برقِ شعلہ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

دلادراں تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو
 بہادران صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

بجا کہ راہ پر خطر ہے اور اندھیری رات ہے

مگر تمھاری پاساں، خدا کی پاک ذات ہے
اُسی کے اختیار میں حیات اور ممات ہے
کرو نہ فکر جان و تن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

ولا دران تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو
بہادران صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

تمھاری تیغ تیز پر وطن کو افتخار ہے!
وطن کی مرگ و زیست کا تمھیں یہ انحصار ہے
تمھیں ہو جن کے دل میں اس کا عشق بیقرار ہے
لگائے دل میں یہ لگن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

ولا دران تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو
بہادران صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

اٹھاؤ تیغ بے اماں، وطن کے پاک نام پر
لٹاؤ عسبر نوجواں، وطن کے پاک نام پر
نثار کرو اپنی جساں، وطن کے پاک نام پر
صدائیں دیتا ہے وطن بڑھے چلو، بڑھے چلو

ولا دران تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو
بہادران صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

وطن کی عظمت کہن، دکھا دو اس جہاں کو پھر

بدل دواپنی ٹھوکروں سے گردشِ زماں کو پھر
برنگِ ابر لغرہ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

دلاورانِ تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

بہادرانِ صفِ شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

اگرچہ سام و تہمتن، زمانے سے گزر گئے

مگر سپاہیانہ زندگی سے نام اپنا کر گئے

بڑھو، کہ کوئی کہہ نہ دے یلانِ ہندوڑ گئے

مثالِ سام و تہمتن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

دلاورانِ تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

بہادرانِ صفِ شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

سنو! کہ آج خطرے میں، وطن کا نام و ننگ ہے

اٹھو! کہ چرخِ نیلِ قام کا کچھ اور رنگ ہے

چلو! کہ راہِ سخت ہے، بڑھو کہ وقتِ تنگ ہے

بھلا کے فکرِ ماؤمن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

دلاورانِ تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

بہادرانِ صفِ شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

بجا ہے یہ کہ سخت و صعب رہ گزار آئیں گے

درست ہے کہ دشتِ دماغ درگتِ آرائیں گے

صحیح ہے، جبال و قلعہ و حصار آئیں گے
جہیں پہ ہونہ اک شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

ولاوران تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو
بہادران صفت شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

محقایے دم قدم ہی سے ہے شان و شوکتِ وطن
محقاری تیغ تیز ہے، نشانِ غیرتِ وطن
تمہی ہو عزتِ وطن، تمہی ہو عظمتِ وطن
بڑھائے عظمتِ وطن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

ولاوران تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو
بہادران صفت شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

محقارے نعروں سے سوادِ کارزار کانپ اُٹھے
فضائے کارزار تھر تھرائے، کوہسار کانپ اُٹھے
ہر ایک قلعہ گونج اُٹھے، ہر اک حصار کانپ اُٹھے
مثالِ بحیر جوش زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

ولاوران تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو
بہادران صفت شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

سپاہیانہ زندگی جو قسمتِ سعید ہے
تو رزم گہ کی موت بھی سپاہیانہ عید ہے

جیا تو فخرِ قوم ہے، مرا تودہ شہید ہے
سروں سے باندھ کر کفن بڑھے چلو، بڑھے چلو

ولا دران تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو!
بہادرانِ صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو!

سوا و جنگ کر رہا ہے، تیغ کا اشارہ پھر
وطن کی خاک دیکھتی ہے خونِ نقشاں نظارہ پھر
افق پہ جگمگا رہا ہے مسیح کا ستارہ پھر
بفضلِ ربِّ ذوالمنن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

ولا دران تیغ زن، بڑھے چلو، بڑھے چلو!
بہادرانِ صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو!

بادل

دھوم سی مچ گئی، کس دھوم سی آئے بادل ساری دنیا کی فضاؤں پہ ہیں چھائے بادل
دل کو بھائے مری آنکھوں میں سمائے بادل!

سال بھر بعد بہاروں کے یہ دن پھر آئے شوح و شادابِ نظاروں کے یہ دن پھر آئے
سال بھر بعد پھر اس رنگ کے آئے بادل

بادل آئے، بھری برسات کے سماں لائے اپنے دامن میں بہاروں کے شہستان لائے
گل گلشن کے لئے مٹا زگی لائے بادل

کیفِ دسرتی سے یوں جھومتے کیوں آئے ہیں باغ و کھسار کا منہ چومتے کیوں آئے ہیں
 کیا کسی شوخ کا پینام ہیں لائے بادل
 یہ سماں دیکھ کے دل اپنا بھرا آہتا ہے کسی گل رخ کا تصور ہمیں تڑپاتا ہے
 اختر اس حال میں ہم کو تہ ستائے بادل

برکھارت

گھٹاؤں کی نیل فام پریاں، اُفتق پہ دھو میں چار ہی ہیں
 ہواؤں میں تھرکتا رہی ہیں، فضاؤں کو گدگدا رہی ہیں
 چمن شگفتہ، دمن شگفتہ، گلاب خنداں، سمن شگفتہ
 بنفشہ و نسترن شگفتہ ہیں، پتیاں مسکرا رہی ہیں
 یہ مینہ کے قطرے چل رہے ہیں، کہ ننھے سیارے ڈھل رہی ہیں
 اُفتق سے موقی اُبل رہے ہیں، گھٹائیں موقی لٹا رہی ہیں
 بہار ہندوستان یہی ہیں، ہماری فصلوں کی جاں یہی ہیں
 بہشت کو ثنشاں یہی ہیں، جو بدایاں دل نبھاتا رہی ہیں
 نہیں تو کچھ فراقِ بحد بریں، کھنچا ہے نقشہ ہی نظر میں
 کہ ساری دنیا ہے اک سمندر، بہاریں جس میں ہمارا ہی ہیں
 چین ہے رنگیں، بہار رنگیں، مناظر سبزہ زار رنگیں
 ہیں وادی و کوہ سار رنگیں، کہ بھبھکیاں رنگ لارہی ہیں

چمن میں اختر بہار آئی، لہک کے صوت ہزار آئی
 صبا گلوں میں پکار آئی، اُٹھو گھٹائیں پھر آ رہی ہیں

نتہا مقاصد

مناخفا سا مقاصد، جو ترے خط لے کر آتا تھا

نہ تھا معلوم اُسے، کس طرح کے پیغام لاتا تھا

سمجھ سکتا نہ تھا وہ خط میں کیسے راز پنہاں ہیں

حروف سادہ میں کس حشر کے انداز پنہاں ہیں

اُسے کیا علم ان رنگیں لقافوں میں چھپا کیا ہے

کسی مہوش کا ان کے بھیجنے سے مدعا کیا ہے

مگر مجھ کو خیال آتا تھا اکثر اس زمانے میں

کہ اُس کی حیرت طفلی ہی کیوں گم اس فسانے میں

وہ باایں کم سنی، کیا یہ نہ دل میں سوچتا ہوگا

کہ ”باجی نے ہماری“ اپنے خط میں کیا لکھا ہوگا؟

”اور آخر وہ اسی کو نامہ لکھ کر بھیجتی کیوں ہیں؟“

”کبھی بھیجا تو بھیجا لیکن اکثر بھیجتی کیوں ہیں؟“

”وہ پہلے سے زیادہ بھائی کو کیوں پیار کرتی ہیں؟“
 ”لغافہ دے کے لطفِ خاص کا اظہار کرتی ہیں۔“
 پھر ”ایسے اجنبی“ پر اُس کی باجی ”تھریاں کیوں ہیں؟“
 ”اگر میں بھی تو گھر والوں سے یہ باتیں سناں کیوں ہیں؟“
 اور اُس کے شبہ کی، اس سے بھی تو تائید ہوتی ہی
 چھپا کر خط کو لے جانے کی کیوں تاکید ہوتی ہی؟
 ”یہ تو خیر اجنبی جانے کہاں سے اکثر آتا ہے“
 ”جب آتا ہے تو باجی کی طرح خط لکھ کے لاتا ہے“
 عزیزوں کی طرح یہ کیوں، مکاں میں آ نہیں سکتا؟
 جب اُس سے پوچھتا ہو وہ اُسے سمجھا نہیں سکتا
 کھلونے دے کر اُس کو مسکرا دیتا ہے وہ اکثر
 ادراک ہلکا سا تھپڑ بھی لگا دیتا ہے وہ اکثر

ترے قاصد کے یہ افکارِ دل کو گدگداتے تھے
 اور اپنے بھولپن کو میرے جذلوں کو ہنساتے تھے
 نہیں موقوف اُن ہی ایام پر جب بھی خیال آیا،
 تصورِ تیرے بعد اُس کا بھی نقشہ سامنے لایا!
 مگر آج اس طرح دیکھا ہے وہ نقشِ حسیں میں نے

کہ رکھ دی خاکِ حیرت پر محبت کی جہیں میں نے
 وہی ننھا سا قاصد تو جواں ہو کر ملا مجھ کو
 زمانے کے تغیر نے پریشاں کر دیا مجھ کو
 جنوںِ ابتدائے عشق نے کر دیا سی لی دل میں
 پس از مدت یہ لیلے آگئی پھر اپنے محل میں
 ترے قاصد سے ملتے وقت مجھ کو شرم آتی تھی
 مگر اُس کی نگاہوں میں شرارت مسکراتی تھی

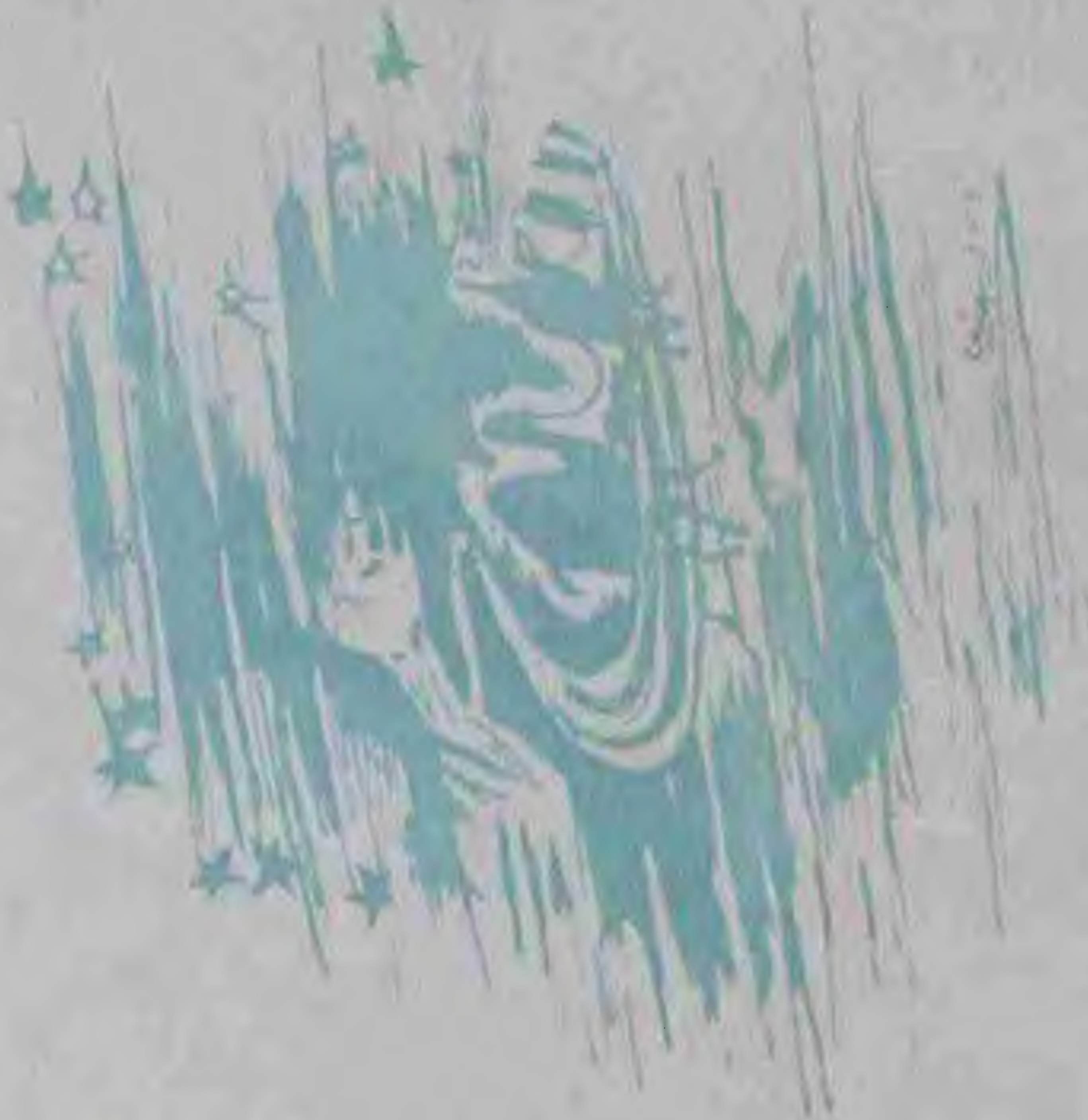
شرارت کا یہ نظارہ مری حیرت کا سماں تھا
 کہ اس پردہ کے اندر تیرا رازِ عشق عریاں تھا

ایک پیغام !

(پائیں باغ سے)

مرے چین کی فضا، تم کو یاد کرتی ہے
 ہر ایک بھول ہے مضطر گلے لگانے کو
 جو چھیڑتی تھی تمہاری طلافی زلفوں کو
 بسی ہوئی ہے جو اب تک تمہاری خوشبودی
 بہار اور اُس کی ہوا تم کو یاد کرتی ہے
 ہر اک کلی کی ادا تم کو یاد کرتی ہے
 وہی شریعہ صبا تم کو یاد کرتی ہے
 وہی مہکتی ہوا تم کو یاد کرتی ہے

Gulzar Khand



افق پہ مست گھٹا تم کو یاد کرتی ہے
 نسیم غم سرا تم کو یاد کرتی ہے
 وہ بلبلوں کی نوا تم کو یاد کرتی ہے
 وہ بادلوں کی صدا تم کو یاد کرتی ہے
 وہ منظروں کی ادا تم کو یاد کرتی ہے
 وہ آج بن کے گھٹا تم کو یاد کرتی ہے
 وہ صبح اور وہ صبا تم کو یاد کرتی ہے
 وہ چاندنی وہ ضیا تم کو یاد کرتی ہے
 وہ مشک قام گھٹا تم کو یاد کرتی ہے
 وہ سر و سرو ہوا تم کو یاد کرتی ہے
 کسی کی "شوخ" دعا، تم کو یاد کرتی ہے
 وہ آنسوؤں کی حیا، تم کو یاد کرتی ہے
 مری غریب دفا، تم کو یاد کرتی ہے

چمن میں سر کو اٹھائے شجر ہیں چٹم بسا
 ہر ایک شاخ کی زلفتی سرسراہٹ میں
 وہ جس کو اب بھی چھلکتی ہے عہد رفتہ کی یاد
 جو گدگداتی ہے بچپن کے خواب بن بن کر
 بہا برفتہ کی یادوں کا جوہرستاں ہے
 تمھاری اوڑھتی بچپن میں ہو گئی تھی جو گم
 وہ قمریوں کے ترانے وہ کوئلوں کی پکار
 گزار دیتے تھے ہم جس کی گودیں ایتیں
 جہرودہ بن کے گرا کرتی تھی شبستاں پر
 وہ جس کے خوف سے اک دن تلاش پہلو تھی
 نسیم صبح کی اٹھکھیلیوں کے پیوے میں
 تم ایکٹن جسے سمجھی تھیں میرے غم کا غور
 جھائے ناز کی عادت سہی، تمھیں لیکن

بے جس کی آرزو، اختر کو مدتوں سے مڑ
 ہوئی نہیں جو خطا، تم کو یاد کرتی ہے

فریبستی!

”ہاں کھائیو مت فریبستی“

ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے
(غالب)

زندگی گزراں، ہر رواں کچھ بھی نہیں
اعتبارات پہ قائم ہے نظامِ ہستی
ایک امید خیالی پہ جئے جاتے ہیں
کا کلِ دوست کا ہے ایک فریبِ رنگیں
نکمت و تاز و نوا ہائے حسیناں مومِ موم
زہرہ و ماہ و ثریا ہیں نگاہوں کی جھلک
لالہ دیا سخن و گل ہیں بہاروں کا فریب
سر و شمشاد و صنوبر ہیں نظر کا وھو کا
رنگِ زیبائش رنگیں بدناں، لاجِ صل
شفقِ آرائی لعل لبِ میگوں، بے کار
میکدہ کا رہی چشم و نظر، اک موجِ سزا
مطربِ کسن و آہنگِ کسن، بے معنی
بزمِ اسکندر و کاؤس ہے، لایعنی شے

ساقیا جام کہ بنیادِ جہاں کچھ بھی نہیں
یہ زمیں کچھ بھی نہیں و دریاں کچھ بھی نہیں
ورنہ بنیادِ حیاتِ گزراں کچھ بھی نہیں
ورنہ یہ سلسلہٴ دورِ زماں کچھ بھی نہیں
کا کلِ دویدہ و لبھائے بتاں کچھ بھی نہیں
آبِ جو، نکرت گل، بادِ وزاں کچھ بھی نہیں
سبزہٴ دگلکہدہٴ دجسے رواں، کچھ بھی نہیں
شاخِ خار و چین و آبیے واں کچھ بھی نہیں
طرزِ آرائش گل پر مٹاں، کچھ بھی نہیں
غالیہ سائی گیسوئے بتاں کچھ بھی نہیں!
ارغواں تارِ ریِ رخسار و ہاں کچھ بھی نہیں
ساغرِ کمنہ و ساتیِ جواں، کچھ بھی نہیں
تختِ مقدونہ و تاجِ کیاں کچھ بھی نہیں

حسنِ نو کچھ بھی نہیں، عشقِ جواں کچھ بھی نہیں

ہوش اے دل کہ جہاں گزراں کچھ بھی نہیں

بلبل زار ہے سر یا و دفغاں پر عبور
 گر چہ مستقبل فریا و دفغاں کچھ بھی نہیں
 ایک مستی ابد ہے رگ دپے میں ساری
 دل کی نظروں میں خرابات جہاں کچھ بھی نہیں
 ایک موہوم سی منزل کی طرف میں راہی
 زہرہ و ماہ و نجوم گزراں کچھ بھی نہیں
 اس زمانہ میں ہیں ایمان و وفا خواب کہن
 یہ حقیقت بھی نہاں ہے تو عیاں کچھ بھی نہیں
 اور ہی چیز ہے جو دل میں اتر جاتی ہے
 نطق بیتاب و لب متغله چکاں کچھ بھی نہیں
 اور بھی "بکھٹیں" ہیں مسجد میں عبادت کے سوا
 زندگی ہی میں جو حاصل نہ ہو وہ کیا نعمت
 اور صدمہ خالوں میں جز حُسن بتاں کچھ بھی نہیں
 ایک ٹھوکر سے اڑا دیتے ہیں تختِ جہم و کرے
 دادی کو تڑو گلزارِ جنناں کچھ بھی نہیں
 رات دن کشمکشِ رنج و اطم ہے برپا
 گو فقیرانِ در پیرِ مغاں کچھ بھی نہیں
 سبزه گور کی جنبش سے صدا آتی ہے
 جان ہی کو نہ ہو راحت تو جہاں کچھ بھی نہیں
 یہ جہاں آہ جہاں گزراں کچھ بھی نہیں!

کوئی شاداب حقیقت ہے تو ہے بزمِ مغاں

ورنہ اختر یہ جہاں گزراں کچھ بھی نہیں

طُوعِ محبت سے پہلے

جب تلک دل میں محبت نہ ہوئی کتنی پیدا

یہ زمیں سادہ تھی، جنت نہ ہوئی کتنی پیدا

زندگی میں کوئی لذت نہ ہوئی کتنی پیدا

ذہن اور فکر میں عظمت نہ ہونی کھتی پیدا

جب تلک دل میں محبت نہ ہونی کھتی پیدا

میرے افکار کے پھولوں میں بہار آئی نہ کھتی

میرے اشعار میں رنگیں درختانی نہ کھتی

میری تحنیل میں ندرت نہ ہونی کھتی پیدا

جب تلک دل میں محبت نہ ہونی کھتی پیدا

بے اثر کھتی، مری نظروں میں ستاروں کی بہار

کتنی افسردہ کھتی قدرت کے نظاروں کی بہار

کسی منظر میں لطافت نہ ہونی کھتی پیدا

جب تلک دل میں محبت نہ ہونی کھتی پیدا

آرزوئیں کھتیں نہ یہ حسن بھرا خواب اُن کا

نہ اُمنگیں کھتیں، نہ یہ نشہ شاداب اُن کا

کسی جذبے میں طراوت نہ ہونی کھتی پیدا

جب تلک دل میں محبت نہ ہونی کھتی پیدا

یہ جہاں سادہ تھا بے کیف تھا یا غمزدہ تھا

ایک اک ذرہ پریشان تھا، ماتم زدہ تھا

باغ ہستی میں مسرت نہ ہونی کھتی پیدا

جب تلک دل میں محبت نہ ہونی کھتی پیدا

نہ گھٹاؤں میں تھا یہ رنگِ خراماں پہلے
نہ ہواؤں میں تھی یہ بوئے پرافشاں پہلے
رنگ و بو میں یہ حسدات نہ ہونی تھی پیدا

جب تلک دل میں محبت نہ ہونی تھی پیدا

حسن خنداں تھا نہ دیوانے نظر آتے تھے
شمع روشن تھی نہ پردانے نظر آتے تھے
یہ جنوں اور یہ وحشت نہ ہونی تھی پیدا!

جب تلک دل میں محبت نہ ہونی تھی پیدا

مصرافکار بھتا بیگانہ زلیخاؤں سے
میرے ارماں کدے محروم تھے سلماؤں سے
فکر اور شعر میں لذت نہ ہونی تھی پیدا

جب تلک دل میں محبت نہ ہونی تھی پیدا

شیراں آئی تھی نہ ایراں کی فضا سے اب تک
کوئی بلقیس نہ اُٹھی تھی سب سے اب تک
اور سلیمان کی عظمت نہ ہونی تھی پیدا

جب تلک دل میں محبت نہ ہونی تھی پیدا

اے ابرِ رواں

اے ابرِ رواں، جاسوئے وطن، جاسوئے وطن، اے ابرِ رواں !
 اور چوم آنے جا کر روئے وطن، ابرِ دئے وطن، اے ابرِ رواں !
 دامن میں چھپا لا، لوئے وطن، خند شبنوئے وطن، اے ابرِ رواں !
 اے ابرِ رواں جاسوئے وطن، جاسوئے وطن، اے ابرِ رواں !

اے ابرِ رواں !

اے ابرِ رواں، میرا غمِ دل، یارانِ وطن کو جسا کے سنا !
 اس بلبلی دشتِ غربت کا افسانہ چین کو جسا کے سنا !
 ہر سنبل و گل کو جا کے سنا، ہر سرو و دمن کو جا کے سنا !
 اے ابرِ رواں جاسوئے وطن، جاسوئے وطن، اے ابرِ رواں !

اے ابرِ رواں !

کہنا کہ دیارِ غربت میں اک غمزدہ روتا رہتا ہے
 دن رات محفاری فرقت میں منہ اشکوں سے دھوتا رہتا ہے
 گلہائے محن کو آنسوؤں کے تاروں میں پروتا رہتا ہے
 اے ابرِ رواں، جاسوئے وطن، جاسوئے وطن، اے ابرِ رواں !

اے ابرِ رواں !!

کہنا کہ وطن سے ہو کے جدا، ہم سیرِ گستاں کھو بیٹھے !

وہ صحنِ چمن ، وہ جلوہٴ ممہ ، حسنِ بہاراں کھو بیٹھے
 وہ شوخیِ گل ، وہ رنگِ سمن ، وہ نکستِ ریاں کھو بیٹھے
 اے ابر رواں جاسوئے وطن ، جاسوئے وطن ، اے ابر رواں

اے ابر رواں !!

کہنا کہ ہر اک راحت سے یہاں ، بیگانہ سے ہیں ، ہجور سے ہیں
 قابو میں نہیں ہے یاد تری ، اے خاکِ وطن مجبور سے ہیں
 غمگین سے ہیں ، غمیدہ سے ہیں ، رنجیدہ سے ہیں رنجور سے ہیں

اے ابر رواں !!

نغمۂ بہار

پھر بہار آئی ہواؤں کو گل افشاں کر دیں
 ساغر و حسن و گل و نعمتہ کو رقصاں کر دیں
 سوز و سازِ دل بے تاب کو ارزاں کر دیں
 ایک شعلے سے جہاں بھر میں چسراغاں کرتوں
 گل و گلشن کو حے و میکدہ سا ماں کر دیں !
 حسنِ نوستاہِ بینائی کو عسریاں کر دیں
 زگس و زہرہ و ہفتاب کو حیراں کر دیں
 باغ ہیں ساغرِ گل پوشش کو رقصاں کر دیں

شاہد شمع کو دیں حکم چمن آرائی
 نغمہ و نور بسم دست و گریباں کر دیں
 ریش درنگ کو بخشیں سر و برگ معراج
 عکھت و ناز کی پریوں کو پرافشاں کر دیں
 راحت و راج و ریاحیں کے صنم خانہ میں
 مے دستی و مسیحائی کو ارزاں کر دیں
 پھول کے بدلے کریں شاخ پہ جام آویزاں
 ساغردوں کی جگہ پھولوں کو فروزاں کر دیں
 شاخساروں پہ ہوں ناہید و شین نغمہ فشاں
 اس ادا سے کہ عنادل کو بھی حیراں کر دیں
 پھول برسائیں درختوں سے سمن رو، ہر سو
 ایسی شوخی سے کہ تاروں کو پریشاں کر دیں
 بام اشجار پہ بھی مست نوا ہوں، گل رخ
 اس جلالت سے کہ بلبل کو غرلخاں کر دیں
 شمع و فائوس سے آراستہ ہوں نخل و شجر
 لالہ و گل کی بہاروں کو نمایاں کر دیں
 سبزے کے فرش پہ گل و ربوہ ساغرد رکھ
 ساقیان سمن اندام کو رقصاں کر دیں

شمعِ رونا تاز سے صدف بستہ ہوں بزمِ گل ہیں
 سرورِ یکیاں کی فضاؤں میں چراغاں کر دیں
 دستِ ہر غنچہ میں اک جامِ طلافی رکھ دیں
 کعبہ ہر جام کو پھولوں سے گلستاں کر دیں
 سایہ زلف میں چہروں کو فروزاں کر کے
 داوی ابر میں انجم کو درخشاں کر دیں
 ایک اک بال میں شبیم کے پردویں موتی
 زلف کے شبکدے میں نور کا سماں کر دیں
 مرمی سینے ہوں گاہائے شفق گوں سوسیاں
 ارغواں زاریں روشن سمستاں کر دیں
 کبھی اس بُت کا گلِ عارضِ رنگیں چھو لیں
 کبھی اُس شوخ کی زلفوں کو پریشاں کر دیں
 مائل بندہ نوازی ہوں گل اندام ایسے
 کہ خدائی میں خدائی کو بھی آساں کر دیں
 ساغرِ گل میں پیئیں بادہ گُلگوں پیہم !
 اس لطافت سے کہ غنچوں کو بھی خداں کر دیں
 مطلبِ جام سے لہرا کے خوشی کی بجلی ،
 غم کو موج مے گل رنگ میں پہاں کر دیں

چھپڑ کر حور و شانِ حرمِ صومعہ کو

لالہ بدایانِ حسدِ بات کو خنداں کر دیں

مے ہر رنگ ہو، ہر رنگ کی طلعت افشاں

بند شیشوں میں شگفتہ گل وریجاں کر دیں

دل سے دارا و سکندر کے بھلا دیں قصے

اس طرح روشک جام کو رقصاں کر دیں

عظمتِ فقر کے رخشندہ جمالوں کی قسم

ذرتے ذرتے کو حریفِ مہِ تاباں کر دیں

بے نوا یانِ درِ پیرِ معناں کو ہمدم

قیصرِ عالم و شاہنشاہِ دوراں کر دیں

کر کے تقسیمِ ذراِ نجمِ دسیمِ مہتاب

دستِ مفلس کی طرح، چرخ کو دیراں کر دیں

بے نیازی سے نہ دیکھیں، جہمِ کسری کی طرف

بے رخی سے، بہتکِ خسرو و خاقاں کر دیں

ایک سلطان کو کُشکولِ گدائی دے کر

ہر گدا کو کئی معسوروں کا سلطان کر دیں

ایک کینسر و خاقاں سے حکومت لے کر

کئی محنتا جوں کو کینسر و خاقاں کر دیں

منتظر عالم نو کا ہے ہسان کہنہ ،
 شبِ تیرہ سے عیاں ، صبحِ درخشاں کر دیں
 عدل کے نام سے یہ ظلم نہ ہوں دنیا میں
 موبِ کمزور کو ہمتائے سلیمان کر دیں
 شیخِ کعبہ کو سزا دیں یہ ریاکاری کی
 جامِ درگف کسی بُت خانے میں رقصاں کرتا
 برہمن کو دیں یہ انعام شرا نگیزی کا
 کہ مقرر کسی مسجد کا نگہباں کر دیں
 شہرت آئے تو اُسے بھیج دیں ناہد کی طرف
 ہو س آئے تو کسی پیر پہ احساں کر دیں
 دولت آئے تو اُسے بھیج دیں سوئے مفلس
 ذلت آئے تو دواں جانبِ سلطان کر دیں
 حوریں آئیں تو انھیں بخش دیں ہم داعظ کو
 کوڑا آئے تو سوئے کعبہ خراں کر دیں
 قیس کی بے کسی جو ش جنوں کے بدلے
 لیلۂ نخب کو رسوائے بیاباں کر دیں
 دامنِ رنج رسیدہ کے سکاں کی خاطر
 مثلِ گیسو، دلِ عذرا کو پریشاں کر دیں

دستِ فرہاد کے زنجیروں پہ رکھیں یوں مرہم
 لبِ شیریں کو پُر از شورِ منسکداں کر دیں
 انتقامِ خلش و تلبِ زلیخا کے لئے
 پارہ پارہ، مرکنغاں کا گریباں کر دیں
 غیرت اے مے طلبی، المددائے تشنہ لبی!
 جامِ خالی سے بپا نوح کا طوفاں کر دیں
 جن سے برسات کی راتوں میں بستی ہو شراب
 اُن گھٹاؤں کو فضاؤں میں خساں کر دیں
 مریمِ توبہ گر اس بزم میں آنا چاہے
 خیرِ مقدم کے لئے وا، درِ عصیاں کر دیں
 زلفِ شب بڑھنے نہ دیں تابہ مکرِ حشر تلک
 اور بڑھے تو اُسے شانوں پریشاں کر دیں
 صبح کو بار نہ دیں تا ابد اس محفل میں
 یا مسترد، ورگلزار کا درباں کر دیں
 اس طرح اس ارمِ خوابِ منسا میں اختہ
 اپنے افکار کی عذراؤں کو عریاں کر دیں

ایک خط!

اے روحِ فشرار بے قراراں
 اے مرکزِ انتظارِ آغوش
 اے لالہ رخ و چمن متاشا
 اے صبح بہار و شامِ مہتاب
 اے رونقِ نو بہارِ بستر
 اے جشنِ گہ سعاد پہلو
 مدت سے نہ لی خبر ہماری
 اے جانِ عزیز و روحِ محبوب
 پہلے تو یہ بے رخی نہیں تھی
 محرومِ کرم نہ تھتا دلِ زار
 آخر کو یہ کج ادائیاں کیوں
 اے جانِ بہار و روحِ گلشن
 دیدار کو دلِ ترس رہا ہے
 اے ماہِ رخِ دستارہ اندام
 صدمے ہم بھیلے ہیں شب بھر
 اے روکشِ ہر و رشکِ مہتاب
 سامانِ سکونِ دلِ نگاراں
 عیدِ نگہ و بہارِ آغوش
 رشکِ گل و یاسمن متاشا
 اے خوابِ شبابِ عشقِ شاداب
 اے طالعِ کامگارِ بستر
 نورِ روزِ نگاہ و عیدِ پہلو
 حسرتِ زوہ ہے نظر ہماری
 عرصے سے نہ خط لکھا نہ مکتوب
 لطافت میں یوں کمی نہیں تھی
 پامالِ الم نہ تھا دلِ زار
 ہم سے بے اعتنائیاں کیوں
 محروم ہے کیوں نظر کا وامن
 آنکھوں سے لہو برس رہا ہے
 نیندیں ویران ہیں راتیں ناکام
 انگاروں کو کھیلے ہیں شب بھر
 دن کو مضطرب ہیں شب کو بخواب

کیوں ہو گئیں اس طرح خفا تم
کیوں بھول گئیں دفنہ کے انداز
رہنے لگیں ہم سے کیوں جدا تم؟
سیکھے کس سے جفا کے انداز؟
دل مجھ میں خون ہو رہا ہے
بادل کی طرح سے رو رہا ہے

اب بھی جو ترس نہ کھاؤ گی تم
زندہ مسم کو نہ پاؤ گی تم!

بستی کی لڑکیوں کے نام ایک شہری شاعر کا پیغام

اے صبا، گر بجز ری بر ساحل رو داریں!
بوسہ زن بر خاک اس دادی دشکیں کرنفس!

جیل اے نسیم صحرا، روح روان صحرا
صحرائی موشوں کی خدمت میں جا کے کہنا
گر بس چلے تو آئیں اور در و دل نائیں
تم "سجدہ" میں پریشاں شہر و غنیں ہم ہیں حیراں
تم اُس طرف غنوں کو بے حال ہو رہی ہو
ہم پاس آئیں کیوں کر، تم کو بلائیں کیونکر
بیتاب ہیں الم سے بیخواب رنج و غم سے
میرا پیام لے جا، سوئے بتان صحرا
بھولے نہیں تمہیں ہم، اے دختران صحرا
تم کو گلے لگائیں، ہم پھر میان صحرا
اللہ کی اماں ہو تم پرستان صحرا!
ہم اس طرف ہیں مضطرب و امن کشان صحرا
یہ دکھ مٹائیں کیونکر، دامانگان صحرا
کیا پوچھتی ہو ہم سے، اے دلبران صحرا

تم یاد کر رہی ہو، بیداد کر رہی ہو
یہ کیا کہا کہ "تم ہو رنگینوں کے خوگر"
یہ رات یہ گھٹائیں، یہ شور، یہ ہوائیں
شہروں کی زندگی سے ہم تنگ آ چکے ہیں
"بادِ سموم" ہویا "صرصر کے تند طوفاں"
آبادیوں میں حاصل، آزادیاں نہیں ہیں
صحرا کی وسعتوں میں ہم کو نہ بھول جانا
اے ابرچپ نہ رہنا، میرا فسانہ کہنا

برباد کر رہی ہو، اے گلرخان صحرا
غمگیں ہیں تم سے بڑھ کر اے غمکشان صحرا
بچھڑے ہوئے ملیں گے کیونکر میان صحرا
صحرائیں پھر بلا لوائے ساکنان صحرا
ڈرتے نہیں کسی سے ولدادگان صحرا
آجاد تم ہی اڑ کر اوطار ان صحرا
اودختراں صحرا، اوداہوان صحرا!
مل جائے گر کہیں وہ سرور دان صحرا

دستی کی دھن میں ساقی، اک نغمہ عراقی

ہاں پھر ستا بسا دگل چہرگان صحرا

آنکھوں میں بس رہا ہے نقشِ بتان صحرا
مستانہ جا رہا ہے پھر کاروان صحرا
دیہات کی فضائیں آنکھوں میں پھر رہیں
نظروں پہ چھا رہا ہے وہ چاندنی کا منظر
وہ چاندنی کا موسم، وہ بخودی کا عالم
جلوسے مہجواں کے، وہ رنگ کاروان کے
کیونکر نہ یاد آئیں، وہ سیمگوں فضائیں
وہ کمسنوں کے گانے، وہ کھیل دہ تانے

اوداستان سرا، چھیڑ، اک استان صحرا
ہاں جھوم کر حدی خواں اک استان صحرا
دل میں سمار ہی ہے یادِ بستان صحرا
صحرائیں کھیلتی تھیں جب حوریاں صحرا
وہ نور کا سمندر، ریگ دان صحرا
وہ نغمے سارباں کے، رقصاں میان صحرا
وہ آسمان صحرا، ماہِ روان صحرا
بے فکری کے فسانے، درو زبان صحرا

کھیتوں میں گھومتے تھے، ہر گل کو چمتے تھے
 وہ گاؤں وہ قضاہیں وہ فصل وہ ہوائیں
 پھر یاد آ رہی ہیں، پھر دل دکھا رہی ہیں
 راتوں کو چھپ کے آنا اور شانے کو بلانا
 وہ اُن کی شوخ آنکھیں وہ ان کی سادہ نظر
 وہ عشق پیشہ ہوں میں جس کے جوان نغمے
 مستی میں جھومتے تھے جب میکشان صحرا
 وہ کھیت وہ گٹائیں وہ آسمان صحرا
 مجنوں بنا رہی ہیں، لیلے و شان صحرا
 ہے یاد وہ جگانا، ہم کو میان صحرا
 بخود بنا رہی ہیں دوشیزگان صحرا
 گاتا ہے چاندنی میں ہر لہو جوان صحرا

اک بددیت کا عاشق، صحرانیت سے بخود
 اختر بھی اپنی دھن میں ہے اک جوان صحرا

آزادی

صبا پلاتی ہے ہر وقت جام آزادی
 مرد ستارہ کی آزاد کرغیں کہتی ہیں
 پکارتی ہے ہمسالہ کی رفعت آزاد
 چلی نسیم اٹھیں نکلتیں، اڑے طائر
 سبق یہ ملتا ہے دریاؤں کی روانی کو
 جو بوالہوس ہیں وہ تکلیف اعتنائہ کریں
 کرے نہ مرغ چمن حوصلہ تو کس کا قصور
 ہو طعنہ زن کوئی کیوں ہم پہ حضرت اختر
 شمیم لاتی ہے ہر دم، پیغام آزادی
 پیغام چرخ بریں ہے، پیغام آزادی
 کہ ہے ستاروں کا ہمسر مقام آزادی
 جہن میں دیکھے کوئی، ہستام آزادی
 جہاں میں کوئی نہ ہو تشہ کام آزادی
 مقام عیش نہیں ہے معتام آزادی
 قفس سے دور نہیں ہے مقام آزادی

غلام بھی ہیں تو ہم ہیں غلام آزادی

ا برس سے

برس نہ دیر کراے ابر نو بہار برس
برس کہ سوز کا گہوارہ بن رہی ہے بڑی
برس کہ آگ برستی ہے کل فضاؤں سے
فسردگی سی ہے طاری گل دریا حیں پر
ترشح سے نہیں تسکین، قلب سوزاں کو
برس کہ رنگ ابھی بدلا نہیں درختوں کا
برس کہ خاک کا دل ہو نہیں سکا سیراب
برس کہ دیر سے تھا تیرا انتظار برس!

برس کہ تشنہ ہیں دادی و سبزہ زار برس
برس کہ شعلے لٹاتے ہیں کوہسار برس
الم زدہ سے ہیں اشجار و شاخسار برس
برنگ جوشش طوفان آبشار برس
ہیں انتظار جوانی میں لالہ زار برس
ہیں صید تشنہ لبی، اب بھی غنچہ زار برس

برس نہ شہر پہ گر شہریوں کو نفرت ہو
مگر ہیں منتظر لطف، کاشتکار برس

مرنے کے بعد

چمن زار، شاداب دختراں رہیں گے
درختوں پہ طائر غزل خواں رہیں گے
فضاؤں میں بادل پرافشاں رہیں گے
مگر ہم تہ خاک پنہاں رہیں گے
گھٹائیں گلستاں پہ چھپا کر یں گی
فضائیں بوہنی لہلہا یا کر یں گی

درختوں کے دامن گل افشاں رہیں گے
 مگر ہم تہ خاک پنہاں رہیں گے
 چمن کی فضا میں ہلکتی رہیں گی صبا کے اثر سے ہلکتی رہیں گی
 گل و غنچہ و برگ و رقصاں رہیں گے
 مگر ہم تہ خاک پنہاں رہیں گے
 یہ شہر اور دیہات بستے رہیں گے صداؤں سے معمور رستے رہیں گے
 بپا زندگانی کے طوفاں رہیں گے
 مگر ہم تہ خاک پنہاں رہیں گے
 گھٹائیں یونہی گھر کے آیا کریں گی یونہی بلبلیں گیت گایا کریں گی
 یونہی گلستاں، گل بد اماں رہیں گے
 مگر ہم تہ خاک پنہاں رہیں گے
 عرس سحر، روز آیا کرے گی فضا اور سے جسکے گایا کرے گی
 مناظر، سحر خیز و خداں رہیں گے
 مگر ہم تہ خاک پنہاں رہیں گے
 یہ راتیں یونہی جھلایا کریں گی ستاروں کی شمعیں جلا یا کریں گی
 سہ چرخ روشن اجراغاں رہیں گے
 مگر ہم تہ خاک پنہاں رہیں گے

کھستاں سے چٹھے اُبلتے رہیں گے سرِ راہ موتی بگھیلے رہیں گے
 یہ سیلابِ کسمیں، خراہاں رہیں گے
 مگر ہم نہ خاک پنہاں رہیں گے
 غرض یہ خدائی کے رنگیں نطائے یہ شام و سحر کے بہاریں نطائے
 خراہان و درخشاں درقصدان رہیں گے
 مگر ہم نہ خاک پنہاں رہیں گے

میری داستانِ حیات

ستاروں کی کہانی کہئے، خوابوں کا بیاں لکھیے
 وہ کہتی ہیں کہ اپنی زندگی کی داستان لکھیے
 ہماری زندگی، نیرنگی عالم کا منظر ہے
 کبھی آرامِ دل کہئے، کبھی آزارِ جاں لکھیے
 چمن میں برگِ گل پر قطرہٗ شبنم جو لہزاں ہے
 اُسے پیشِ نظر رکھئے، ہماری داستان لکھیے
 کبھی ہر سانس کو اک نکبتِ آبِ بقا کہئے
 کبھی ہر لمحے کو پیغامِ مرگِ ناگہاں لکھیے
 کبھی خوابِ زلیخا کہئے ہر شب کے نظاروں کو
 کبھی افسانہٗ یوسف بدستِ کارواں لکھیے

کبھی پھولوں کی یجوں کو ہمارا دوسرہ کہئے
 کبھی جنگل کے کانٹوں کو ہمارا آشیاں لکھئے
 کبھی ہر طرح غم کو خلاصہ کہئے دوزخ کا
 کبھی ہر فرصت رنگیں کو عمرِ جاواں لکھئے
 کبھی بیگانگی دیر و کعبہ کا بیاں کہئے
 کبھی امتِ انسانہ رسوائی کوئے بتاں لکھئے
 کبھی شادمانی گلہائے نو کا تذکرہ کیجئے
 کبھی افسانہ بربادی برگِ خزاں لکھئے
 کبھی پریوں کے سینوں کو ہمارا رازداں کہئے
 کبھی حوروں کے ہونٹوں کو ہمارا ہم نہاں لکھئے
 کبھی سلمیٰ کے رومانِ حسیں کے تذکرے کیجئے
 کبھی عذرا کے افسانے کو عشقِ رُگیاں لکھئے
 کبھی نسرین کی الفت کو گلے کا بار کہہ لیجئے
 کبھی ریحانہ کی بددیتوں کو حریزِ جاں لکھئے
 کبھی پردیس کی مرگِ عاشقی پر فاتحہ پڑھیجئے
 کبھی شمسہ کے زہر آلود ہونٹوں کا بیاں لکھئے
 کبھی حسنِ ثریا کو ہمارا آئینہ کہئے
 کبھی ناہید کے دل کو ہمارا آشیاں لکھئے

کبھی شیریں کے مشائے تبسم کا بیاں کیجئے
 کبھی پیلے کے خونیں آنسوؤں کی داستان لکھیے
 کبھی دہرائیے قصہ جہانگیر ابن اکبر کا
 کبھی اپنے اودھ کے جانِ عالم کا بیاں لکھیے
 کبھی غالب کو اور موت کو کہیے تم صغیر اپنا
 کبھی خیام و حافظ کو ہمارا ہم زباں لکھیے
 الف سے ی تک قصہ جو بھی نام و لکشم ہو
 ہر اک سے بدگماں ہو کر ہر اک کی داستان لکھیے
 کبھی فرطِ غم و آلام کو ہر زباں کہیے
 کبھی افکارِ شع و عشق کو تجھے رواں لکھیے
 کبھی ہر بے ولی کو غم کا اک تحتِ اثری کہیے
 کبھی ہر آرزو کو ایک خوابِ کہکشاں لکھیے
 کبھی ہر صبح کو درِ خسارِ ناگہاں کہیے
 کبھی ہر شب کو طوفانِ نشاطِ نوجواں لکھیے
 کبھی جنت کی حوروں کو گدائے درِ سمجھ لیجئے
 کبھی مفلس گداؤں کو ہمارا ہم زباں لکھیے
 غرض اختر کی ساری زندگی کا یہ خلاصہ ہے
 کہ پھولوں کی کہانی کہیے شعلوں کا بیاں کیجئے!

شکستِ طلسم

عدو کی ہو چکیں جب تم تو دعویٰ کیوں ہے عفت کا؟
 کسی کا ہو رہے کوئی تو پھر عفت کہاں باقی؟
 محبت کی لطافت، جسم کی عصمت کہاں باقی؟
 مری گستاخیوں سے پھر یہ شکوہ کیوں ہے عفت کا؟
 تمہیں مجھ سے محبت تھی، مجھے تم سے محبت تھی!
 میں سو جاں سے تمہاری عفتوں کی قدر کرتا تھا!
 تمہاری عظمتوں کی، عصمتوں کی قدر کرتا تھا
 تمہاری روح میں اور جسم میں جب تک لطافت تھی!
 مگر اب جب 'عدو کی ہو کے' تم ان سب کو کھو بیٹھیں
 تمہارا جسم جھوٹا ہو چکا، ارشکار بھی جھوٹے
 تمہارے ہونٹ جھوٹے ہو چکے اور پیار بھی جھوٹے
 تم اپنے ہاتھوں اپنی عفتوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں
 تو پھر 'مجھ کو'، 'مجھ ہی' کو شوق کیوں ہو پارسانی کا
 تمہیں بھی چاہیے تھا پاس میری نارسانی کا

یادِ رفتہ

محبت کی انگلیں میرے دل کو گدگداتی ہیں
 کہ اک بھولی ہوئی مہ رو کو جا کر پیار کر آؤں
 سرورِ عشقِ رفتہ سے اُسے سرشار کر آؤں
 کہوں جا کر "تری کھچلی وفا" یاد آتی ہیں
 تری نظریں تصویر میں ابھی تک مسکراتی ہیں
 وہ نظریں، چاہتا ہوں پھر اُنھیں بیدار کر آؤں
 جہاں بھر کے خیال و خواب سے بیزار کر آؤں
 یہ بیخود اگر زدیں مجھ کو دیوانہ بناتی ہیں
 مگر پھر سوچتا ہوں جاؤں کیونکر اُسکے ایوان تک
 کہ اُس نے مدتوں سے اک نئی دنیا بسائی ہے
 وہ دنیا آہ جو میری نہیں ہمدم پرانی ہے
 تصدیق بھی پہنچ سکتا نہیں جس کے شبستان تک
 تو ہمدم، اپنے غم کا کس طرح اظہار کر آؤں؟
 اور اُس بھولی ہوئی مہ رو کو کیوں کر پیار کر آؤں؟

انانیّت

چھارہ ہی ہوں پستیوں پر دیو داروں کی طرح

اور بلندی پر عقاب پر فشاں کی شکل میں
اک نگاہ بے صدا و بے نشاں کی شکل میں

سر بلندی پانی میں نے کوہساروں کی طرح
کوہساروں سے بھی برتر، ابر پیادوں کی طرح

حد آخر، میری طلعت آسماں کی شکل میں
عظمتوں سے کھیلتی ہوں کہکشاں کی شکل میں

خندہ زن ہوں بزم خاکی پرستاروں کی طرح
رعد کی صورت گر جیتی ہوں، بساط خاک پر

کانپ اٹھتے ہیں سمندر جس سے وہ طوقاں ہوئیں
سینہ ہستی کی اک منکر شدہ افشاں ہوئیں

ہیں قدم میرے زمین پر سر مرا افلاک پر

صورت اندیشہ مستی میں بھیر جاتی ہوں میں
پردہ ہائے ماہ و انجم سے گزر جاتی ہوں میں

میرا راز !

یہ راز دل، موسیقی، احساس کا اک ساز ہے

جس کی فریاد، اشکِ خونیں ہو کے بہہ سکتی نہیں
اور خموشی بن کے سینے میں بھی رہ سکتی نہیں

یعنی تیرے دل میں مضطر، کوئی غمگین راز ہے
جو ہم آہنگِ فغاں ہو کر بھی بے آواز ہے

روح تیری جس کی بے تابی کو سہہ سکتی نہیں
اور کہنا بھی اگر چاہے تو کہہ سکتی نہیں

نالہ، مجبور سکوں، حالات کا اعجاز ہے !
لیکن اے شیریں، زمانے میں اک ایسا دل بھی ہے

جو تیرے احساس کی آواز سے ہے آشنا
یہ تیرے سازِ دل کے غمگین راز سے ہے آشنا

جس کا اندازہ تجھے آساں بھی ہے مشکل بھی ہے !

محو حیرت ہو کے اب کیوں گوشِ بر آواز ہے ؟

آہ، تیرے ساز کی تفسیر میرا راز ہے !

عشرتِ رفتہ

بچھے کیوں عشرتِ رفتہ کی یاد آتی ہے رہ رہ کر

مرے نادان دل کچھ تو بتا یہ ماجرا کیا ہے؟

پُرانے قصے دہرانے سے آخر فائدہ کیا ہے؟

بتا ماضی کی دُھن کیوں اتنا تڑپاتی ہے رہ رہ کر؟

کسی کا حال دنیا میں کبھی یکساں نہیں رہتا

جہاں دیکھو تغیر ہی تغیر کی حکومت ہے

تغیر، اصل ہستی ہے تغیر اصل فطرت ہے

تغیر ہونہ جس انساں میں وہ انساں نہیں رہتا

خزاں کے بعد آتی ہیں بہاریں باغِ عالم میں

بہاریں ختم ہونے پر خزاں کا دور آتا ہے

چمن روتا ہے اک دن دوسرے دن مسکراتا ہے

غرض عمریں گزر جاتی ہیں یوں شادی و ماتم میں

تو اپنے رنج کو راحت بنا سکتا نہیں اے دل!

بلا کر عشرتِ رفتہ کو لا سکتا نہیں اے دل!

دُنیا

تزی دنیا میں گر مکار ہی مکار بستے ہیں!

تو میرا سینہ کیوں اخلاص کو مسموم نہ کر یارب؟

مرا ہی دل مے الفت سے کیوں مخمور نہ کر یارب؟

ترے مے خانہ بہستی میں گر عیار بستے ہیں!

تزی دنیا اگر بے درد انسانوں کا مسکن ہے!

تو مجھ کو کیوں کیا ہے دردِ دل کی آتشا تو نے؟

مجھ ہی کو کیوں بنایا پسیرِ رحم و وفا تو نے؟

تزی دنیا اگر خوشخوار حیوانوں کا مسکن ہے!

اگر اپنوں کے غم پر مسکراتے ہیں ترے بندے!

تو مجھ کو کیوں پر اسے غم پر کبھی رونا سکھایا؟

مری آنکھوں میں کیوں سارے جہاں کی دکھ بسایا؟

اگر اس حال میں آنکھیں چراتے ہیں تھے بندے!

تزی دنیا کی ردِ نعت، مکر، جھوٹ اور بیوفائی ہے!

یہاں تیری خدائی ہے کہ شیطان کی خدائی ہے؟

عذرا!

پری دھور کی تصویرِ نازِ نہیں، عذرا

شہیدِ جلوہ دیدار کر دیا تو نے!
نظر کو محشرِ انوار کر دیا تو نے!

بہار و خواب کی تنزیرِ مرمریں، عذرا
شراب و شعر کی تفسیرِ دل نشیں، عذرا

دل و دماغ کو سداشار کر دیا تو نے
شباب و عشق کو بیدار کر دیا تو نے

مری حسین، مری نازِ آفتابیں عذرا
دیارِ دل میں تو آئی بہار کی صورت!

گدائے حسن سے اظہارِ عشق تو نے کیا
گناہگار سے استمرارِ عشق تو نے کیا

بسی دماغ میں کیف و حمار کی صورت

مٹا سکے گا نہ اب پیرِ آسماں مجھ کو
کہ ہے نصیبِ ترا عشقِ نوجواں مجھ کو

حوصلے

تو وہ خاک تھی یکسر تری دنیا اے حیات!

خونِ دل سے، اسے گلزار بنایا میں نے

اپنے افکارِ جسمانی سے بسایا میں نے

روشِ خلد کا محرم نہ تھا صحرائے حیات

زینت و ذوق سے بیگانہ تھی لیلائے حیات

نکمت و رنگ کا انداز بہتایا میں نے

نغمہ و حسن کا اعجاز سکھایا میں نے

ریشکِ صد طور وارم بن گیا سینائے حیات

تیری دنیا تھی محبت سے سراسر محروم

میں نے یہ دردِ حسین آکے سکھایا اس کو

کیفِ صہبائے غنیم روح بتایا اس کو

ورنہ یہ خاک تھی لذت سے سراسر محروم!

آخری پردہ بھی اک روتا اٹھا ہی دوں گا!

تیری صورت بھی زمانے کو دکھائی دوں گا!

زندگی

زندگی مست ہے اس طاہرِ نواں کی طرح

جو ہوتا ہوا نگرانِ دورِ فضاؤں کی طرف

مہ و خورشید کی زرکارِ ضیاء کی طرف

محوِ نظارہ کبھی زگس حیراں کی طرح

اور کبھی بالِ فشاں بُوئے خیاباں کی طرح

مُسکراتی ہوئی شاداب گھاؤں کی طرف

داوی کدہ کی مستانہ ہواؤں کی طرف

شکستِ گل کدہ و سیلِ بیاباں کی طرح

آرزو اڑنے کی کرتی رہے بے تاب سدا

پر نظر آئے نہ تسکین کا انداز اس کو

یونہی ترسائی رہے حسرتِ پرواز اس کو

نارسائی کی خلش سے رہے بے یخواب سدا

کبھی آرام نہ دے حسرتِ پرواز جسے

اپنا انجام نظر آئے نہ آغاز جسے

اپنی موحوم محبوبہ سے

حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے ڈیڑھ سو سال قبل چین بدر
 لوجوان شہنشاہ دوقی کی حکومت تھی۔ ایک دن یکا یک اُس کی محبوبہ
 لی فوجین کا انتقال ہو گیا۔ شہنشاہ کو اُس کی دائمی مفارقت کا بھد
 صدمہ ہوا۔ اُس نے ملک بھر کے نامور جادو گردوں کو دربار میں حاضر
 ہونے کا حکم دیا اور کہا کہ جس طرح بھی ہو سکے وہ لی فوجین کی روح سے
 اُس کی ملاقات کر ایسے کہتے ہیں کہ جادو گردوں نے سچ پچ ایک پڑھ سکیں
 پر شہنشاہ کی محبوبہ کا عکس دکھا دیا۔ ذیل کی نظم اس سوگوار شہنشاہ
 کی لکھی ہوئی ہے جس کے ایک ایک مصرعہ سے یاس و حسرت ٹپک ہی ہو
 سردار ہٹ ریشمیں ملبوس کی خاموش ہے

فرشِ قصرِ مرمریں کا گرد میں رعب پوش ہے

پائے نازک کی صدا آتی نہیں ایوان سے

شمعِ زرین، خوابِ گہ کی، تیرگی بردوش ہے

بامِ درپردہ برگِ بائے خشک کے انبار ہیں

عینِ گلشنِ غنچہ و گل سے ہتی آغوش ہے

آہ وہ جانِ جہاں دنیا سے رخصت ہو چکی !

دل میں جو تھماں کھٹی، تھماں تریبت ہو چکی !

افکارِ پشستو!

جب التجائے بوسہ کی محبوبہ طناز سے
 ابریشمیں لب ہو گئے چسپیدہ باہم ناز سے
 جیسے کوئی نازک کلی
 نازاں مگر محبوب ہو

محبوبہ شیریں ادا بستر پہ یوں خوابیدہ ہے
 جیسے غزالِ تازنیں مدہوش و آرامیدہ ہے
 پھولوں کی نازک سیج پر
 جو روح کو مرغوب ہو

گر میرا تکیہ بن سکیں وہ بازوئے سیمیں کبھی
 سر کو اٹھاؤں میں نہ پھر اے حنا طرِ غم سنگیں کبھی
 اس حال میں کیا رہ گیا
 مباحشر جو مطلوب ہو



طیور آواہ

اختر شیرانی کے کلام کا چوتھا مجموعہ

چہرہ نما

دیں زمانہ رنہ پیکہ کہ خالی از خلل است

صراحی منے ناب و سفیدہ غزل است

(حافظ شیرازی)

جلوہ آنکھوں پہ چھا گیا کس کا؟

جلوہ آنکھوں پہ چھا گیا کس کا؟
 صورت آنکھوں میں کھپ گئی کس کی؟
 پھر کئی ساری رات آنکھوں میں
 میرے دل سے بھلا گیا سب کچھ
 شوق ہے پھر بھی دیکھنے کا اُسے
 یاد سب کچھ بھلا گئی کس کی؟
 کس سے ملنے کی ہیں یہ تدبیریں؟
 دل میں لی پھر حیا نے چٹکی سی
 شوق، دل میں سما گیا کس کا؟
 نقش دل کو بھلا گیا کس کا؟
 جلوہ پھر یاد آ گیا کس کا؟
 یہ خیال آہ، آ گیا کس کا؟
 شوق، محسنوں بنا گیا کس کا؟
 دھیان سب کچھ بھلا گیا کس کا؟
 دل میں ارماں سما گیا کس کا؟
 لب پہ پھر نام آ گیا کس کا؟

بیٹھے بٹھلائے رو دیئے اختر
 دھیان اس وقت آ گیا کس کا؟

شب کو پہلو میں جو وہ ماہِ سیہ پوش آیا!

شب کو پہلو میں جو وہ ماہِ سیہ پوش آیا
 ہوش کو اتنی خبر ہے کہ نہ پھر ہوش آیا
 بے خودی سمجھی، ہم آغوش ہوئی مجھ سے بہار
 کچھ اس انداز سے وہ یا تمن آغوش آیا

جب نشان تک نہ رہا قبر کا میری باقی

تب مری قبر پہ وہ زُود فراموش آیا

پھول بکھراتا ہوا، نکلتیں برساتا ہوا

وہ سمن رنگ سمن بوے سمن پوش آیا

ماہِ دُنجسم سے کہو، زینتِ کاشانہ بنیں

کہ پھر آغوش میں دُخِ شرتِ آغوش آیا

اُن کا زانو تھا مرا سرِ مرادِ بات اُن کا

بے خودی تیرا بُرا ہو مجھے کب ہوش آیا!

دو گھڑی مل بھی گئی گر غمِ دنیا سے نجات

چٹکیاں بیستا ہوا دل میں غمِ دوش آیا

کس لئے رو دیئے یوں بیٹھے بٹھائے اختر

آج کیا یاد کوئی یادِ منرا موش آیا؟

دلِ دماغ کو رولوں گا، آہ کر لوں گا

دلِ دماغ کو رولوں گا، آہ کر لوں گا

مختارے عشق میں سب کچھ تباہ کر لوں گا

اگر مجھے نہ ملیں تم، مختارے سر کی قسم!

میں اپنی ساری جوانی تباہ کر لوں گا

مجھے جو دیر و حرم ہیں، کہیں جگہ نہ ملی
 ترے خیال ہی کو سجدہ گاہ کر لوں گا
 جو تم سے کر دیا محروم آسمان نے مجھے
 میں اپنی زندگی صرف گناہ کر لوں گا
 ”رقیب“ سے بھی ملوں گا، تمہارے حکم پہ میں
 جواب تلک نہ کیا تھا اب آہ کر لوں گا!
 تمہاری یاد میں، میں کاٹ دوں گا شتر کو دن
 تمہارے ہجر میں راتیں سیاہ کر لوں گا
 ثواب کے لئے ہو جو گنہ وہ عین ثواب
 خدا کے نام پہ بھی اک گناہ کر لوں گا
 سریم حضرت سلمیٰ کی سمت جاتا ہوں
 ہوا نہ ضبط تو چپکے سے آہ کر لوں گا
 یہ تو بہار، یہ ابرو، ہوا، یہ رنگ شراب
 چلو جو ہو سو ہو اب تو گناہ کر لوں گا
 کسی حسینہ کے معصوم عشق میں خستہ
 جوانی کیا ہے میں سب کچھ تباہ کر لوں گا

مستانہ پئے جائو نہی مستانہ پئے جا

مستانہ پئے جا، یونہی مستانہ پئے جا
 کر غرقِ مئے و جام، غمِ گردِ شِ ایام
 مے نوشی کے آداب سے آگاہ نہیں تو
 کشلول ہو یا ساغرِ جم، نشہ ہے یکساں
 اس مکر کی بستی میں ہے مستی ہی سے ہستی
 ہر جام میں رقصاں ہے پریشانِ مستی
 پیما نہ تو کیا چیز ہے، مے خانہ پئے جا
 ہاں اسے دلِ ناکام حکیمانہ پئے جا
 جس طرح کھے ساقی، مے خانہ پئے جا
 شاہانہ پئے جا کہ فہتیرانہ پئے جا
 دیوانہ بن اور بادلِ دیوانہ پئے جا
 آنکھوں سے لگا کر یہ پریشانہ پئے جا

مے خانے کے ہنگامے ہیں کچھ دیر کے مہاں
 ہے صبحِ قریب اختیرِ دیوانہ پئے جا

دل شکستہ حریفِ شباب ہونہ سکا

دل شکستہ حریفِ شباب ہونہ سکا
 کچھ ایسے رحم کے قابل تھے ابتدا ہی سے ہم
 نظر نہ آیا کبھی شب کو اُن کا جلوہ رُخ
 نگاہِ فیض سے محروم، برتری معلوم
 ہے جامِ خالی تو پھیلکی ہو چاندنی کیسی
 یہ مے چھلک کے بھی اُس حُسن کو پہنچ نہ سکی
 یہ جامِ ظرفِ نوازِ شراب ہونہ سکا
 کہ اُن سے بھی ستم بے حساب ہونہ سکا
 یہ آفتاب کبھی ماتِ شباب ہونہ سکا
 ستارہ چمکا مگر آفتاب ہونہ سکا
 یہ سیلِ نورِ ستم ہے شراب ہونہ سکا
 یہ پھول کھل کے بھی اُس کا شباب ہونہ سکا

کسی کی شوخ نوائی کا ہوش تھا کس
 ہوں ترے وصل سے مایوس اس قدر گویا
 وہ پلچھتے ہیں ترے دل کی آرزو کیا ہے
 تلاشِ معنی ہستی میں فلسفہ نہ خسر
 میں ناتواں تو حریفِ خطاب ہونہ سکا
 کبھی جہاں میں کوئی کامیاب ہونہ سکا
 یہ خواب ابائے کبھی میرا خواب ہونہ سکا
 یہ راز آج تلک بے حجاب ہونہ سکا
 شرابِ عشق میں ایسی کشش سی تھی اختر
 کہ لاکھ ضبط کیا اجتناب ہونہ سکا

دلِ مہجور کو تسکین کا سماں نہ ملا

دلِ مہجور کو تسکین کا سماں نہ ملا
 کوہِ گردی میں کٹیں شوق کی کتنی راتیں
 پوچھتے منزلِ سلمے کی خبر ہم جس سے
 یوں تو ہر راہ گزر پر تھے ستارے رقصاں
 شہرِ جاناں میں ہیں مسکنِ جاناں نہ ملا
 پھر بھی اُس شمعِ تمنا کا شہستان نہ ملا
 وادیِ نجد میں ایسا کوئی انساں نہ ملا
 جس کی حسرت بھنی مگر وہ مہِ تاباں نہ ملا
 ڈھونڈتے تھے جیسے وہ سرِ خراماں نہ ملا
 بے خودی کی قسم ایسا کوئی ایوان نہ ملا
 خواب میں بھی ہمیں وہ غنچہ خنداں نہ ملا
 چاندنی رات میں بھی چشمہ جواں نہ ملا
 کھینچتے تازے سے جس کو دہی داماں نہ ملا
 ہائے تقدیر وہ غارت گرایساں نہ ملا
 دلِ مہجور کو تسکین کا سماں نہ ملا
 کوہِ گردی میں کٹیں شوق کی کتنی راتیں
 پوچھتے منزلِ سلمے کی خبر ہم جس سے
 یوں تو ہر راہ گزر پر تھے ستارے رقصاں
 شہرِ جاناں میں ہیں مسکنِ جاناں نہ ملا
 پھر بھی اُس شمعِ تمنا کا شہستان نہ ملا
 وادیِ نجد میں ایسا کوئی انساں نہ ملا
 جس کی حسرت بھنی مگر وہ مہِ تاباں نہ ملا
 ڈھونڈتے تھے جیسے وہ سرِ خراماں نہ ملا
 بے خودی کی قسم ایسا کوئی ایوان نہ ملا
 خواب میں بھی ہمیں وہ غنچہ خنداں نہ ملا
 چاندنی رات میں بھی چشمہ جواں نہ ملا
 کھینچتے تازے سے جس کو دہی داماں نہ ملا
 ہائے تقدیر وہ غارت گرایساں نہ ملا

کون سے یام کو رہ رہ کے نہ دیکھا لیکن ننگہ شوق کو وہ ماہِ حسدِ اماں نہ ملا
درِ جاناں پہ فدا کرتے دل و جاں اختر
دائے برِ حالِ دل و جاں درِ جاناں نہ ملا

بے وفا کو عبث الزامِ جفا دینا تھا

بے وفا کو عبث الزامِ جفا دینا تھا ہم ہی بھولے کر تجھے دل سے بھلا دینا تھا
حُسن و الفت میں نہیں تفرقہ فرود دئی جذبِ کامل کو یہ پردہ بھی اٹھا دینا تھا
مبتلا ہو کے ترے عشق کی سیرستی میں دل سے نقشِ غمِ مہنتی کو مٹا دینا تھا
رہم فرما دے دنیا میں ابھی تک زندہ یہ تماشا بھی کبھی اُن کو دکھا دینا تھا

ہو کے ناکام ہو کس کا رہنے کیوں اختر

یا دِ سخی میں جوانی کو گنوا دینا تھا

دل میں خیالِ نرگسِ جانانہ آگیا

دل میں خیالِ نرگسِ جانانہ آگیا پھولوں سے کھیلتا ہوا دیوانہ آگیا
باؤل کے اُٹھتے ہی سے وہ پیمانہ آگیا بجلی کے ساتھ ساتھ پری خانہ آگیا
مستوں نے اس ادا سے کیا رقصِ نو بہار پیمانہ کیا کہ وجد میں سے خانہ آگیا
اُس چشمِ مے فروش کی تاثیر کیا کہوں آنکھوں تک آج آپ ہی پیمانہ آگیا
معلوم کس کو قیس کی دیوانگی کی شان ہنگامہ سا پیا ہے کہ دیوانہ آگیا

اختر، غضب بھتی عہد جوانی کی داستاں
آنکھوں کے آگے ایک پریشانہ آگیا
جھوم کر اٹھی ہے پھر کہ سارے کالی گھٹا

جھوم کر اٹھی ہے پھر کہ سارے کالی گھٹا
کیسی مستانہ گھٹا ہے، کتنی متوالی گھٹا
دیکھنا کیسا یہ برکھار ت نے جادو کر دیا
ہر کلی بجلی بنی ہے اور ہر ڈالی گھٹا
سبزہ و گل جھومتے ہیں، دشت و گلشن مست ہیں
مے کدے برسا رہی ہے ہو کے متوالی گھٹا
چھائی ہے کس دھوم کو گلزار و کوہ و دشت پر
آہ یہ پہلی گھٹا، رنگیں گھٹا، کالی گھٹا
اُن کی زلف مشکبو کی بو چڑا کر لائی ہے
ورنہ کیوں آتی ہے اتراقی ہوئی کالی گھٹا
سبز مچھل سی نکھی جاتی ہے فرشِ خاک پر
ہر طرف، اہکار ہی ہے کیسی ہریالی گھٹا
دل سے آتی ہیں صدائیں بخودنی شوق میں
میرے سینہ میں سما جائے یہ متوالی گھٹا

اُن کو بھی ہمراہ لے آتی تو کوئی بات تھی
ورنہ اختر سچ یہ ہے کس کام کی کالی گھٹا

وعدہ اُس ماہر و کے آنے کا

وعدہ، اُس ماہر و کے آنے کا
کہہ رہی ہے نگاہِ دُزدیدہ
فترے فترے میں بے حجاب ہیں وہ
حاصلِ عمر ہے شبابِ مگر
چاندنی، خامشی اور آخرِ شب
ہے قیامت ترے شبابِ رنگ
تیری آنکھوں کی ہونہ ہو تقصیر
رہ گئے بن کے ہم سراپا غم
جس کا ہر لفظ ہے سراپا غم
اُس کی بدلی ہوئی نظر، تو بہ!
دیکھتے ہیں ہمیں وہ چھپ چھپ کر
یہ تصیبہ، سیاہ خانے کا!
رُخ بدلنے کو ہے زمانے کا
جن کو دعویٰ ہی منہ چھپانے کا
اک یہی وقت ہے گنوانے کا
آہ کہ ہے وقتِ دل میں آنے کا
رنگ بدلے گا پھر زمانے کا
نام رُسوِ شراب خانے کا
یہ نتیجہ ہے دل لگانے کا
میں ہوں عنوان اُس فسانے کا
یوں بدلتا ہے رُخ زمانے کا
پردہ رہ جائے، منہ چھپانے کا

کر دیا خوگرِ ستمِ اختر
ہم پہ احسان ہے زمانے کا

آرزو و صل کی، رکھتی ہے پریشاں کیا کیا

آرزو و صل کی، رکھتی ہے پریشاں کیا کیا
 کیا بتاؤں کہ مرے دل میں ہیں ارماں کیا کیا
 غم عزیزوں کا، حسینوں کی جدائی دیکھی
 دیکھیں، دکھلائے ابھی گروشِ دوراں کیا کیا
 اُن کی خوشبو ہی فضاؤں میں پریشاں ہر سو
 ناز کرتی ہے ہوائے چنستاں کیا کیا
 دشتِ غربت میں رلاتے ہیں ہمیں یاد آ کر
 اے وطن تیرے گلِ دسنبل دریچاں کیا کیا!
 اب وہ باتیں نہ وہ راتیں نہ ملاقاتیں ہیں
 محفلیں، خواب کی صورت ہوئیں ویراں کیا کیا
 اہی بہارِ گلِ دلالہ، مرے اشکوں کی منسو
 میری آنکھوں نے کھلائے ہیں گلستاں کیا کیا
 ہر کرم اُن کے ستم کا کہ کرم بھی ہے ستم
 شکوے سُن سُن کے وہ ہوتے ہیں پشیاں کیا کیا
 گیسو بھرے ہیں مرے دوش پہ کیسے کیسے
 میری آنکھوں میں ہیں آباد شبستاں کیا کیا

وقتِ ادا دے اے ہمتِ گستاخی شوق شوقِ انداز ہیں اُن کے لبِ خداں کیا کیا
سیرِ گل بھی ہے ہمیں باعثِ وحشتِ اختر
اُن کی اُلفت میں ہوئے چاکِ گریباں کیا کیا

حزین ہے بیکسِ رنجور ہے دل

حزین ہے بیکسِ رنجور ہے دل	محبت پر مگر مجبور ہے دل
تمھارے نور سے مہمور ہے دل	عجب کیا ہے کہ رشکِ طور ہے دل
تمھارے عشق سے مسرور ہے دل	ابھی تک دردِ سی مہمور ہے دل
یہ کس کی مست آنکھیں یا دائیں	کہ اتنا مست ہے مجبور ہے دل
کیا ہے یاد اُس یا دِ جہاں نے	الہی کس قدر مسرور ہے دل
بہت چاہا نہ جائیں تیرے دیر	مگر کیا کیجئے مجبور ہے دل
فقیری میں اسے حاصلِ شادی	تمھارے عشق پر مغرور ہے دل
تیرے جلوے کا جس دن سی مسکن	جوابِ جلوہ گاہِ طور ہے دل

دو عالم کو بھلا دیں کیوں اختر
کہ اُس کی یاد سے مہمور ہے دل

تازہ بتازہ، نو بنو، جلوہ بجلوہ پھلے جا

تازہ بتازہ، نو بنو، جلوہ بجلوہ پھلے جا
 پھولوں میں مسکرائے جا، تارونیں جگمگائے جا
 خواب و خیال کی طرح، آنکھ میں دل میں آئے جا
 آنکھ کو بے قراریاں، دل کو جنوں سکھائے جا
 فتنہ غم جگائے جا، حشرِ ستم اٹھائے جا
 پنچی نظر کئے ہوئے بام پہ مسکرائے جا
 ساقی دہر سے کہو، مستِ شرابِ غم ہیں ہم
 شام و سحر پلائے جا، ظن کو آزمائے جا!
 میں ہوں وہ مست جس کو ہی کیف کی نذر توں کا ذاتی
 شام و سحر کے جام ہیں، شمس و قمر پلائے جا
 ہاں تجھے مجھ سے کیا غرض، میری خوشی سی کیا غرض
 تو تو نگاہ پھیر کر دور سے مسکرائے جا
 دور جہاں سے ساقیا، سر دہوا ہے دل مرا
 برف و شراب کی جگہ، برق و شر پلائے جا
 طور خراب ہو نہ ہو، دید کی تاب ہو نہ ہو
 کوئی جواب ہو نہ ہو، برق نظر گرائے جا

دل کی رگوں میں مطربہ شعلے سے تیرنے لگے
 بس یہی نغمہ گائے جا، بس اسی دھن میں گائے جا
 منزلِ ماہِ دکھکشاں، وسعتِ نیمِ گام ہے
 عشق کی راہ میں یہی نغمہ شوق گائے جا
 تیرے اور اُس کے درمیان تیری خودی جاب ہے
 اپنا نشان کھوئے جا، اُس کا مقام پائے جا
 بھولنے کا خیال بھی ایک طرح کی یاد ہے
 ہم نہ بھلائے جائیں گے، لاکھ ہیں بھلائے جا
 نالہ نیم شب مرا، سُن کے کسی نے دی صدا
 طالبِ لذت بقا، درد کو دل بسائے جا
 دل مرا سر بسر گداز، تیری حیا عدوئے راز
 مجھ سے بھی غبطِ غم نہ ہو تو بھی نظر چرائے جا
 سایہ ابر ہے شباب، حاصلِ زندگی خراب
 سازِ طرب بجائے جا، نغمہ کیف گائے جا
 زندگی دوام کیا، منتِ صبحِ دشام کیا
 عمر ہے مختصر تو ہو، عمرِ طرب بڑھائے جا
 ہاں یونہی مطربہ فراق، نغمہ دردِ اشتیاق
 اس کے تصورات سے سینے کو جگمگائے جا

جام بہ جام، خم بہ خم، غنچہ بہ غنچہ، گل بہ گل
 نکست درنگ لائے جا، نور و طرب پلائے جا
 پردہ ہے عرضِ حال کا، نغمہ و شعر کی زباں
 اخترِ غم نوا اُنھیں اپنی غزل سُنائے جا

کچھ اُڑا لومرہ جوانی کا

کچھ اُڑا لومرہ جوانی کا کیا بھروسہ ہے زندگانی کا
 دھوم ہے اپنے عشق کی گھر گھر حق ادا ہو گیا جوانی کا
 جس کا پردہ ہی اُس کی باتیں ہیں کیا کھلے بھیدِ عمرِ فانی کا
 کوئی لادے زبانِ حال تجھے شکوہ کرنا ہے بے زبانی کا
 دن کو آہیں ہیں رات کو آنسو عشق ہے کھیل آگ پانی کا

وہ جفا ہو کہ ہو وقتِ اختہ

شکر ہے اُن کی مسربانی کا

کچھ تو تہنائی کی راتوں میں سہارا ہوتا

کچھ تو تہنائی کی راتوں میں سہارا ہوتا
 کم نہ ہوتے نہ سہی، ذکرِ محفّار ہوتا
 ترک دنیا کا یہ دعوے ہے فضول اے زاہد

بارِ ہستی تو ذرا سر سے اُتارا ہوتا

وہ اگر آنہ سکے ، موت ہی آئی ہوتی

ہجر میں کوئی تو غمِ بخوار ہمارا ہوتا

زندگی کتنی مسرت سے گزرتی یا رب

عیش کی طرح اگر غم بھی گوارا ہوتا

عظمتِ گریہ کو کوتاہ نظر کیا سمجھیں؟

اشک اگر اشک نہ ہوتا تو ستارا ہوتا

لبِ زابد پہ ہے انسانہ ، حورِ جنت

کاش اس وقت مرا انجمن آکر ہوتا

غمِ الفت جو نہ ملتا ، غمِ ہستی ملتا

کسی صورت تو زمانے میں گزارا ہوتا

کس کو فرصت تھی زمانے کے ستم سہنے کی

گر نہ اُس شوخ کی آنکھوں کا اشارہ ہوتا

کوئی ہم درو زمانے میں نہ پایا اختِ سر

دل کو حسرت ہی رہی کوئی ہمارا ہوتا

ہزار بزمِ ہیلے مرگِ نیم شبی است

ہزار بزمِ ہیلے مرگِ نیم شبی است ہنوز مطرب اسیرِ نوائے نیرِ لبی است

زبانِ شوق و گناہِ بیاں پہ بوالعجبی است
 غرورِ عشق گدازِ مجالِ شکوہ و داد
 پہ طورِ مضبوط کند رازِ ربطِ پنہاں را
 زد و ستانِ منافق مدادِ چشم و قفا
 دو چیز آں کہ جوان است و ہم جوان سازد
 شہادتے است برآئینِ اختصاصِ کرم
 ہنوز مطرب اسیرِ نوائے زیرِ لبی است
 ستارہٴ سیرِ مژگانِ دعائے نیم شبی است
 نگاہِ شوق کہ مستِ ادائے بے ادبی است
 میانِ پیکرِ اسلام روحِ بولہبی است
 نگاہِ شوخ و فسون ساز و باؤغی است
 جھلے دست کہ آئینہٴ وفا طلبی است

جوابِ شعرِ گرامی نوشتہ ام اختر
 "اگرچہ عرضِ ہنر ہمیش یارِ بے ادبی است"

آتی ہے جھومتی ہوئی بادِ بہارِ عید!

آتی ہے جھومتی ہوئی بادِ بہارِ عید

مستِ طرب ہے آج ہر اک میگسارِ عید

لایا ہلالِ مژدہ بے اختیارِ عید

شکرِ خدا کہ پھر منظرِ آتی بہارِ عید

دنیا سرور و نور کی موجوں میں غرق ہے

کس درجہ جاں فزا ہے نسیمِ بہارِ عید

کوثرِ لٹاتی آتی ہیں مستانہ بدلیاں

ہاں تشنہ لب رہے نہ کوئی میگسارِ عید

رحم اے ہوائے صبح، غریب الوطن ہیں ہم
ہم کو سنا نہ مژدہ بے اختیار عید

معصوم بچے جاگتے ہیں کس خوشی سے آج
گویا کہ ہیں ملکِ شب زندہ دارِ عید

بچھڑی ہوئی ہیلیاں یوں ملتی ہیں گلے
ہو جس طرح کہ عید کوئی ہمکنارِ عید

ان کی طرف گزر ہو تو کہہ دینا اے نسیم
کرتا تھا یاد آج کوئی سو گوارِ عید

کیا ظلم ہے کہ عید پہ بھی تو خبر نہ لے
”عمرت دراز باد فراغِ شش گاہِ عید“

خلقِ خدا ہے خوش تو ہمیں کیا ہوا کرے
ہم خستہ جاں تو، بحر میں ہیں دلِ فگارِ عید

اختیار کا ہر تبسمِ عریاں فریب ہے
اس پرودہ طرب میں نہاں ہو مزارِ عید

گلزارِ جہاں میں گل کی طرح گو شاد ہیں ہم شاد اب ہیں ہم!

گلزارِ جہاں میں گل کی طرح گو شاد ہیں ہم شاد اب ہیں ہم
کہتی ہے یہ مہنس کر صبح خزاں سب نازِ عبث اک خواب ہیں ہم

کس ماہ لقا کے عشق میں یوں بے چین ہیں ہم بے تاب ہیں ہم
 کرفوں کی طرح آوارہ ہیں ہم، تاروں کی طرح بے خواب ہیں ہم
 مٹ جانے پر بھی مسرور ہیں ہم، مرجھانے پر بھی شاداب ہیں ہم
 تپہ ہائے شباب و عشق کا اک بھولا ہوا رنگیں خواب ہیں ہم
 فطرت کے جمال رنگیں سے، ہم نے ہی اٹھائے ہیں پٹے
 بربط ہے اگر فردوس جہاں اس کے لئے اک مضراب ہیں ہم
 خوش وقتی ہے و چراغ و الم، گلزار جہاں میں لے ہم دم
 طائر نہ پکاریں شاد ہیں ہم، غنچے نہ کہیں شاداب ہیں ہم
 ملنے پہ گرائیں کوئی مکاں خالی نہیں اپنے جلوؤں سے
 اور گوشہ نشین ہو جائیں اگر، کمیاب نہیں نایاب ہیں ہم
 دو دن کے لئے ہم آئے ہیں، اک شب کی جوانی لائے ہیں
 فردوس سرائے، مستی میں ہم رنگ گل ہنساب ہیں ہم
 رسوائی شعر و عشق نے وہ رتیبہ ہمیں اختیار بخشا ہے!
 فخر دکن و بنگال ہیں ہم، ناز اودھ و پنجاب ہیں ہم

لیلیٰ، عشق کو درکار ہیں دیوانے چند

لیلیٰ، عشق کو درکار ہیں دیوانے چند
 نجد میں پھر نظر آنے لگے ویرانے چند

اللہ تری آنکھوں کا پھلکتا ہوا کیف
 جیسے مستی میں الٹ دے کوئی پیمانے چند
 اب بھی آغازِ جوانی کے فسانے ہیں یاد
 اب بھی آنکھوں میں ہیں آباد پری خانے چند
 چٹکیاں لینے لگا دل میں نشاِ طفلی
 آج یاد آگئے بھولے ہوئے افسانے چند
 دل کہیں رازِ محبت کو نہ کر دے افشا
 آج محل میں نظر آتے ہیں بیگانے چند
 بجلیاں کالی گھٹاؤں میں ہیں یوں آوارہ
 جیسے کہسار پہ رقصاں ہوں پری خانے چند
 کیا کہوں کیا ہے خدا اور مذاہب کا ہجوم
 اک حقیقت پہ ہیں پھائے ہوئے افسانے چند
 حافظ و بیدل و خیام ہوں یا غالب و میر
 بادۂ شعر کے ہیں بس یہی ستارے چند
 بزمِ ہستی سے نکالے گئے اختر کیا جلد
 ابھی پینے بھی نہیں پائے تھے پیمانے چند

پھر ستاتی ہے ہمیں گزری ہوئی راتوں کی یاد!!!

پھر ستاتی ہے ہمیں گزری ہوئی راتوں کی یاد!
آہ اُن راتوں کی یاد، اُن پیار کی باتوں کی یاد!

رات کے پردوں میں چھپ چھپ کر جو ہوتی تھیں کبھی
چٹکیاں لیتی ہے دل میں ان ملاقاتوں کی یاد
اب بھی آکر گدگدا جاتی ہے بزمِ شوق کو
سایہ گیسو میں شرمانی ہوئی راتوں کی یاد

لہلہا اٹھتی ہے سینے میں بہارِ بے خودی
جب کبھی آتی ہے اُن رنگین برساتوں کی یاد
سینے میں دردِ فراق آنکھوں میں جوشِ اشتیاق
اب بھی تر پاتی ہے اُن غمگین مناجاتوں کی یاد

عشق کی شادابیوں سے جو مہکتی تھیں کبھی
دل میں لہراتی ہے پھر اُن چاندنی راتوں کی یاد
کیا کہیں کس طرح سے خستہ رلاتی ہے ہمیں!
عشق کی راتوں کی، باتوں کی، ملاقاتوں کی یاد

نکبت زلف سے نیندوں کو بسا دے اگر

نکبت زلف سے نیندوں کو بسا دے اگر
فکرِ فردا و غمِ دوش، بھلا دے اگر
عشق کو نغمہ آمیز بنا دے اگر
کس قدر تیرہ و تار یکساں دنیائے حیات
عشق کی چاندنی راتیں مجھے یاد آتی ہیں
زندگی بن کے مرے دل میں سما جائیگی
آگ سی دل میں لگا جاتا ہے تیرا ہر خط
تیری فرقت میں میرے شعر ہیں کتنے غمگین
پھر وہی ہم ہوں، وہی دن ہوں، وہی باتیں ہوں
شوقِ نادیدہ میں لذت ہے مگر ناز نہیں
شرابِ فرقت پہ مری ہنستے ہیں اکھنڈ نور
تشنہِ سخن ہوں اے ساقی، میخانہِ سخن
کب تک رولقِ شام اودھ آماہِ رواں؟
ہو چکی سیرِ بہاراں کدہِ قیصرِ باغ
گوشتی دیکھ چکی جلوۂ عارض کی بہار
تیرا دمانِ نیا خواب ہے اختر کے لئے

میری جاگی ہوئی راتوں کو بسا دے اگر
پھر اسی ناز سے دیوانہ بنا دے اگر
دل کی سوئی ہوئی قسمت کو جگا دے اگر
جلوۂ حسن سے اک شمع جلا دے اگر
عمرِ رفتہ کو مری مجھ سے ملا دے اگر
موت اک پردہ ہی یہ پردہ اٹھا دے اگر
آمرے خرمین ہستی کو جلا دے اگر
مُسکراتی ہوئی منظرِ دل سے ہنسا دے اگر
عہدِ رستہ کو پھر آئینہ دکھا دے اگر
آمرے عشق کو مغرور بنا دے اگر
میرے قدموں پہ ستاروں کو گرا دے اگر
اپنے ہونٹوں سے پھر اک جامِ بلا دے اگر
شامِ لاہور کو بھی صبح بنا دے اگر
باغِ لائس میں بھی ٹھول کھلا دے اگر
سطحِ راوی کو بھی آئینہ بنا دے اگر
آبادِ بس خواب کی تعبیر بنا دے اگر

غم خانہ ہستی میں ہیں ہماں کوئی دن اور!

غم خانہ ہستی میں ہیں ہماں کوئی دن اور

کر لے ہمیں تقدیر پریشاں کوئی دن اور

مر جائیں گے جب ہم تو بہت یاد کرے گی

جی بھر کے ستارے شب ہجراں کوئی دن اور

نڈیت وہ جگہ ہے کہ جہاں غم ہے نہ حیرت

حیرت کدہ غم میں ہیں حیراں کوئی دن اور

یاروں سے گلہ ہے نہ عزیزوں سے شکایت

تقدیر میں ہے حسرت و صرماں کوئی دن اور

پامال خزاں ہونے کو ہیں مست بہار میں!

ہے سیر گل و حسن گلستاں کوئی دن اور

ہم سانہ ملے گا کوئی غم دوست جہاں میں

تر پا لے غم گردش دوراں کوئی دن اور

قبروں کی جوراتیں ہیں وہ قبروں میں کٹیں گی!

آباد ہیں یہ زندہ شبستاں کوئی دن اور

رنگینی و نرہرت پہ نہ مغرور ہو بلبل

ہے رنگ بہار چنستاں کوئی دن اور

آخر کو وہی ہم، وہی ظلماتِ شبِ غم!
 ہے نورِ سرخ ماہِ درخشاں کوئی دن اور
 آزاد ہوں عالم سے، تو آزاد ہوں غم سے
 دنیا ہے ہمارے لئے زنداں کوئی دن اور
 ہستی کبھی قدرت کا اک احسان تھی، ہم پر
 اب ہم پہ ہے قدرت کا یہ احساں کوئی دن اور
 لعنت تھی گناہوں کی ندامت مرے حق میں
 ہے شکر کہ اس سے ہیں پشیمان کوئی دن اور
 شیون کو کوئی خلدِ بر میں یہ خبر دے
 دنیا میں اب اختر بھی ہے ہماں کوئی دن اور

شعر میں ذکر کسی کا دلِ ناکام نہ کر!

شعر میں ذکر کسی کا دلِ ناکام نہ کر
 ہر ہوس پیشیہ ہو جائے نہ الفت کا گماں
 ہر قدم آگے بڑھے ہمتِ مردانہ دل
 جس نے خود عشق کا آغاز کیلئے یارب
 کوئی ہمدرد ہو کیسے کسی کمزور ہی کا!
 حشر میں ملنے کی اُمید تھی وہ بھی نہ ہی
 اُس نے لکھا ہے کہ یوں تو ہمیں بدنام نہ کر
 اپنے الطاف کو اور جانِ جہاں عام نہ کر
 عشق کی ماہ میں شکرِ سحرِ شام نہ کر
 کاش یہ بھی وہی کہہ دے غمِ انجام نہ کر
 دلِ ناداں گلہ گر دُشسِ اتیام نہ کر
 وہ یہ کہتی ہیں کہ ناحق طبعِ خام نہ کر

غیبتِ حسن کو منظور نہیں رسوائی
 آج ہی آج کے دم سے ہے بہارِ ہستی
 ناز سے کیسوں نے ستمی پہ بڑھا ہاتھ خستہ
 ضبطِ اے عشق! اس فسانے کو یوں عام نہ کر
 فکرِ فدائے کر، اندیشہِ انجام نہ کر
 یوں گدا یا نہ تماثلے لبِ بام نہ کر

سوزِ پھر چھیرتا ہے روح کا ساز

سوزِ پھر چھیرتا ہے روح کا ساز
 دل نے کھائے بہت فریبِ مجاز
 قبر پہ آیا ہے وہ پیکرِ ناز
 زندگی کی حقیقت آہ نہ پوچھ
 آہ! اے عمرِ رفتہ تنہا ہوں!
 آہ! اے عمرِ رفتہ تنہا ہوں!

آج کہتے ہیں مر گیا خستہ!
 آہ! وہ عشقِ پیشہ شعرِ طراز!

نگہِ شوق ہے زبانِ خموش!

نگہِ شوق ہے زبانِ خموش
 خوابِ نوشیں میں ہو وہ جانِ بہار
 آہ وہ جذبِ دل کی پہلی نگاہ
 تم کو اختر بھی یاد آتا ہے!
 عشقِ رسوا کی داستانِ خموش
 نورِ ذہنت کی داستانِ خموش
 وہ محبت کی چستانِ خموش
 کھویا کھویا سا وہ جوانِ خموش

ہر ذرہ اس کے حسن سے روشن ہے آج کل!

ہر ذرہ اس کے حسن سے روشن ہے آج کل

امرتسر ایک دادی ایمن ہے آج کل!

اس حسن بے پناہ نے بے خانماں کیا

جو رہنما تھا عشق میں نہ ہرن ہے آج کل!

جس آستان کو سجدہ پرویں بھی بار تھا

وہ آستان جہیں کاشمین ہے آج کل!

راتوں پہ چاندنی ہے، فضا پر بہار ہے

وحشت ہے، ہم ہیں، دامن گلشن ہے آج کل!

ہر گام پر سرورِ ابد کی تجلیاں!!

عالم تمام عالم ایمن ہے آج کل!

پھر بونے گل سے آتی ہے اس گل بدن کی بو

پھر دل میں بے خودی کاشمین ہے آج کل!

بعد از غم بدائی عذرا مرے لئے!

یادِ زبور و ماتم شیون ہے آج کل!

پیرِ فلک نے عیش کے بدلے دیا ہے غم

جو دوست تھا کبھی وہی دشمن ہے آج کل!

چشمِ قمر کو بھی مرے خوابوں پہ رشک ہے !

پیشِ نظر ترا سبجِ روشن ہے آج کل !

کس نو بہارِ ناز نے جلوہ دکھا دیا

لبسِ ریزِ گلِ نگاہ کا دامن ہے آج کل !

اپنے نیاز پر مجھے پھر ہو چلا ہے ناز !

اک مدِ جبیں کے سینے میں مسکن ہے آج کل !

پھر خُسلد بن گئی ہے خدائی مرے لئے

اک حور و شس کے دل میں نشمین ہے آج کل !

اخترِ پھرے نہ کس لئے آوارہ سایہاں !

امرِ ترسِ پری کا نشمین ہے آج کل !

اُدبے پر وہ تہیں جلوۂ پنہاں کی قسم !

اُدبے پر وہ تہیں جلوۂ پنہاں کی قسم !

ہم نہ پھیڑیں گے ہمیں زلفِ پریشاں کی قسم !

چاکِ داناں کی قسم، چاکِ گریباں کی قسم !

ہنسنے والے سب تھے اس حالِ پریشاں کی قسم !

میرے ارمان سے واقف نہیں شرایین گے آپ !

آپ کیوں کھاتے ہیں ناحق مرے اریاں کی قسم !

نہیں آئی نہ کبھی تجھ سے بچھڑ کر ظالم!
اپنی آنکھوں کی قسم، تیرے شبستاں کی قسم!

لبِ جانناں پہ فدا، عارضِ جانناں کے نثار
شامِ رنگیں کی قسم، صبحِ درخشاں کی قسم
آج تک صبحِ وطن یاد ہے ہم کو خستہ
دردِ ہجراں کی قسم، شامِ غریباں کی قسم!

یقین وعدہ نہیں، تابِ انتظار نہیں!

کسی طرح بھی دل زار کو قرار نہیں!
کہ زیبِ دوش وہ گیسوئے مشکبار نہیں
شہیم حور ہے یہ بومے نو بہار نہیں!
کہاں کہاں مری امید کا مزار نہیں!
یہ وہ خزاں ہے کہ شرمندہ بہار نہیں
”کہ زندہ گی کا، برنگِ گل اعتبار نہیں“
فضا میں بالِ فشاں، ایرِ نو بہار نہیں!
سحر سے کہہ دو کہ محفل میں آج بار نہیں
خزاں یہ ہے تو مجھے حسرتِ بہار نہیں
”کہ اس جوانی فانی کا اعتبار نہیں!“

یقین وعدہ نہیں، تابِ انتظار نہیں!
شبوں کو خواب نہیں، خواب کو قرار نہیں
کلی کلی میں سمائی ہے نکہتِ سلمے!
کہاں کہاں نہ ہوئے ماہر و جدا مجھ سے
غموں کی فصل، ہمیشہ رہی تروتازہ
بہار آئی ہے، ایسے میں تم بھی آ جاؤ
کسی کی زلفِ پریشاں کا سایہ رقصاں ہے
ستارہ وار وہ پہلو میں آگئے شب کو
گلِ فسردہ بھی اک طرفہ حسن رکھتا ہے
ہر ایک جامِ پیہ نغمہ حسرت میں ساقی!

خدا نے بخش دیئے میرے دل کو غم اتنے
چمن کی چاندنی راتیں ہیں کس قدر دیراں
کہ اب میں اپنے گناہوں پہ شرمسار نہیں
کہ اس بہار میں وہ ماہِ فوہسار نہیں
شریکِ سوز ہیں پر دانے شمع کے ختر
ہمارے دل کا گر کوئی نغمہ سار نہیں

یار واکوئے یار کی باتیں کرو!

یار واکوئے یار کی باتیں کریں
چاندنی میں اے دل اک اک پھول سے
آنکھوں آنکھوں میں لٹائے میکدے
اب تو ملے بس لڑائی ہو چکی
پھر جہک اٹھے فضاے زندہ گی
محشرِ انوار کر دیں بزم کو
اپنی آنکھوں سے بہائیں سیلِ اشک
اُن کو الفت ہی سہی اغیار سے
پھر گل و گلزار کی باتیں کریں
اپنے گلِ خسار کی باتیں کریں
دیدہ سرشار کی باتیں کریں
اب تو چلئے پیار کی باتیں کریں
پھر گلِ رخسار کی باتیں کریں
جسوتہ دیدار کی باتیں کریں
ابر کو ہر بار کی باتیں کریں
ہم سے کیوں اغیار کی باتیں کریں؟

اختر اس رنگین اداسے رات بھر!
طالع بیمار کی باتیں کریں

عید آئی ہے اکہ سانی، عید کا سماں کریں!

عید آئی، اکہ سانی، عید کا سماں کریں
دن ہے قربانی کا، ہم بھی توبہ کو قرباں کریں

میکدے کے بام پر چڑھ کر اذان شوق دیں
مست ہیں یوں پیروئی شیوہ ایماں کریں

انجسم و گل سے کریں آراستہ بزم طرب
ساغر ناپید کو اس بزم میں رقصاں کریں

ناز ہے زاہد کو جس زہر ریائی پر، اُسے
ہوشانِ سیکرہ کے سامنے عریاں کریں

صحنِ مے خانہ نہیں، یہ عید گاہ شوق ہے
دھوم سے رندو، نماز شوق کا سماں کریں

جس کو سن کر وحید میں آجائے دیوارِ حرم!
میکدے میں آج ہم اُس راز کو عریاں کریں

پھر لبِ مینا سے چمکائیں رسیلی بجلیاں!
پھر متابعِ غم کو نذرِ شعلہ عسریاں کریں

ایک جانب غنچہ افشاں ہو پھراغاں کی بہار
ایک جانب آتشیں گل کو شرِ افشاں کریں

اک طرف تازہ کریں ہنگامہ ہائے ناؤ نوش
اک طرف برپا سرودِ نغمہ کے طوفان کریں

لالہ و گل سے چھپا دیں ساغر و پیمانہ کو!
یوں عروسِ بادہ کی تزیین کا ساں کریں

ہے گراں غم خانہ ہستی میں ذوقِ بے خودی
غم کے خم چھلکا کے ہم اس ذوق کو ارزاں کریں

نازنیناں حرم کی یاد میں اک شوخ کو
فرش گلہائے بہار آلودہ پر رقصاں کریں
منزلِ جاناں تک اخترِ ہم پہنچ ہی جائیں گے
پہلے اپنی جاں کو تو خاکِ رہ جاناں کریں

محبت کی دنیا میں مشہور کر دوں

مرے سادہ دل تجھ کو مغرور کر دوں!	محبت کی دنیا میں مشہور کر دوں
تجھے اس قدر غم سے رنجور کر دوں!	ترے دل کو ملنے کی خود آرزو ہو
جو تو پاس ہو تو اسے ددِ کر دوں!	مجھے زندگی دور رکھتی ہے تجھ سے
کبھی سامنا ہو تو مجبور کر دوں!	محبت کے اقرار سے شرم کب تک
میں چاہوں تو ہر ذرے کو طور کر دوں!	مرے دل میں ہے شعلہٴ احسن بفتہاں
ادھر آتے عیش میں چور کر دوں!	جیسے رنگیاں کب تک اسے احسن رنگیں

تو گر سامنے ہو تو میں بے خودی میں ستاروں کو سجدے پہ مجبور کر دوں!
 سیہ خانہ غم ہے ساقی، زمانہ بس اک جام اور نوری نور کر دوں!
 نہیں زندگی کو فنا در نہ خستہ!
 محبت سے دنیا کو معمور کر دوں

تمناؤں کو زندہ آرزوؤں کو جواں کر لوں !!!

تمناؤں کو زندہ، آرزوؤں کو جواں کر لوں

یہ شرمیلی نظر کہہ دے تو کچھ گستاخیاں کر لوں
 بہار آئی ہے ببل در و دل کہتی ہے پھولوں سے

کہو تو میں بھی اپنا دردِ دل تم سے بیاں کر لوں
 ہزاروں شوخ ارماں لے رہے ہیں چٹکیاں دل میں

حیا اُن کی اجازت لے تو کچھ بے باکیاں کر لوں
 کوئی صورت تو ہو دنیا سے فانی میں پہلنے کی!

نہر جا اے جوانی! ماتمِ عمرِ ریواں کر لوں
 چمن میں ہیں بہم، پروانہ و شمع و گل و ببل!

اجازت ہو تو میں بھی حالِ دل اپنا بیاں کر لوں
 کسے معلوم کب، کس وقت، کس پر گر پڑے بجلی!

ابھی سے میں چمن میں چل کر آباد آشاں کر لوں!

Gulzar Hameed
M.A.
Kashmir University
Srinagar



برائیں حسرتیں کیا کیا، اگر موت اتنی فرصت دے
 کہ اک بار اور زندہ شیعہ عشق جواں کر لوں
 مجھے دونوں جہاں میں ایک وہ مل جائیں گراختر
 تو اپنی حسرتوں کو بے نیاز دو جہاں کر لوں

ہمارے ہاتھ میں کب ساغر شراب نہیں

ہمارے ہاتھ میں کب ساغر شراب نہیں ؟
 ہمارے قدموں پہ کس روز ماہتاب نہیں
 جہاں میں اب کوئی صورت پئے ثواب نہیں !

وہ مے کدے نہیں، ساقی نہیں، شراب نہیں
 شب بہار میں زلفوں سے کھیلنے والے

ترے بغیر، مجھے آرزوئے خواب نہیں
 چمن میں بلبلیں اور انجن میں پروانے

جہاں میں کون غم عشق سے خراب نہیں
 سکوتِ حسن کے لب پہ ہیں ستیاں گویا

بہار جاگ رہی ہے، وہ محو خواب نہیں

دہی میں وہ، دہی ہم ہیں، وہی تمنا ہے

الہی کیوں تری دنیا میں انقلاب نہیں

ہے شام و صبح سے بیگانہ غم کہہ دل کا!
 چراغِ ماہ نہیں، شمعِ آفتاب نہیں
 شبابِ مٹ چکا، یادِ شباب باقی ہے
 ہے بوشِراب کی، ساغر میں اب شراب نہیں
 سنایہ نغمہ ستاروں کی چھاؤں میں مطرب
 کہ رات بھر کی ہے اک روشنی، شراب نہیں
 دریکچہ مر و انجم سے بھانکنے والے
 ہوئی ہے عمر کہ میں آشنائے خواب نہیں
 غمِ آہِ عشق کے غم کا کوئی نہیں موسم
 بہار ہو کہ خزاں کب یہ اضطراب نہیں!
 حرمِ عرش کے سینے سے آ رہی ہے صدا
 کہ اہلِ دل کی جگہ، عالمِ خسراب نہیں
 امید پرکشش احوال ہو تو کیوں کر ہو
 سلام کا بھی ترمی بزم میں جواب نہیں

بجھاسار ہوتا ہے دلِ حب سے ہر وطن سے جدا
 وہ سخنِ باغ نہیں، سیرِ ماہتاب نہیں!

لے ہوئے ہیں نگاہوں میں وہ حسیں کوچے
 ہر ایک ذرہ جہاں کم ز آفتاب نہیں
 وہ باغ و راغ کے دلچسپ و دلنشیں منظر
 کہ جن کے ہوتے ہوئے خلد مثل خواب نہیں
 وہ جو تبار رواں کا طرب فزا پانی!
 شراب سے نہیں کچھ کم اگر شراب نہیں
 برنگ زلف، پریشاں، وہ موجہائے رواں
 کہ جن کی یاد میں راتوں کو فکر خواب نہیں
 سمار ہے ہیں نظر میں وہ ہوشانِ حرم
 حرم میں جن کے ستارے بھی باریاب نہیں
 وطن کا پھیر دیا کس نے تذکرہ آہستہ
 کہ چشم شوق کو پھر آرزوئے خواب نہیں

وہ کہتے ہیں رنجش کی باتیں بھلا دیں

وہ کہتے ہیں، رنجش کی باتیں بھلا دیں
 غم و راور ہمارا غرورِ محبت
 محبت کر یں خوش رہیں مسکرا دیں
 جوانی ہو گر جادو دانی تو یارِ ب
 شبِ وصل کی بخودی چھا رہی ہے
 مہ و مہر کو ان کے در پر چھکا دیں
 تری سادہ دُنیا کو جذبت بنادیں
 کہو تو ستاروں کی شمعیں بجھا دیں

بہار میں مٹ آئیں کھل جائیں کلیاں
عبادت ہے اک بیخودی سے عبارت
وہ آئیں گے آج لے بہارِ محبت
بنانا ہے مٹ تلخی مے سے زائد
جنہیں عمر بھر یاد آنا سکھایا
تم افسانہ قیاس کیا پوچھتے ہو!
یہ بے درویاں کب تک اک دردِ غربت
وہ مستیاں بخش لے رشکِ شیریں
ترے وصل کی بے خودی کہہ ہی ہے

جو ہم تم چمن میں کبھی مسکرا دیں
حرم کو مٹے مشک بو سے بسا دیں
ستاروں کے بستر پہ کلیاں بچھا دیں
تجھے باغِ رضواں سے کوثرِ منگا دیں
وہ دل سے تری یاد کیونکر بھلا دیں
ادھر آؤ! ہم تم کو لے لے بنا دیں
بتوں کو پھر ارضِ حرم میں بسا دیں
کہ خسر و کو خوابِ عدم سے جگا دیں
خدائی تو کیا ہم خدا کو بھلا دیں

انہیں اپنی صورت پہ یوں ناز کب تھا!

مرے عشقِ رسوا کو اخستہ دعا دیں

کس کی آنکھوں کا لئے دل پہ اثر جاتے ہیں

کس کی آنکھوں کا لئے دل پہ اثر جاتے ہیں

مے کرے ہاتھ بڑھاتے ہیں جدھر جاتے ہیں

دل میں ارمان وصال، آنکھ میں طوفانِ جہاں

ہوشِ باقی نہیں جانے کا مگر جاتے ہیں

بھولتی ہی نہیں دل کو تری ستا نہ نگاہ !
 ساتھ جاتا ہے یہ مے خانہ جدھر جاتے ہیں
 پس بانانِ حیا کیا ہوئے اے دولتِ حسن ؟
 ہم چھا کر تری دزدیکِ نظر جاتے ہیں
 پششِ دل تو کجا یہ بھی نہ پوچھا اُس نے
 ہم مسافرِ کدھر آئے تھے کدھر جاتے ہیں
 چشمِ حیراں میں سمائے ہیں یہ کس کے جلوے
 طور ہر گام پہ رقصاں ہیں جدھر جاتے ہیں
 جس طرح بھولے مسافر کوئی سا ماں اپنا
 ہم یہاں بھول کے دل اور منظر جاتے ہیں
 کتنے بے درد ہیں اس شہر کے رہنے والے
 راہ میں پھین کے دل کہتے ہیں گھر جاتے ہیں
 اگلے وقتوں میں لٹا کرتے تھے رہرو اکثر
 ہم تو اس عہد میں بھی لٹ کے گر جاتے ہیں
 فیضِ آباد سے پہنچا ہمیں یہ فیضِ خستہ
 کہ جگر پر لئے ہم داغِ جگر جاتے ہیں



عمر بھر کی تلخ بیداری کا ساماں ہو گئیں

عمر بھر کی تلخ بیداری کا ساماں ہو گئیں!
ہائے وہ راتیں کہ جو خواب پریشاں ہو گئیں

میں فدا اس چاند سے چہرے پہ جس کے نور سے
میرے خوابوں کی فضا میں، یوسفستاں ہو گئیں

عمر بھر کم سخت کو پھر نیند آ سکتی نہیں
جس کی آنکھوں پر تڑی زلفیں پریشاں ہو گئیں

دل کے پر دوں میں تھیں جو جو حسرتیں پر وہ نشیں
آج وہ آنکھوں میں آنسو بن کے عریاں ہو گئیں

کچھ تجھے بھی بے خبر اوسونے والے ناز سے
میری راتیں لٹ گئیں، نیندیں پریشاں ہو گئیں

ہائے وہ مایوسیوں میں میری اُمیدوں کا رنگ
جوستاروں کی طرح اٹھ اٹھ کے نہاں ہو گئیں

بس کرو، اومیری رونے والی آنکھوں بس کرو!
اب تو اپنے ظلم پر وہ بھی شبیہاں ہو گئیں

آہ، وہ دن، جو نہ آئے پھر گزر جانے کے بعد
ہائے وہ راتیں کہ جو خواب پریشاں ہو گئیں

گلشنِ دل میں کہاں اختر وہ رنگِ لبہاں !
آرزوئیں چن کر کھلیاں تھیں پریشاں ہو گئیں

جو بہاروں میں نہاں رنگِ خزاں دیکھتے ہیں

جو بہاروں میں نہاں رنگِ خزاں دیکھتے ہیں
دیدہٴ دل سے وہی سیرِ جہاں دیکھتے ہیں
ایک پردہ ہر غموں کا جسے کہتے ہیں خوشی
ہم تبسم میں نہاں اشکِ رواں دیکھتے ہیں
دیکھتے دیکھتے کیا رنگِ جہاں نے بدلے
دیدہٴ اشک سے نیرنگِ جہاں دیکھتے ہیں
رات ہی رات کی جہاں تھی بہارِ رنگیں !
پھر وہی صبح ، وہی جو بہارِ خزاں دیکھتے ہیں
ہر سرت ہے غمِ تازہ کی تہیدِ دل
نغمہٴ شوق میں آثارِ فغاں دیکھتے ہیں
دل میں جینے کی تمنا نہیں باقی خستہ
کوئی دن اور تماشا لئے جہاں دیکھتے ہیں



ناحق نہ دردِ عشق کی ہمدردا کریں !

ناحق نہ دردِ عشق کی ہمدردا کریں
 شکوے سے کی ہے نامہ الفت کی ابتدا
 الزام پار سانی نہ آئے، شباب میں
 پچھلا پہر ہے، چاندنی تھٹکی ہو باغ میں
 وہ کیا ملا کہ دونوں جہاں مل گئے ہمیں
 بے تاب ہو کے سامنے آئیں گے خود کبھی
 تاحشر یہ غلش نہ مٹے، یہ دعا کریں
 جی چاہتا ہے آج پھر ان کو خفا کریں
 جو پار سا ہوں، وہ مرے حق میں دعا کریں
 ایسے میں آپ آ نہیں سکتے ہیں کیا کریں؟
 اب اس کی بارگاہ میں ہم کیا دعا کریں؟
 پھینکے کو ہم سے لاکھ ابھی وہ چھپا کریں

ختر نہیں ہے دردِ محبت کا کچھ علاج !
 ہو کوئی اور درد تو نیشہ روا کریں !

لے آئے انقلابِ سپہر بریں کہاں؟

لے آئے انقلابِ سپہر بریں کہاں؟
 اللہ ہم کہاں، وہ ثریا جہیں کہاں؟
 درہے نہ آستان، نہ حرم ہے نہ بُتکدہ
 یارب محلِ پُرمی ہے ہمارے کجہیں کہاں؟
 سورج کی سب سے پہلی کرن خوشنما سہی
 لیکن ترمی نظر کی طسرح دل نشیں کہاں؟

دامن کشیں نظر ہے کسی کا حرمِ ناز
 دنیا میں آگئی یہ بہشت بریں کہاں ؟
 آنکھوں نے ذرے ذرے پہ سجائے ہیں
 کیا جانے جا چھپا مرا پر وہ نشیں کہاں ؟
 کوثرِ پلا کے ہم سے نہ حویریں کر میں مذاق
 ہم زندِ تلخ نوش کش کہاں ، انگبین کہاں ؟
 زاہد ترمی بہشت میں حویریں سہی مگر
 ہم جس کو چاہتے ہیں وہ زہرہ جیں کہاں ؟
 ساقی کی چشمِ مست کا صدقہ ہے ورنہ شیخ !
 اختر کہاں ، اے شعلہء مینا نشیں کہاں ؟

میں خانہ حیات میں کیا آرمید ہوں

میں خانہ حیات میں کیا آرمید ہوں !
 بزمِ ازل کا ساغرِ راحت چشیدہ ہوں
 آغازِ عشق ہی مجھے انجسامِ عشق ہے !
 میں دامنِ نسیم پہ اشکِ پسکیدہ ہوں
 تصویرِ خاک میں مجھے ظاہر کیا ہے کیوں ؟
 میں نو بہارِ قدس کا رنگِ پدیدہ ہوں

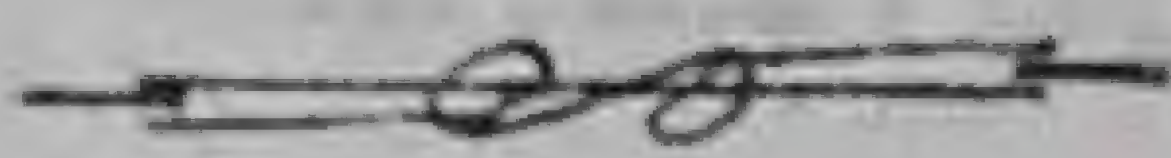
ہوں گلستانِ غم کا گل و اغدار میں
 یا نو نہالِ درد کی شاخ برید کے ہوں
 اس دامِ گاہِ دہر میں کیوں ہو گیا اسیر
 میں شاخِ خارِ خلد کا مرغِ پرید کے ہوں
 میرے سکوت پر نہیں کچھ ضبطِ دل گراں
 میں کاروانِ عشق کی صوتِ شنید کے ہوں
 اختر یہ فیصلہ ہے نبردِ حیات کا
 ہو جاؤں گا فنا کہ فنا آفرید کے ہوں

مری شامِ غم کو وہ بہلا رہے ہیں!

مری شامِ غم کو وہ بہلا رہے ہیں
 وہ بے اختیار آج یاد آ رہے ہیں
 محبت کے جلوے نظر آ رہے ہیں
 نہیں شادۂ تشنگی مے کشوں سے
 غمِ عاقبت ہے، نہ فکرِ تباہی مرست! انہیں کون کہتا ہے اب حیرانِ اماں
 ٹھہر جا ذرا اور اے دردِ فرقت
 وہ جانِ بہار آج آنے کی اختر
 لکھا ہے یہ خطا میں کہ ہم آ رہے ہیں
 ہمارے تصور کو ہرکار رہے ہیں
 نگاہوں سے پردے اٹھ جا رہے ہیں
 وہ آنکھوں سے میخانے برسائے ہیں
 پئے جا رہے ہیں، جئے جا رہے ہیں
 یہ جو مے کدے سے اُڑے آ رہے ہیں
 ہمارے تصور میں وہ آ رہے ہیں
 کنولِ حسرتوں کے کھلے جا رہے ہیں

کبھی کاشِ رحم کا بھی اثر ملے چشمِ فتنہ نگاہ میں

کبھی کاشِ رحم کا بھی اثر ملے چشمِ فتنہ نگاہ میں
 کہ کوئی آگداسے پڑا ہوا ترے درِ عشق کی راہ میں
 نہیں غدرِ زاهد و لاکھ مرتبہ جائیں طوفِ حرم کو ہم
 مگر ایک شرط ہے میکدہ نہ ملا کرے ہمیں راہ میں
 نہیں یا دِ عیش و ملالِ عمرِ گزشتہ کی کوئی داستان
 مگر آہ چند وہ ساعتیں جو بسر ہوئی ہیں گناہ میں
 جو مزاجِ دل نہ بدل سکا تو مذاقِ دہر کا کیا گلہ
 وہی تلخیاں ہیں ثواب میں، وہی لذتیں ہیں گناہ میں
 گناہِ ستم کی مجال تو ہے، پر آہ اس کا میں کیا کروں
 یہ جو ایک بجلی سی بے قرار ہے اُن کی نیچی نگاہ میں
 مجھے انقلابِ زمانہ کا، جو یقین آئے تو کس طرح
 وہی درد ہے مری آہ میں، وہ ناز تیری نگاہ میں
 بنی اکہ دونوں جہان میں کوئی اس سے بڑھ کے خوشی نہ تھی
 اگر ایک تلخی انفعال کی حس نہ ہوتی گناہ میں



لاپلا سانی شرابِ ارغوانی پھر کہاں ؟

لاپلا سانی، شرابِ ارغوانی پھر کہاں ؟
 زندگانی پھر کہاں، ناداں جوانی پھر کہاں ؟
 دو گھڑی مل بیٹھنے کو بھی غنیمت جانتے
 عمر فانی ہی سہی، یہ عمر فانی پھر کہاں ؟
 آہ کہ ہم بھی اک ترانہ جھوم کر گاتے چلیں
 اس چین کے طائرِوں کی ہمزبانی پھر کہاں ؟
 ہے زمانہ عشقِ سلیمے میں گنوا دے زندگی !
 یہ زمانہ پھر کہاں، یہ زندگانی پھر کہاں ؟
 ایک ہی بستی میں ہیں، آساں ہے ملنا آبلو
 کیا خبر لے جلے، دورِ آسمانی پھر کہاں ؟
 فصلِ گل جانے کو ہے، دورِ خزاں آنے کو ہے
 یہ چین، یہ بلبلیں، یہ نغمہ خوانی پھر کہاں ؟
 پھول چن جی کھول کر عیشِ و طرب کے پھول چن
 موسمِ گل پھر کہاں، فصلِ جوانی پھر کہاں ؟
 آخری مات آگئی، اُجی بھر کے مل لیں آج تو
 تم سے ملنے دے گا دورِ آسمانی پھر کہاں ؟

آج آئے ہو تو سُننے جاؤ یہ تازہ غزل
ورنہ آخستہ پھر کہاں، یہ شعر خوانی پھر کہاں؟

دل دیوانہ و اندازِ بیباکانہ رکھتے ہیں

دل دیوانہ و اندازِ بیباکانہ رکھتے ہیں !
گدائے میلکہ ہیں وضعِ آزادانہ رکھتے ہیں
مجھے میخانہ ، تھراتا ہوا محسوس ہوتا ہے
وہ میرے سامنے شراب کے جب پیمانہ رکھتے ہیں
ترہی عالی جنابی سے ہو کس کو عشق کی حیرت
خدا کا شکر ہے ہم شمع بے پروانہ رکھتے ہیں
لھٹائیں بھی تو بہکی جا رہی ہیں ان اداؤں پر
چمن میں جو قدم رکھتے ہیں وہ مستانہ رکھتے ہیں
اظہار ہم ہیں بلب کی طرح مشہور ہر جانی
مگر دل میں گراؤ فطرت پر وانہ رکھتے ہیں
جوانی بھی تو اک موجِ شراب بندورنگیں ہے
جبراً کیا ہے اگر ہم مشربِ رندانہ رکھتے ہیں
کسی مغرور کے آگے ہمارا سر نہیں جھکاتا
فتیری ہیں بھی آخستہ خیر نہ شاہانہ رکھتے ہیں

کیا جانے جا چھپی وہ مری یا سمن کہاں؟

کیا جانے جا چھپی وہ مری یا سمن کہاں؟

شامِ چمن بتا کہ ہے ماہِ چمن کہاں؟

ویدارِ برقی جلوہ نہ تھا اس قدر محال!

حاصل ہوا ہے رنگِ گل و یا سمن کہاں؟

کہتا ہے یہ سکوت لبِ لالہ ہائے طور!

سوزِ جگر کہاں، سروِ برگِ سخن کہاں؟

خاوت نشینوں سے نہیں ہے فیضِ خلق کو

چشمہ کہاں روانی گنگاٹ چمن کہاں؟

اے دردِ دل تو نے دکھایا ہے کیا اثر!

وہ گلابِ ن کہاں، مرادِ ارالمِ سخن کہاں؟

ہم تلخ کا میوں کا گلہ کس طرح کریں

مانا کہ آپ سا کوئی شیریں دہن کہاں؟

یہ سچ کہ ہے بہارِ چمن، جانفزا مگر!

جس کی تلاش ہے وہ بہارِ چمن کہاں؟

رنگِ بہارِ یا سمن و گلِ حسین سہی!

لیکن وہ یا سمن رُخ و گلِ پیرہن کہاں؟

نورِ کمال چھپ نہیں سکتا، حجاب میں !
خوشبو بتاتی ہے کہ کھلی ہے سمن کہاں ؟
ہو جاتی ہے خیال سے گم آنجن تمام !
وہ آگے خیال میں تو آنجن کہاں ؟

کیسا ہی دیں فریب گل و لالہ و سمن
ہم جس کو ڈھونڈتے ہیں وہ جان جن کہاں ؟
مجبور ہو کے اُن کو بھی کہنا پڑا ندیم !
خستہ سا اور ہند میں شیریں سخن کہاں ؟

میں آرزوئے جاں لکھوں، یا جانِ آرزو !

میں آرزوئے جاں لکھوں، یا جانِ آرزو
آئینہ کل رہے ہیں تصور میں بن کے ٹھول
ایمان و جاں نثار تری اک نگاہ پر
مصرِ فراق کب تک اے یوسفِ امید
ہونے کو ہے طلوع، صبحِ شربِ وصال
اک وہ کہ آرزوؤں پہ جیتے ہیں عمر بھر
آنکھوں سے بجے خوں ہو و اں دل جو باغِ باغ
دل میں نشاطِ رفتہ کی دھندلی سی یاد

تو ہی بتا دے ناز سے ایمانِ آرزو
شاداب ہو رہا ہے گلستانِ آرزو
تو جانِ آرزو ہے، ایمانِ آرزو
روتا ہے تیرے ہجر میں کنعانِ آرزو
بکھنے کو ہے چراغِ شبستانِ آرزو
اک ہم کہ ہیں ابھی سے لشیماںِ آرزو
دیکھے کوئی بہارِ گلستانِ آرزو
یا شمع وصل ہے تہ دامانِ آرزو

خستہ کو زندگی کا بھروسہ نہیں رہا
جب سے لٹا چکے مرد ساناں آرزو

یاد آؤ، مجھے اللہ نہ تم یاد کرو!

یاد آؤ، مجھے اللہ نہ تم یاد کرو!

اپنی اور میری جوانی کو نہ برباد کرو!

بستیاں اپنی، اٹک پار بسانے والو!

کبھی راہی کے کناروں کو بھی دلشاد کرو

خیر اور اُس کے نواحی میں ٹھہرنے والو

کبھی لاہور کے لائٹس کو بھی یاد کرو!

مترحد اور اُس کے مناظر ہیں طربناک مگر

کبھی پنجاب کے سینے کو بھی آباد کرو

میرے پر دیکھو، کبھی یہ کس دلیں کی ریت

جو تمہیں یاد کرے، تم نہ اُسے یاد کرو

شرم ردنے بھی نہ دے، بیکلی سونے بھی نہ دے

اس طرح تو میری راتوں کو نہ برباد کرو

ہاں ہے پینے کی کہ خود پیر مغاں کہتا ہے

اس بڑی طرح جوانی کو نہ برباد کرو

یاد آتے ہو بہت، دل سے بھلانے والو
 تم ہمیں یاد کرو، تم ہمیں کیوں یاد کرو!
 آسمان رتبہ محل اپنے بنانے والو!
 دل کا اُجڑا ہوا گھر بھی کوئی آباد کرو
 ”ہم کبھی آئیں، ترے گھر گرا آئیں گے فرد“
 تم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ نہیں، یاد کرو
 چاندنی رات میں گلشت کو جب جاتے تھے
 آہ عذرا کبھی اُس وقت کو بھی یاد کرو
 میں بھی شائستہ الطاف ستم ہوں شاید
 میرے ہوتے ہوئے کیوں غیر پر بیدار کرو
 صد نے اُس شوخ کے اختر میں لکھا جس نے
 عشق میں اپنی جوانی کو نہ برباد کرو

کون آیا مرے پہلو میں یہ خواب آلودہ

کون آیا مرے پہلو میں یہ خواب آلودہ
 زلفِ بہم زدہ، چشمِ حجاب آلودہ
 آہ یہ زلف بے یار، مرے خانہ
 آہ یہ آنکھ بے یار، شراب آلودہ

کس نے پہلو میں بٹھایا یہ مجھے مٹرا کر
 کس کے ہاتھوں میں ہے لرزش یہ حجابِ لوی
 کس کے بلوس سے آتی ہے حنا کی خوشبو
 کس کے ہر سانس کی جنبش ہے گلابِ آلودہ
 کس کو شکوہ ہے مرے عشق سے رسوائی کا
 کس کا لہجہ ہے بایں لطف عتابِ آلودہ
 پھر ہم آغوشی کے موسم نے بکھیرے کیسو
 پھر نضائیں نظر آتی ہیں محاسبِ آلودہ
 حسرتِ بوسہ پر خستہ یہ خیال آتا ہے
 کیوں مرے لب سے ہوں وہ برگِ گلابِ لوی

میری آنکھوں پہ چھا گیا کوئی!

میرے دل میں سما گیا کوئی	میری آنکھوں پہ چھا گیا کوئی!
آنکھوں آنکھوں میں پا گیا کوئی	دردِ دل کس طرح چھپاتے ہم
دل کو یہ کیا سکھا گیا کوئی	ہم غریبوں کی کچھ نہیں سمجھتا
پھر تصور میں آ گیا کوئی	پھر تصور نے بھولنا چاہا
پرے پرے میں آ گیا کوئی	آنکھ بس خوابِ دل فقط جذبہ
دل سے سب کچھ بھلا گیا کوئی	بخش کر دل کو ایک اپنی یاد

دیدہ شوق کا خدا حافظ! خواب بن کر سما گیا کوئی
 دل جسے بھولنا نہ چاہتا تھا دل سے سب کچھ بھلا گیا کوئی
 سنگدل ہونے پر یہ حالت تھی میرے دل کو لبھسا گیا کوئی
 دلِ ناناواں کا قصہ کیا خستہ!
 دلِ ناناواں کو بھاگیا کوئی

بھلا کیوں کرنے ہوں راتوں کی نیندیں بیقرار اُس کی

بھلا کیوں کرنے ہوں راتوں کی نیندیں بیقرار اُس کی
 کبھی لہرا چکی ہو جس پہ زلف مشکبار اُس کی
 اُمید و عمل پر، دل کو فریبِ صبر کیا دیکھتے
 ادا و حشری صفت اس کی، منظر بیگانہ وار اُس کی
 محبت تھی مگر یہ بے قراری تو نہ تھی پہلے!
 الہی آج کیوں یاد آتی ہے بے اختیار اُس کی
 تجھے تو عشق پیچاں، ایسے بل کھانے نہ آتے تھے
 بتا کیا تجھ پہ لہر سدا فی ہر زلفِ عطر بار اُس کی
 مئے الفت کے سرشاروں کو مے خانے سے کیا مطلب
 ادا و برج نشا اُس کی، منظر جان بہار اُس کی

بُرا ہو اس تغافل کا، کہ تنگ آکر یہ کہتا ہوں
 مجھے کیوں ہو گئی الفت مرے پروردگار اُس کی
 یہاں کیا دیکھتے ہو نا صحا گھر میں دھرا کیا ہے
 مرے دل کے کسی پرے میں ڈھونڈو یا دگار اُس کی
 جھانے ناز کی میں نے شکایت ہائے کیوں کی تھی
 مجھے جینے نہیں دیتی نگاہِ شرِ سار اُس کی
 ہمیں عرضِ تمنا کی جسارت ہو تو کیوں کر ہو
 نگاہیں فتنہ ریز اُس کی، ادائیں حشر بار اُس کی
 کوئی کیوں کر بھلائے، ہائے ایسے کی محبت کو
 دفائیں دل نواز اُس کی، جھائیں خوشگوار اُس کی
 انہی کوچوں میں کل اختر کو رسوا ہوتے دیکھتا تھا
 وہ آنکھیں اشکبار اُس کی، وہ باتیں دل نگار اُس کی

جھوم کر آئی ہے مستان گھٹا برسات کی

جھوم کر آئی ہے مستان گھٹا برسات کی
 جی بھاتی ہے نسیم جاں فزا برسات کی
 باغ کا ایک اک شجر ہے اک عرزیں مینر پوش
 جس کو آکر گد گداتی ہے پتا برسات کی

رحمت حق ، ابر بن کر چار جانب چھا گئی
 کب سے کرتے تھے دعائیں مرقاہ برسات کی
 کوئلیں کو کہیں ، پیہرے پی کہاں کہنے لگے
 نغموں سے لبریز ہے رنگیں نشا برسات کی
 جھولتی ہیں تتلیوں کی طرح کم سن ہوشیں
 یاشکو فوں کو اڑاتی ہے ہوا برسات کی
 اک طرف پھولوں کی آنکھوں میں آمنت آتی بہار
 اک طرف رنگت دکھاتی ہے خا برسات کی
 سر سے ڈھلکے ہیں دوپٹے بال کبھرنے سر کھلے
 چھپر ٹی ہے ناز نیموں کو ہوا برسات کی
 شاخا روں سے ہماروں کی صدا آنے لگی
 کیا سہانے گیت گاتی ہے گھٹا برسات کی
 دل مچلتا ہے مراخت گھٹا کو دیکھ کر
 آہ ! یہ کالی ، یہ متوالی گھٹا برسات کی

جھوم کر بدلی انھی اور چھا گئی

جھوم کر بدلی انھی اور چھا گئی ساری دنیا پر جوانی آ گئی
 آہ ! وہ اس کی نگاہ سے فرزندش جب بھی انھی مستیاں برسا گئی

کیسے مشکیں میں وہ روئے حسین
عالمِ مستی کی توبہ ، الاماں !
آہ اس کی بے نیازی کی نظر
سازِ دل کو گدایا عشق نے
پارسائی کی جوانمردی نہ پوچھ
اختر اس جانِ ثنا کی ادا !
ابر میں بجلی سی اک لہر اگئی !
پارسائی نشہ بن کر چھا گئی
آرزو کیا پھول سی کھلا گئی
موت کو لے کر جوانی آگئی
توبہ کرنے نفعی کہ بدلی چھا گئی
جب کبھی یاد آگئی ترپا گئی

نہ وہ خزاں رہی باقی نہ وہ بہار رہی !

نہ وہ خزاں رہی باقی نہ وہ بہار رہی
وہی نظر بے نظر جو بایں ہمہ پستی
شبِ بہار میں تاروں سے کھینچنے والے
تمام عمر رہا گرچہ میں تھی پہلو
کوئی عزیز نہ ٹھہرا ہمارے دفن کے بعد
وہ پھول ہوں جو کھلا ہوا خزاں کے سیم میں
کبھی نہ بھولیں گی اس شب کی لذتیں اختر
کہ میرے سینے پہ وہ زلفِ مشکبار رہی
رہی تو میری کہانی ہی یادگار رہی
ستارہ گیر رہی ، کہکشاں ٹمکار رہی
کسی کی آنکھ بھی شب بھر تارہ بار رہی
بسی ہوئی مرے پہلو میں بونے یار رہی
رہی جو پاس تو شمعِ سرِ مزار رہی
تمام عمر مجھے حسرتِ بہار رہی

بہشتوں پہ منستی ہے دنیائے فانی

بہشتوں پہ منستی ہے دنیائے فانی
ستم ہے کہ اے دل نہیں جادو دانی
یہ سبزہ، یہ بادل، یہ رت یہ جوانی !
بھلا پھر کہاں ہم، کہاں نوجوانی
تر آسن، پروردہ رنگ بو ہے
صنم خانہ سندھ خاموش کیوں ہے
مری بے خودی کو بُرا کہنے والے
یہ حسرت رہی کبھی آکے سُنتے
میر یام، اد محو خواہ بہاریں

مرا عشق بدنام ہے کیوں جہاں میں ؟

ہے مشہور اختر جوانی دیوانی

اس مہ جبیں سے آج ملاقات ہو گئی

اس مہ جبیں سے آج ملاقات ہو گئی
آدارگان عشق کا مسکن نہ پوچھئے
ذکرِ شب وصال ہو کیا، قصہ مختصر
بے درد آسمان! یہ کیا بات ہو گئی؟
پڑ رہتے ہیں وہیں یہ جہاں رات ہو گئی
جس بات سے وہ ڈرتے تھے وہ شاہ ہو گئی

مسی کو ہم چلے گئے مستی میں بھول کر
پچھلے غموں کا ذکر ہی کیا جب وہ مل گئے
زاہد کو زندگی ہی میں کوثر چکھا دیا
بے چین رکھنے والے پریشاں ہوں وہ کیوں
جھولا جھولائیں چل کے حسینوں کو باغ میں
گجرات میں سنا ہے کہ برسات ہو گئی

کیا فائدہ اب اختر اگر پارسا بنے !
جب ساری عمر نذر خرابات ہو گئی

وہ کہتے ہیں کہ ہم سے پیلی باتیں نہیں اچھی !

وہ کہتے ہیں کہ ہم سے پیار کی باتیں نہیں اچھی
کوئی سمجھائے یہ تکرار کی باتیں نہیں اچھی
تمہاری ہی طرح اغیار بھی اچھے سہی لیکن !

ہمارے سامنے اغیار کی باتیں نہیں اچھی
شب وصل آپ کا عذر نزاکت کون ملے گا
کہے دیتے ہیں ہم تکرار کی باتیں نہیں اچھی
عدد کے ساتھ بہر فاختہ اور میرے مدفن پر

بہت اچھا مگر سرکار کی باتیں نہیں اچھی

ہمارے زندگی کی کامیابی کی دعا اور تم
 نہ چھیڑو، طالع بیمار کی باتیں نہیں اچھی
 لکھوں تو اپنا حال دل انہیں کیوں کر لکھوں خیر
 وہ لکھتی ہیں کہ خط میں پیار کی باتیں نہیں اچھی
نہ ساز و مطرب نہ جام و ساقی نہ وہ بہارِ چمن ہر باقی

نہ ساز و مطرب نہ جام و ساقی نہ وہ بہارِ چمن ہے باقی
 نگاہِ شمعِ سحر کے پردے پہ نقشہٴ انجمن ہے باقی
 زمانہ گزرا وہ یاسمن بو، جدا ہوئی ہمکنار ہو کر
 مگر ابھی تک ہمارے پہلو میں نکبتِ یاسمن ہے باقی
 بھلا چکی دل سے شامِ غربت ہر ایک نقشہ ہر ایک صورت
 ہمارے آنکھوں میں لیکن اب تک فروغِ بیخ و بن ہر باقی
 زمانہ بدلا، مٹی جوانی، نہ وہ محبت، نہ زندگی کافی
 بس ایک بھولی سی یاد ہے جو بزرگِ داغِ کہن ہے باقی
 مٹا دیئے بے ستون چرخِ کہن نے شیریں لقا ہزاروں
 مگر محبت کے لب پر اب بھی ترانہ کوہِ کن ہے باقی
 حبابِ آسا، محیطِ ہستی میں جو ہے مٹنے کو بن رہا ہے
 ہے انقلاب اک نمود ایسی جو ز یہ چرخِ کہن ہے باقی

غم زمانہ کی سختیوں سے ہوئی ہے پامال طبع خستہ۔

نہ وہ نشاط کہن ہے باقی، نہ وہ مذاق سخن ہے باقی

دلِ عزیز سے خلشِ کاری ستم نہ گئی !

دلِ عزیز سے خلشِ کاری ستم نہ گئی !

ابھی تک ان کی نگاہوں سے غمِ مہم نہ گئی

ملی نہ سعی برہمن سے زاہدوں کی مراد

چراغِ دہر سے تاریکیِ حرم نہ گئی !

ہنوز عشق سے اندازہ کسی نہ چھٹا

ہنوز حسن سے رنگینیِ ستم نہ گئی

بتوں کو بکھلے ہوئے مددیں ہوئیں لیکن

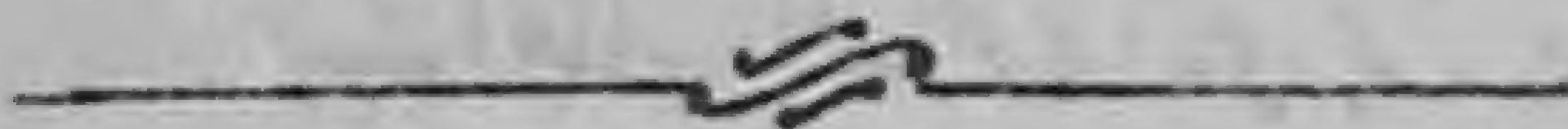
ہنوز فطرتِ بت سازیِ حرم نہ گئی

حرم میں حضرت زاہد نے لاکھ سرمارا

جبیں سے تیرگیِ سجدہٴ صنم نہ گئی

وہ میری شوخ نگاری پہ لکھتے ہیں اختر

ابھی تک آپ کی گستاخیِ قلم نہ گئی



نہ بھولیں گی کبھی اے ہم نشیں، راتیں جوانی کی!

نہ بھولیں گی کبھی اے ہم نشیں راتیں جوانی کی
وہ راتیں، وہ ملاقاتیں، وہ برساتیں جوانی کی

لبوں پر آہ، دل میں دھڑکنیں، آنکھوں میں خاکِ خوں
جوانی لے کر آئی ہے، یہ سوغاتیں جوانی کی!

یہ مڑبھائی ہوئی کلیاں نہیں، بے نور آنکھیں ہیں
بسی تھیں جن کے خوابوں میں کبھی راتیں جوانی کی

غم دنیا ستم، افسردگی دل قیاست ہے!
سنا اے آرزوئے رفتہ پھر باتیں جوانی کی

ہوئی مدت پر اب بھی یاد آتی ہیں ہمیں خستہ
وہ راتیں عاشقی کی، وہ مناجاتیں جوانی کی

اشکباری نہ مٹی، سینہ نگاری نہ گئی

اشکباری نہ مٹی، سینہ نگاری نہ گئی!
لالہ کاری، کسی صورت نہ بھی ہماری نہ گئی

کوچہ حسن چھٹا، تو بوسے بوسے شراب
اپنی قسمت میں جو لکھی تھی وہ خواری نہ گئی

ان کی مستانہ نگاہوں کا نہیں کوئی قصور

ناصحو! زندگی، ہم سے ہی سنواری نہ گئی

چشم محزون پہ نہ لہرائی، وہ زلف شاداب

یہ پری ہم سے بھی شیشے میں اتاری نہ گئی

مدتیں ہو گئیں، پھر طے ہوئے تم سے لیکن

آج تک دل سے مرے یاد تمہاری نہ گئی

شاد و خنداں ہے، ہم یوں تو جہاں میں لیکن

اپنی فطرت سے مگر درد شعاری نہ گئی!

سینکڑوں بار مرے سامنے کی توبہ مگر

توبہ خستہ کہ تری بادہ گساری نہ گئی

عشق کہ جس کے دین میں صبر و سکون حرام ہی

عشق کہ جس کے دین میں صبر و سکون حرام ہی

ایک نظر کا کام ہے، ایک اثر کا نام ہے

گلگدہ مجاز میں جس کا بہشت نام ہے!

اس کی بہارِ حسن کی نکبت نامتساں ہے

فکر و نظر کی عفتیں، رنگ بوس میں غرق ہے

اب تو جہان عشق میں ذوق گناہ عام ہے

پائے طلب کے واسطے کوئی نئی زمیں بنا!

دادی ہر دماہ تو لغزشِ نیم گام ہے

شان میں مے کی زارِ اباس کے سوا میں کیا کہوں

میرے لئے حلال ہے، تیرے لئے حرام ہے

عشق میں سو گوار سائبے خود دبے قرار سا

تم کو خبر ہو یا نہ ہو، اختر اسی کا نام ہے

سما کر دل میں نظروں سے نہاں ہے

سما کر دل میں نظروں سے نہاں ہے

مجھے یاد آنے والے تو کہاں ہے؟

ذرا ان لکشاں کہتی ہے جس کو

وہ غنڈہ اکا خراہم رائیگاں ہے

اندھیرے بادلوں سے پلو بچھنا بد

مری کھوئی ہوئی تو بہ کہاں ہے؟

یہ کس نے پیار کی منتظر دے دیکھا

کہ میرے دل کی دنیا پھر جواں ہے

بیرانی رائیگاں جائے تو اچھا!

جوانی ایک خواب رائیگاں ہے

نہ بھول کر بھی تمنائے رنگ بو کرتے

نہ بھول کر بھی تمنائے رنگ بو کرتے
چمن کے پھول اگر تیری آرزو کرتے

جناب شیخ پہنچ جاتے، حوض کوثر تک
اگر شراب سے میخانے میں وضو کرتے

سرت آہ تو بستی بے کن ستاروں میں!
زمین پہ، عمر ہوئی تیری جستجو کرتے

ایاب باد میں آکر وہ خود چھلک پڑتا
گراس کے مست زرا اور ہاؤ ہو کرتے

انہیں مفر نہ تھا اقرار عشق سے لیکن!
جیا کو ضد تھی کہ وہ پاس آبرو کرتے

پیکارا ٹھٹھا وہ آکر دلوں کی دھڑکن میں
ہم اپنے سینے میں گراس کی جستجو کرتے

غم زمانہ نے محسوس کر دیا، ورنہ!
یہ آرزو تھی کہ بس تیری آرزو کرتے

گراں تھا ساقی، دوراں پر ایک ساغر بھی
تو کس امس پہ ہم خواہش سو کرتے

جنونِ عشق کی تاثیر تو یہ تھی خستہ
کہ ہم نہیں وہ خود اظہارِ آرزو کرتے

کیا کہ گئی کسی کی نظر بچھ نہ پوچھے

کیا کہ گئی کسی کی نظر بچھ نہ پوچھے

کیا کچھ ہوا ہے دل پہ اثر کچھ نہ پوچھے

جھکتی ہوئی نظر سے وہ اٹھتا ہوا سا عشق

اُف وہ نظر، وہ عشق مگر کچھ نہ پوچھے

وہ دیکھنا کسی کا کنکھیوں سے بار بار

وہ بار بار اُس کا اثر کچھ نہ پوچھے

روروت کے کس طرح سے کٹی رات، کیا کہیں

مرمر کے کیسے کی ہے سحر، کچھ نہ پوچھے

خستہ دیارِ حُسن میں پہنچے ہیں مر کے ہم

کیوں کر ہوا ہے طے یہ سفر کچھ نہ پوچھے

ہم دعائیں کرتے ہیں جن کے لئے

ہم دعائیں کرتے ہیں جن کے لئے

میرے ارمانوں سے کہتی ہے اہل اس قدر سامان، دودن کے لئے

وہ غیور اور پاکس رسوائی ہمیں
 موت لینے آگئی، جانا پڑا
 اُن کی صحبت کا تصور اور ہم
 اُن کو ارماں ہے ہماری موت کا
 اُن کو رحم آ ہی گیا، آ ہی گئے
 اس زمیں میں لکھی اختر نے غزل
 کیا بتائیں مرے کن کے لئے
 زندگی لائی تھی اس دن کے لئے
 زندگی دھوکا تھی کچھ دن کے لئے
 مرے لئے زندگی جن کے لئے
 حسرتیں مضطر تھیں اس دن کے لئے
 سندھ کی اک شوخ کم سن کے لئے

اُن رس بھری آنکھوں میں حیا کھیل رہی ہے

اُن رس بھری آنکھوں میں حیا کھیل رہی ہے

دو زہر کے پیالوں پہ قضا کھیل رہی ہے
 ہیں نرگس و گل کس لئے مسحور تماشا

گلشن میں کوئی شوخ ادا کھیل رہی ہے
 اس بزم میں جائیں تو یہ کہتی ہیں ادائیں

کیوں آئے ہو، کیا سر پہ قضا کھیل رہی ہے
 خاموش رہ، خاموش، ذرا شور قیامت

کانوں میں وہ مستانہ صدا کھیل رہی ہے
 اُس چشم سے ست پہ کیوں میں پریشاں

میں خانے پہ گھنگور رگھٹ کھیل رہی ہے



بدستی میں تم نے انہیں کیا کہہ دیا آخر !
کیوں شوخ نگاہوں میں حیا کھیل رہی ہے؟

دیوانہ کر دیا ہے غم انتظار نے

دیوانہ کر دیا ہے غم انتظار نے
اب تک خبر نہ لی مری غفلت شعار نے
بیمارِ شام، حجر کے آنسو نکل پڑے
کیا کہہ دیا ستارۂ شب زندہ دار نے
مخمرِ خواب، بسترِ گل سے اُٹھے ہیں وہ
انگڑا فی لی ہے باغ میں صبح بہار نے

پھولوں سے ہیں لدی ہوئی سرسبز ڈالیاں
کیا چھاؤنی سی چھائی ہے فصل بہار نے
دنیا کے فکر، دین کی باتیں، خدا کی یاد
سب کچھ بھلا دیا ترے دوزن کے پیار نے
تو تو بھلائے دیتی تھی پیرِ منماں کا گھر
اُٹھ کر بتا دیا ہمیں ابر بہار نے
اوروں کی کیا خود اپنی جی سدا بدھ نہیں رہی
دُنسیا سے کھو دیا ہمیں ظالم کے پیار نے

مُسحور کر لئے ہیں بتانِ حرم کے دل
اُختِ بہارے خامہ رنگیں نگار نے

اُٹھ اور شکوے نہ کر جو را سہمانی کے !

اُٹھ اور شکوے نہ کر جو را سہمانی کے
ستارہ وار، کھلا پھول شادمانی کے

خزاں کی طرح نہ کر رنج خانہ دیرانی
بہار بن کے سکھا رنگ گلشنانی کے

نغانِ قیسیں غلط، شور کو بہن بے کار
ہیں آج اور ہی اندازِ خوشنشانانی کے

چمن میں دیکھتا ہوں جب بھی لالہ و گل کو !
منظر میں پھرتے ہیں نقشے تری جوانی کے

جنابِ خضر جنہیں آج تک سمجھ نہ سکے
وہ راز ہیں ہمیں معلوم ز ندر گمانی کے

وہ رات آدہ ترے کیسوؤں کی چھاؤں کی رات
ستارے آج بھی شاہد ہیں اس کہانی کے

گلِ سرخ و شمعِ مزار و نجمِ سحر
یہ نقش ہیں مری اُجڑی ہوئی جوانی کے

کبھی عروج ہوا ہے کبھی زوال نصیب!
عجیب رنگ ہیں اخترِ جہان فانی کے

شرح غمہائے زمانہ سن لے

شرح غمہائے زمانہ سن لے
کتنی غمگین ہے شرح خاموش
اپنی زلفوں کا فسانہ سن لے
قصہ بزمِ شبانہ سن لے
چاندنی اور یہ سہانی راتیں
آکے فرقت کا فسانہ سن لے
سوزِ غم، اک ابدی لذت ہے
سازِ ہستی کا ترانہ سن لے

اُس کا وصل اور ہماری قسمت!

کہیں خستہ زمانہ سن لے

آشنا ہو کر تغافل آشنا کیوں ہو گئے

آشنا ہو کر تغافل آشنا کیوں ہو گئے؟

با وفا تھے تم، تو آخر بے وفا کیوں ہو گئے؟

اور بھی رہتے! بھی کچھ دنِ نظر کے سامنے

دیکھتے ہی دیکھتے، ہم سے خفا کیوں ہو گئے؟

اُن دفا داری کے وعدوں کو الہی کیا ہوا؟

وہ وفا میں کرنے والے، بے وفا کیوں ہو گئے؟

کس طرح دل سے بھلا بیٹھے ہماری یاد کو
 اس طرح پر دیس جا کر بے وفا کیوں ہو گئے؟
 تم تو کہتے تھے کہ ہم تجھ کو نہ بھولیں گے کبھی
 بھول کر ہم کو تغافل آشنا کیوں ہو گئے؟
 ہم تمہارا دردِ دل سُن سُن کے ہنستے تھے کبھی
 آج روتے ہیں کہ یوں درد آشنا کیوں ہو گئے؟
 چاند کے ٹکڑے بھی نظروں میں سما سکتے نہیں
 کیا بتائیں ہم ترے در کے گدا کیوں ہو گئے؟
 یہ جوانی، یہ گھٹائیں، یہ ہوائیں، یہ بہار
 حضرت اختر ابھی سے پار سا کیوں ہو گئے؟

عمر فانی کی ذرا تدر نہ جانی ہم نے

عمر فانی کی ذرا تدر نہ جانی ہم نے!
 خواب کی طرح سے کھوئی ہے جوانی ہم نے
 جو کبھی خواب میں بھی آئیں تو کھلا جائیں!
 ایسی بریوں میں گزار سی ہے جوانی ہم نے
 بھول کر بھی کبھی آیا نہ گناہوں کا خیال
 ابر کی طرح لٹائی ہے جوانی ہم نے

رو دیئے دیکھ کر اس پر وہ نشیں کو اختر
اپنی آنکھوں سے کہی دل کی کہانی ہم نے

کس کو دیکھا ہے، یہ، ہوا کیا ہے؟

کس کو دیکھا ہے، یہ ہوا کیا ہے؟
اک محبت تھی، مٹ چکی یارب!
دل میں لیتا ہے چٹکیاں کوئی
حوریں نیکوں میں بٹ چکی ہوں گی
اُس کے عہد شباب میں جینا
اب دوا کیسی، ہے دعا کا وقت
دل دھڑکتا ہے ماجرا کیا ہے؟
تیری دنیا میں اب دھڑکیا ہے؟
ہائے اس درد کی دوا کیا ہے؟
باغِ رضواں میں اب رکھا کیا ہے؟
جینے والو! تمہیں ہوا کیا ہے؟
تیرے بیمار میں رہا کیا ہے؟

یاد آتا ہے لکھنؤ اختر !!!

خلد ہو آئیں تو بُرا کیا ہے؟

اے صبا کون سے گلزار سے تو آتی ہے؟

اے صبا کون سے گلزار سے تو آتی ہے؟
تجھ سے اُس غنچہ دہن کی مجھے بُو آتی ہے
پاسِ فطرت کو ہے کتنا مری مے نوشی کا
جو کلی آتی ہے وہ لے کے سبوا آتی ہے

رنگ و بو کا پھر اٹھا صحن چمن سے طوفاں

پھر کوئی گلابِ بدن و غالیہ مو آتی ہے!

چاندنی رات کی تاثیر ہے یا نشہ مے

مجھ کو ہر پھول سے اُس شوخ کی بو آتی ہے

کچھ تو کہہ ہم سے کہاں آنکھ لڑی ہے اختر

تیرے شعروں سے ہمیں عشق کی بو آتی ہے

ادائے پردہ کتنی دل نشیں معلوم ہوتی ہے

ادائے پردہ کتنی دل نشیں معلوم ہوتی ہے

پس پردہ کوئی ناز آئیں میں معلوم ہوتی ہے

نگاہِ ناز کتنی شر لگیں معلوم ہوتی ہے

کوئی محبوبہ پردہ نشیں معلوم ہوتی ہے

لبِ خاموش میں پنہاں "نہیں" معلوم ہوتی ہے

نگاہِ اولیں ہی واپس میں معلوم ہوتی ہے

یہ کس کو دیکھ کر دیکھا ہے میں نے بزمِ ہستی کو

کہ جو شے ہے نگاہوں کو حسین معلوم ہوتی ہے

تم اپنا آستان اچھی طرح پہچان سکتے ہو

ہمیں تو یہ ہماری ہی جبین معلوم ہوتی ہے

محبت اس طرح معلوم ہو جاتی ہے دنیا کو
 کہ یہ معلوم ہوتا ہے ، نہیں معلوم ہوتی ہے
 سوادِ یاس میں اک پر تو اُمید کیا کہئے !
 اندھیرے گھر میں کوئی مہربان معلوم ہوتی ہے
 کسی کا عشق آپہنچا ہے رسوائی کی منزل تک
 نگاہِ شوخ ، اب کچھ شریکیں معلوم ہوتی ہے
 ہزاروں میں سے اک دل کو بھی خوش پاتے نہیں خستہ
 خدائی کس قدر اندوہ گیں معلوم ہوتی ہے

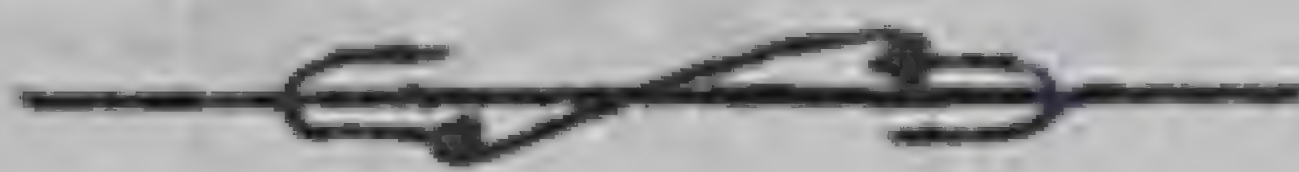
نسیم کوئے یار آئے نہ آئے

نسیم کوئے یار آئے نہ آئے مرے دل کو قرار آئے نہ آئے
 خزاں ہی سے نہ کیوں ہم دل لگالیں خدا جانے بہار آئے نہ آئے
 کیا ہے آنے کا وعدہ تو اُس نے مرے پر درد گار آئے نہ آئے
 اٹھا ساغرِ پلادے پھول ساتی ! کہ پھر ابر بہار آئے نہ آئے
 مجھے ہے اعتبار وعدہ لیکن
 تمہیں خود اعتبار آئے نہ آئے



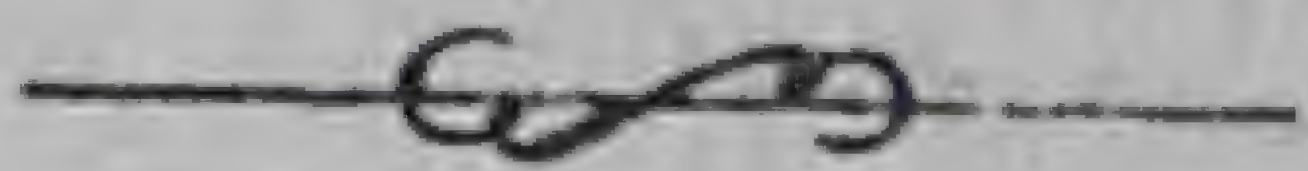
جَب مری قبر پہ وہ پھول چڑھانے آئے!

جب مری قبر پہ وہ پھول چڑھانے آئے
 موت کی نیند کے ماتوں کو جگانے آئے
 کوئی اُس وعدہ فراموش سے اتنا کہہ دے
 آپ اب کس لئے روٹھوں کو منانے آئے
 آجسے شہرِ خموشاں میں ملے خاک میں ہم
 آپ کیوں خاک کو پھولوں سے بسلنے آئے
 شمع کی طرح جلاتے تھے ہمیں سرفقت میں
 اب مری قبر پہ کیوں شمع جلائے آئے
 ایک دن تھا کہ مجھے در سے اٹھا دیتے تھے
 اب دغا کے لئے کیوں ہاتھ اٹھانے آئے
 جب میں روتا تھا 'مرے رونے پہ نہیں دیتے تھے
 اب مری یاد میں کیوں اشک بہانے آئے
 تم تو اک دن مرے شکوے بھی نہ سن سکتے تھے
 اب مجھے کیوں غمِ دل اپنا سنانے آئے



دل میں اب تک ہوسِ گلبدناں باقی ہے

دل میں اب تک ہوسِ گلبدناں باقی ہے
 مرث گئی عمرِ جواں، عشقِ جواں باقی ہے
 جب تلک عشق کے ہونٹوں پہ فغاں باقی ہے
 میرے نغموں کا زمانے میں نشاں باقی ہے
 خیر زندہ ہے، نہیں خیر کے باقی زندہ
 چل بسا پیرِ مفاں، دیرِ مفاں باقی ہے
 ہے نہاں مرگِ شہادت میں حیاتِ ابدی
 مٹنے والے تو مٹے، نام و نشاں باقی ہے
 یاد کرتے نہیں خود اور ہمیں یاد آتے ہیں
 مٹ گیا لطفِ عیاں، جو رہا نہاں باقی ہے
 کتنے ہی سال گذر جائیں میں یاد آؤں گا!
 تیرے در پر مرے سجدوں کا نشاں باقی ہے
 سر سے الفت کا جنوں جا نہیں سکتا اختر
 جب تلک سینے میں دلِ جسم میں جاں باقی ہے



خیالستانِ مستی میں اگر غم ہے خوشی بھی ہے!

خیالستانِ مستی میں اگر غم ہے خوشی بھی ہے
 کہ بھی آنکھوں میں آنسو ہیں کبھی لب پر منہسی بھی ہے
 انہی غم کی گھاؤں سے خوشی کا چاند نکلے گا!
 اندھیری رات کے پردے میں دن کی روشنی بھی ہے
 یونہی تکمیل ہوگی حشر تک تصویرِ ہستی کی!
 ہر اک تکمیل آخر میں پیامِ نستی بھی ہے
 یہ وہ ساغر ہے صہبائے خودی سے پر نہیں ہوتا
 ہمارے جامِ ہستی میں ہر شکِ بے خودی بھی ہے

بہار آئی ہے، مستانہ گھٹا کچھ اور کہتی ہے

بہار آئی ہے، مستانہ گھٹا کچھ اور کہتی ہے
 مگر ان شوخ نظروں کی حیا کچھ اور کہتی ہے
 رہائی کی خبر کس نے اڑائی صحنِ گلشن میں
 اسیرانِ قفس سے تو صبا کچھ اور کہتی ہے
 بہت خوش ہے دلِ نادان، ہوائے کوئے جان میں
 مگر ہم سے زمانے کی ہوا کچھ اور کہتی ہے

تو میرے دل کی سن، آغوش بن کر کہہ رہا ہے کچھ
 تری پیچی نظر تو جانے کیا کچھ اور کہتی ہے
 مری جانب سے کہہ دینا صبا لاہور والوں سے
 کہ اس موسم میں دہلی کی ہوا کچھ اور کہتی ہے
 بہت رنگینیاں ہیں یوں تو ہندری باغ میں لیکن
 فرید آباد کی ”رنگیں حنا“ کچھ اور کہتی ہے
 ہوئی مدت کہ مے نوشی سے توبہ کر چکے اختر
 مگر دہلی کی مستانہ فضا کچھ اور کہتی ہے

وہ کبھی مل جائیں تو کیا کیجئے؟

وہ کبھی مل جائیں تو کیا کیجئے؟
 چاندنی راتوں میں اک اک پھول کو
 جو تمنا پر نہ آئے عسبر بھر
 عشق کی رنگینیوں میں ڈوب کر
 پوچھ بیٹھے ہیں ہمارا حال وہ
 ہم ہی اس کے عشق کے قابل نہ تھے
 آپ ہی نے دردِ دل بخشا ہمیں
 کہتے ہیں اختر وہ سن کر میرے شعر
 رات دن صورت کو دیکھا کیجئے
 بے خودی کہتی ہے سجدہ کیجئے
 عمر بھر اس کی تمنا کیجئے
 چاندنی راتوں میں رویا کیجئے
 بے خودی تو ہی بتا کیا کیجئے
 کیوں کسی ظالم کا شکوہ کیجئے
 آپ ہی اس کا مداوا کیجئے
 اس طرح ہم کو نہ رسوا کیجئے

اگر وہ اپنے حسین چہرے کو بھول کر بے نقاب کر دے

اگر وہ اپنے حسین چہرے کو بھول کر بے نقاب کر دے
 تو ذرے کو ماہتاب اور ماہتاب کو آفتاب کر دے
 تری محبت کی دادیوں میں مری جوانی سے دور کیلے
 جو سادہ پانی کو اک نشیلی نظر میں رنگیں شراب کر دے
 حریم عشرت میں سونے والے، شمیم گیسو کی مستیوں سے
 مری جوانی کی سادہ راتوں کو اب تو سرشارِ خواب کر دے
 مزے وہ پائے ہیں آرزو میں کہ دل کی یہ آرزو ہے یارب
 تمام دنیا کی آرزو میں مرے لئے انتخاب کر دے
 نظر نہ آنے پہ ہے یہ حالت کہ جنگ ہے شیخ و برہمن میں
 خبر نہیں کیا سے کیا ہو دنیا جو خود کو وہ بے نقاب کر دے
 میرے گناہوں کی شورشیں اس لئے زیادہ رہی ہیں یارب
 کہ ان کی گستاخیوں سے تو اپنے عفو کو بے حساب کر دے
 خدا نہ لائے وہ دن کہ تیری سنہری نیندوں میں فرق آئے
 مجھے تو یوں اپنے ہجر میں عمر بھر کو بیزارِ خواب کر دے
 میں جانِ دل سے تصویرِ حسن دوست کی مستیوں کے قرباں
 جو اک نظر میں کسی کے بے کیف آنسوؤں کو شراب کر دے

عروسِ فطرت کا ایک کھویا ہوا تبسم ہے جس کو اختر
کہیں وہ چاہے شرابِ کمر دے، کہیں وہ چاہے شبابِ کمر دے

اٹھا طوفاں ستاروں کی زمیں سے

اٹھا طوفاں ستاروں کی زمیں سے
نہ دیکھو اس نگاہِ شر لگیں سے
مبارک ہو تجھے اے غیرتِ رشک
گٹا کے ساتھ آنکھیں اٹھ رہی ہیں
ہمیں رسوا کیا پردے میں رہ کر
نہ دولت ہے نہ شوکت ہے، نہ حرمت
لڑی ہے آنکھ کس زہرہ جبیں سے
قیامت اٹھنے والی ہے یہیں سے
نہ اٹھا بارِ غم اس ناز نہیں سے
ہماری توبہ ٹوٹے گی یہیں سے
کوئی کہہ دے یہ اس پردہ نشین سے
ہم اختر ہیں گدائے رہ نشین سے

نہ چھیڑ زاہدِ ناداں شراب پیئے دے

نہ چھیڑ زاہدِ ناداں شراب پیئے دے
شراب پیئے دے خانہ خراب پیئے دے
ابھی سے اپنی نصیحت کا زہر دے نہ تجھے
ابھی تو پیئے دے اور بے حساب پیئے دے
میں جانتا ہوں پھلکتا ہوا گناہ ہے یہ
تو اس گناہ کو بے احتساب پیئے دے

پھر ایسا وقت کہاں، ہم کہاں، شراب کہاں
 طلسم دہر ہے نقشِ بر آب پینے دے
 مرے دماغ کی دنیا کا آفتاب ہے یہ
 ہلاکے برف میں یہ آفتاب پینے دے
 کبھی سینہ کے بوسوں کے قابل اپنے ہے
 تو ان لبوں سے ہمیشہ شراب پینے دے
 سمجھ کے اُس کو غفور الرحیم پیتا ہوں!
 نہ چھپڑ ذکرِ عذاب و ثواب پینے دے
 جو روح ہو چلی اک بار داغدار مری
 تو اور ہونے دے لیکن شراب پینے دے
 شراب خلنے میں یہ شور کیوں مچایا ہے
 خموشی اختر خانہ خراب پینے دے

عشق کی مایوسیوں میں کھوپچے

عشق کی مایوسیوں میں کھوپچے
 مقصدِ فصلِ جوانی تھا یہی
 اے جوانی جانتھے، ہم رو چکے
 عشق میں ساری جوانی کھوپچے
 پھول کھل کر، بے نشان بھی ہو چکے
 آنسوؤں سے دل کا دامن بھو چکے
 میرا دیرانہ ترستا ہی رہا!
 داغِ حسرت ہے ابھی تک گرچہ ہم

جاگ اے دل، آگیا شہرِ فنا منزل، ہستی میں کافی سوچکے
آج کی شب پھر کوئی یاد آگیا!
آج کی شب بھی ہم خستہ سوچکے

مجھے اپنی ہستی کی شرم ہے تری رفتوں کا خیال ہے

مجھے اپنی ہستی کی شرم ہے تری رفتوں کا خیال ہے
لکھنؤ

اس ادا سے کون یہ جلوہ گر سرِ بزمِ حسن خیال ہے
جو نفس ہے مست بہار ہے، جو نظر ہے غرقِ جمال ہے

انہیں خدا ہے عرضِ وصال سے مجھے شوقِ عرضِ وصال ہے
وہی اب بھی اُن کا جواب ہو، وہی اب بھی میرا سوال ہے
نری یاد میں ہوا جب سے گم، ترے گم شدہ کا یہ حال ہے

کہ نہ دُور ہے نہ قریب ہے، نہ فراق ہے نہ وصال ہے
تری بزمِ خلوتِ لامکاں، ترا آستانِ مہ و کہکشاں
مگر اے ستارہ آرزو مجھے آرزوئے وصال ہے

میں وطن میں رہ کے بھی بے وطن کہ نہیں ہوا ایک بھی ہم سخن
ہے کوئی شریکِ غم و محن تو وہ اک نسیمِ شمال ہے

میں بتاؤں داعظا خوش نوا ہے جہانِ فُخلد میں فرق کیا
 یہ اگر فریبِ خیال ہے، وہ فربہ حسنِ خیال ہے
 یہی دادِ قصۂ غم ملی کہ نظرِ راضی، نہ زباں ہلی!
 فقط اک تبسمِ شریکیں، مری بے کسی کا مال ہے
 وہ خوشی نہیں ہے وہ دل نہیں لگان کا سایہ ساہم نشین
 فقط ایک غمزہ یاد ہے، فقط اک فسرہ خیال ہے
 کہیں کس سے اخترِ بے نوا ہمیں بزمِ دہر سے کیا ملا
 وہی ایک ساغزِ غیرِ تبسم جو حریفِ نوشِ کمال ہے

زمانِ مجھے، دورِ وصلِ یار آئے!

زمانِ مجھے، دورِ وصلِ یار آئے
 الہی اب تو خنزاں جائے اور بہار آئے
 ستمِ ظریفی فطرت، یہ کیا معنی ہے
 کہ جس کھلی کو بھی سونگھوں میں بوسے یار آئے
 چمن کی ہر کھلی، آمادہ تبسم ہے!
 بہار بن کے مری جان نو بہار آئے
 ہر ششہ کام ہم ان بادلوں سے پوچھے کوئی
 کہاں بہار کی پیرویوں کے تختِ اتار آئے



کسی کا شکوہ عبث یہ دعائیں مانگ لے دل
 کہ اب ملیں تو ہمیں اس قدر نہ پیار آئے
 ترے خیال کی بے تابیاں معاذ اللہ
 کہ ایک بار بھلائیں تو لاکھ بار آئے
 گھٹا وہ اٹکھی ہے پھر بمبئی کے ساحل سے
 کہ مجھ ملک اگر آئے تو مشکبار آئے
 وہ آئیں یوں مرے آنکوش عشق میں اختر
 کہ جیسے آنکھوں میں اک خواب بے قرار آئے

سوئے کلکتہ جو ہم بادل دیوانہ چلے!

سوئے کلکتہ جو ہم بادل دیوانہ چلے
 لنگھاتے ہوئے اک شوخ کا افسانہ چلے
 شہر سلمیٰ ہے میرا، گھٹائیں ہمراہ
 ساقیہ آج تو دور مئے و پیمانہ چلے
 اس طرح ریل کے ہمراہ رواں ہے بادل
 ساتھ جیسے کوئی اڑتا ہوا منجانہ چلے
 شہر جاناں میں اترنے کی بھٹی ہم پر قدغن
 یوں چلے جیسے کوئی شہر سے بیگانہ چلے

گرچہ تہہ سائے گر ان کے تصور کے بنار

اپنے ہمراہ لئے ایک پرہی خانہ چلے

کھیل اُمید کے دیکھو کہ نہ کی ان کو خبر

پھر بھی ہم منتظر جلاوتِ جانانہ چلے

ان کا پیغام نہ لائے ہوں یہ رنگیں بادل

ورنہ کیوں ساتھ مرے بخود وستانہ چلے

گھر سے باعشرتِ شاہانہ ہم آئے تھے مگر

ان کے کو پیچے سے چلے جب فقیرانہ چلے

بادلو! خدمتِ سلمیٰ میں یہ کہہ دو جا کر

کہ ترے شہر میں ہم آئے غریبانہ چلے

حسرت و شوق کے عالم میں چلے یوں آتے

سکراتا ہوا جیسے کوئی دیوانہ چلے

مری آنکھوں سے ظاہر خوفِ شامانی اب بھی ہوتی ہے

مری آنکھوں سے ظاہر خوفِ شامانی اب بھی ہوتی ہے

نگاہوں سے بیانِ دل کی کہانی اب بھی ہوتی ہے

بہشتوں سے خفا دنیائے فانی اب بھی ہوتی ہے

جنوں کو حرصِ عمرِ جاودانی، اب بھی ہوتی ہے

سرورِ آرا شرابِ ارغوانی اب بھی ہوتی ہے
 مرے قدموں میں دنیا کی جوانی اب بھی ہوتی ہے
 کوئی جھونکا تو لاتی، انیسیم، اطرافِ کنگاں تک
 سوادِ مصر میں عنبرِ فشانہ اب بھی ہوتی ہے
 وہ شب کو مشکبو پروں میں چھپ کر آہی جلتے ہیں
 مرے خوابوں پر ان کی مہربانی اب بھی ہوتی ہے
 کہیں سے ہات آجائے تو ہم کو بھی کوئی لادے
 سنا ہے اس جہاں میں شادمانی، اب بھی ہوتی ہے
 ہلال و بدر کے نقشے سبق دیتے ہیں انسان کو
 کہ ناکامی بنائے کامرانی، اب بھی ہوتی ہے
 کہیں اغیار کے خوابوں میں چھپ چھپ کر نہ جلتے ہوں
 وہ پہلو میں ہیں لیکن بدگمانی، اب بھی ہوتی ہے
 سمجھتا ہے شکستِ توبہ، اشکِ توبہ کو نہ ابد !
 مری آنکھوں کی رنگتِ ارغوانی، اب بھی ہوتی ہے
 وہ برساتیں، وہ باتیں، وہ ملاقاتیں کہاں ہم دم
 وطن کی رات ہونے کو سہانی، اب بھی ہوتی ہے
 خفا ہیں، پھر بھی آکر چھیڑ جاتے ہیں تصور میں !
 ہمارے حال پر کچھ مہربانی، اب بھی ہوتی ہے

زباں ہی میں نہ ہوتا شیر تو میں کیا کروں ناصح !!!

تیر سی بانوں سے پیدا سرگرافی اب بھی ہوتی ہے
تمہارے گیسوؤں کی چھاؤں میں اک رات گذری کتنی !

ستاروں کی زباں پر یہ کہانی، اب بھی ہوتی ہے
پس تو بہ بھی پی لیتے ہیں، جام غنچہ و گل سے

بہاروں میں جنوں کی میہمانی اب بھی ہوتی ہے
کئی خوش ہو، مری مایوسیاں فریاد کرتی ہیں !

الہی ! کیا جہاں میں شادمانی اب بھی ہوتی ہے
بتوں کو کر دیا تھا جس نے محبہ و سخن خستہ

لبوں پر وہ نوائے آسمانی اب بھی ہوتی ہے

جھنڈے گڑے ہیں باغ میں ابر بہار کے

جھنڈے گڑے ہیں باغ میں ابر بہار کے

قربان جاقل رحمت پروردگار کے

گلشن میں چند راتیں خوشی کی گزار کے !

ابر رواں کے ساتھ گئے دن بہار کے

وہ رنگ اب کہاں چمن روزگار کے !!!

بلبل کے نغمے ہیں نہ تیرا نے ہزار کے

رسوائی کے دن آئے کسی میسگار کے
آنے لگے سلام چمن سے بہار کے
بے تاب دلوں میں ترے انتظار کے

آئے مری بہار دن آئے بہار کے
ابریسہ میں برقِ حسین لہلہا اٹھی
یا آگئے وہ سامنے گیسو سنوار کے
اے ابرار کس نہال اک ہم ہاتھ سے چلے

اے توبہ الوداعِ دن آئے بہار کے
باغوں پہ جھوم جھوم کے بادل نہیں اٹھے

گیسو بکھر رہے ہیں عروسِ بہار کے
آؤ کہ ایسا دقت نہ پاؤ گے پھر کبھی
آتے ہیں روزِ روز کہاں دن بہار کے

آخر کسی کے گھر سے اس انداز سے چلے
جیسے گزار آئے ہوں دن سب بہار کے

غیم زمانہ نہیں اک عذاب ہے ساقی

غیم زمانہ نہیں اک عذاب ہے ساقی
مشرابِ لاہری حالتِ خراب ہے ساقی

شباب کے لئے تو یہ عذاب ہے یارب

مشراب لالچھے پاسِ شباب ہے ساقی

اٹھا پیالہ گلشن پہ پھر برسنے لگی

وہ مے کہ جس کا قدح ماہتاب ہے ساقی

نکال پرودہ میمناسے دخترِ رز کو

گھٹا میں کس لئے یہ ماہتاب ہے ساقی

تو راعضوں کی نہ سن میسکشیوں کی خدمت کر

گنہ ثواب کی خاطر ثواب ہے ساقی

زمانہ بھر کے غموں کو ہے دعوتِ غم ترا

کہ ایک جام میں سب کا جواب ہے ساقی

کلامِ حبس کا ہے معراجِ حافظ و خستہ نام!

یہی وہ خستہ خانہ خراب ہے ساقی



رباعیات

(۱) عید آئی ہے عیش و نوش کا سامان کر
قربانی ہے واجب آج اختر تو بھی
ایک ساقی گلے سزا کو مہمان کر
توبہ کو خدا کے نام پر قربان کر

(۲) میخانہ بدوش ہیں گھٹائیں ساقی
اک جام پلا کے مست کر دے مجھ کو
پیمانہ فروش ہیں فضا میں ساقی
غارت گر ہوش میں ہو آئیں ساقی

(۳) رندوں کو بہشت کی خبر دے ساقی
پیمانہ عمر ہے چھلکنے کے قریب
اک جام پلا کے مست کر دے ساقی
بھرنے ساقی شراب بھرنے ساقی

(۴) موہم بھی ہے عمر بھی شباب بھی ہے
دنیا میں اب اور چاہئے کیا مجھ کو
پہلو میں وہ رشک ماہتاب بھی ہے
ساقی بھی ہے ساز بھی شراب بھی ہے

(۵) جنت کا سماں دکھا دیا ہے مجھ کو
کچھ ہوش نہیں کہ ہوں میں کس عالم میں
کوئین کا غم بھلا دیا ہے مجھ کو
ساقی نے یہ کیا پلا دیا ہے مجھ کو

گیت

(۱)

روک کاراک!

اُنہیں جی سے میں کیسے بھلاؤں سکھی میرے جی کو جو آکے لُجھا ہی گئے
میرے من میں وہ پریم بسا ہی گئے، مجھے پریت کاروگ لگا ہی گئے
کئے میں نے ہزار ہزار جتن، کہ بچار رہے پریت کی آگ سے من
مرے من میں اُبھار کے اپنی لگن، وہ لگاؤ کی آگ لگا ہی گئے
بڑے سکھ سے یہ بیتے تھے چودہ برس کبھی میں نے پیانہ تھا پریم کارس
مری آنکھوں کو شام دکھا کے درس، مرے ہر دے میں چاہ بسا ہی گئے
کبھی سپنوں کی چھاؤں میں سوئی نہ تھی، کبھی بھول کے دکھ سے میں وہی نہ تھی
مجھے پریم کے سپنے دکھا ہی گئے، مجھے پریت کے دکھ سے رُلا ہی گئے
رہے رات کی رات سدھار گئے، مجھے سپنا سمجھ کے بسا رہ گئے
میں تھی ہار، گلے سے اتار گئے، میں دیا تھی جسے وہ بجا ہی گئے

سکھی، کوئیں ساؤ فی گائیں گی پھر، نئی کلبیاں بھی چھاؤ فی چھائیں گی پھر
مرے چین کی راتیں نہ آئیں گی پھر، جنہیں بین کے نیرمٹا ہی گئے
مرے جی میں تھی بات چھپائے رکھوں، سکھی چاہ کو من میں دبائے رکھوں
انہیں دیکھ کے آنسو جو آ ہی گئے، مری چاہ کا بھید وہ پا ہی گئے

(۲)

پردیسی کی پریت

پردیسی کی پریت ہے بھوٹی جھوٹی پردیسی کی پریت
ہائے ہوئے کی حبت ہے جھوٹی دنیا کی یہ ریت ہے جھوٹی

پردیسی کی پریت ہے جھوٹی !

پردیسی کی پریت ہے جھوٹی جھوٹی پردیسی کی پریت

پردیسی سے دل کا لگانا بہتے پانی میں ہے نہانا

کوئی نہیں ندی کا ٹھکانا !

رمتے جو گی کس کے میت

پردیسی کی پریت ہے جھوٹی جھوٹی پردیسی کی پریت

اُرتی چڑیا گاتی جائے ! میٹھا گیت مٹھاس بہائے

یوں پرولسی من کو بٹھائے

اُڑ گئی چڑیا، اُڑ گیا گیت !

پرولسی کی پریت ہے بھولی جھوٹی پرولسی کی پریت

(۶۲)

بادل کا سندلیہ

آئے ہیں بادل چھائے ہیں بادل !

کس کا سندلیہ لائے ہیں بادل ؟

باغ میں کوئل کوک اُٹھی پھر دل میں ہمارے ہوک اُٹھی پھر

کون نگرے آئے ہیں بادل ؟

کس کا سندلیہ لائے ہیں بادل ؟

برہم میں کیوں برباد کیا ہے ؟ ہم کو یہ کس نے یہ یاد کیا ہے ؟

یاد سی بن کر پھلے ہیں بادل !

کس کا سندلیہ لائے ہیں بادل ؟

پی بن ہے برسات اندھیری چھا گئی من پر رات اندھیری

ایسے سمے کیوں آئے ہیں بادل ؟

کس کا سندلیہ لائے ہیں بادل ؟

(۴)

برہن کی جوانی

برہن میں بیٹی جاسے جوانی پر تھم! برہن میں بیٹی جاسے جوانی
 روگ لگا ہے کیسا جی کو!
 لکھ دے کوئی پر دیسی پی کو
 پھولوں سی کھلائے جوانی سمجھنی! پھولوں سی کھلائے!
 ایو سی نے من کو ہے گھیرا
 آنسوؤں کا آنکھوں میں بسیرا
 آنسو بنے بہہ جاسے جوانی سمجھنی! برہن کو تر پائے
 رین اندھیر کی سچ ہے سوئی
 پتا پڑی ہے آکر دوئی
 برہن کو تر پائے جوانی سمجھنی! برہن کو تر پائے!!!

(۵)

پر دیسی سے

بھول نہ جانا او پر دیسی او پر دیسی! بھول نہ جانا!
 پھر بھی آنا او پر دیسی! پھر بھی آنا!

چلتے رستے پریت لگائی
بھولے من پر آفت ڈھائی
ہوتی ہے کیا پیڑ پرانی

یہ بھی نہ جانا او پر دیسی ! او پر دیسی ! یہ بھی نہ جانا
بھول نہ جانا او پر دیسی ! او پر دیسی ! بھول نہ جانا

میں تو تھی الہڑ بھولی بھالی
گانو کی سادہ رہنے والی
من تھا مورکھ پریم سے خالی

من تھا مورکھ تو تھا سیانا تو تھا سیانا او پر دیسی !
بھول نہ جانا او پر دیسی ! او پر دیسی ! بھول نہ جانا

شہر میں جا کر دل نہ لگانا !
لوٹ کے پھر اس گانویں آنا !
گانو ہی کا ہے پریم سہانا !

پریم سہانا اور پر دیسی ! او پر دیسی ! پریم سہانا !
بھول نہ جانا او پر دیسی ! او پر دیسی ! بھول نہ جانا
پھر بھی آنا او پر دیسی ! او پر دیسی ! پھر بھی آنا

(۶) انتظار

اب بھی نہ آئے من کے چین
بریت چلی ہے آدھی رین !
ناکوئی ساتھن ناکوئی سجنی ناکوئی میرے پاس سہیلی !
برہہ کی لمبی رات گزاروں ڈر کی مار سی کیسے اکیلی
نیر بہائیں کب تک نین

اب بھی نہ آئے من کے چین
منظر میں تھی ہیں چوٹ پر اور کان لگے ہیں ہر آہٹ پر
آنکھوں سے ننھے ننھے آنسو بہتے ہر اک اک کر دھڑ پر
کرتی ہوں چپکے چپکے بین !!

اب بھی نہ آئے من کے چین
بریت چلی ہے آدھی رین !

(۷)

جدا جی مایہ !

اب تو آؤ پاس ہمارے
دل کے ہمارے آنکھ کے تارے

بیت چلیں ہناب کی راتیں پیار کے میٹھے خواب کی راتیں
 بھر کے دن بھی کتنے گزارے
 اب تو آؤ پاس ہمارے
 کارے کو سوں چھاؤنی چھائی دل سے ہماری یاد بھلائی!
 بیٹھے ہو کب سے ہم کو بساے
 اب تو آؤ پاس ہمارے
 خوش ہے بٹیل سچول کے غم سے اور پتنگا شمع کے دم سے
 ہائے جہیں ہم کس کے سہارے
 اب تو آؤ پاس ہمارے

مکمل قول!!!

سمجھن گھر آؤ سے اب تو ہم کو سو فی رات ڈرائے
 کاری کاری بدلی رلا سے بجلی من میں آگ لگائے
 سو فی رات ڈرائے سا جن — ہم کو سو فی رات ڈرائے
 کوئل کو کے مدد مائی اور کسن کر دھڑکے میری چھائی!
 ایسے سے ہے کون جو میر سے بچھڑے پی کو منا کر لائے
 سو فی رات ڈرائے سا جن — ہم کو سو فی رات ڈرائے

پی پی میرے میں ہوں پی کی بات چھ پاؤں کیونکر جی کی
پی پی کر کے پی کی کہانی 'پا پی پیہا پھر کیوں گائے
سوئی رات ڈرائے سا جن ہم کو سوئی رات ڈرائے

ساون کی گھٹائیں (۹۱)

ساون کی گھٹائیں چھا گئی ہیں!
برسات کی پریاں آگئی ہیں
دل دینے کی رت آتی ہے سینوں میں اُمنگ سمانی ہے
ارمانوں نے عید منائی ہے
امید میں جوانی پا گئی ہیں
کہیں سنبھل و گل کی بہاریں ہیں کہیں سر و دامن کی قطاریں ہیں
کہیں سبزے نے رنگ نکالا ہے
کہیں کلیاں جھاؤنی چھا گئی ہیں
کہیں کوئل شور مچاتی ہے کہیں ببل نشے کاٹی ہے
کہیں مور ہنسنا سناٹے میں
گھسنی بدلیاں دھوم مچا گئی ہیں

ماہیا

پنجابی کا ایک مقبول صنف سخن تفریح کے ساتھ

کیا روگ لگا بیٹھے

کیا روگ لگا بیٹھے

دل ہم کو لٹا بیٹھا ، ہم دل کو لٹا بیٹھے
کیا روگ لگا بیٹھے

مٹ جائے یہ سینے سے

اس عشق میں جینے سے ، ہم ہاتھ اٹھا بیٹھے
کیا روگ لگا بیٹھے

دم عشق کا بھرتے ہیں !

ہم یاد انہیں کرتے ہیں ، وہ ہم کو بھلا بیٹھے
کیا روگ لگا بیٹھے

لکھا تھا قسمت میں

آخر کو محبت میں ، ہم جان گنا بیٹھے !
کیا روگ لگا بیٹھے

شہنشاہ

اختر شیرانی کا پانچواں مجموعہ کلام

چهره نما

بجای آتش زنده هر که ز برق پرده بردارد
به شهنوازش سده هر گاه گیرد اوج شهنوازش

پہلا خط

اس شوخ نے لکھا ہے ہمیں پہلی بار خط !
 جس پر فدا ہزار نہیں ، سو ہزار خط !
 ہونٹوں سے کھولتا ہوں لفافہ کہ بند رہے
 کچھ دور ہی سے کی اک یاد کا رخط
 ظالم نہیں ، یہ ان کی طرح سنگدل نہیں
 سینے سے آگامے بے اختیار خط
 یہ پھول ہے کہ پھول سے عارض کا عکس ہے
 یکسر ، بنا ہوا ہے طلسم . ہمارے خط
 حیران ہوں کہ ان میں سے کس پر کروں یقین !
 یہ بے حجاب طرز ، یہ بیگانہ وار خط
 کس نازنیں کے ہاتھ کا پر تو ہے کیا کہوں ؟
 یہ خط ، یہ دل فریب خط ، اور عطر بار خط
 ہر لفظ میں چھپی ہیں ہزاروں لطافتیں
 کس نازنیں کے عشق کا ہے راز دار خط
 میری نگاہ شوق سے شرمانے کیوں نہ یہ ؟
 ایک پردہ دار حسن کا ہے پردہ دار خط

ایک ایک حرف دل میں سما جائے ناز سے
 پڑھنا ہوں اس لئے میں ترا بار بار خط
 بیداریوں پہ بھی ہے گماں مجھ کو خواب کا
 یہ آنکھیں اور یہ مرے پروردگار خط
 یہ سوز و ساز آہ، یہ جذب و گداز ہائے
 یہ بے قرار لفظ، یہ سینہ فگار خط!
 اختر کے آنسوؤں کی دعائیں متبول کر
 اے اُس کے دردِ عشق کے آئینہ دار خط

ترانہ بہار

بہشت زار بخودی سے اڑ کے آ رہا ہوں میں
 شرابِ خوشگوار کے ترانے گارہا ہوں میں
 زمین و آسماں پہ نقشہ بن کے چھا رہا ہوں میں
 نہ یہ خبر کہ کون ہوں جو نہ یہ خبر کہاں ہوں میں؟
 زمین پہ ہوں؟ فضا میں ہوں؟ کہ زیب آسماں ہوں میں؟
 جو ہوش ہے تو اس قدر کہ بخود و جواں ہوں میں
 زمیں پر آج ہو رہی میں بارشیں شراب کی!
 افق پہ محورِ قوس میں تراوشیں شراب کی!

عنایتیں شباب کی، نوازشیں شراب کی

عروسِ نو بہار ہے، نراناہ بارِ باغ میں!

مچلتی ہے نوا سے بلبِ دہزارِ باغ میں!

ہے آج تہنیت میں محوِ جو بہارِ باغ میں

بہار آئی ہے، تمام لالہ زارِ مست ہے

فضائے سبزہ زار و دشت و کوہِ مست ہے

چمن ہو یا دمن، بہار در بہارِ مست ہے

نمودِ فصلِ گل ہے آج، کائناتِ شاد ہے

سرورِ زار و ہر و محفلِ حیاتِ شاد ہے

نوا اگر مئی بر لبِ تخیلاتِ شاد ہے

مبارک آج کا حسین منظرِ این و آن کو ہو

بہارِ تان یہ نصیب سارے گلستاں کو ہو

جو انبساطِ دل کو ہو تو اہتِ سرازِ جاں کو ہو

کدھر ہے ساقی حسین، شرابِ لاکِ شراب لا

مرے لئے ایاغِ گل میں نورِ ماہِ تاب لا

خوشی کا جذبہ دل میں ہے خوشی کا آفتاب لا

وہ جامِ لاکہ جس کو پنی کے غم کو میں سزائیں دوں

خوشی کو لاؤں و جار میں، سرور کو صدائیں دوں

اور اس ہجومِ کیف میں بہار کو دُعا میں دوں

کئی دن سے!

آئی نہیں وہ جانِ بہار اں کئی دن سے!
 دیکھا نہیں وہ چہرہٴ شبنم اں کئی دن سے
 افسردہ ہے رُوحِ چمنستان کئی دن سے
 ناشاد ہیں سرو و گل و ریحال کئی دن سے

غم خانہ ہے نظروں میں گلستان کئی دن سے
 آئی نہیں وہ جانِ بہار اں کئی دن سے!

میں ڈھونڈتا ہوں جس کو وہ مہ پارہ کہاں ہے؟
 وہ جنتِ انوار کا نظارہ کہاں ہے؟
 شادابی و نکہت کا وہ گہوارہ کہاں ہے؟
 میری شبِ افکار کا ستارہ کہاں ہے؟

محرومِ ضیا کیوں ہے؟ شبستان کئی دن سے
 آئی نہیں وہ جانِ بہار اں کئی دن سے!

حیراں ہوں مرے سروِ خراماں کو ہوا کیا ہے
 اس شمعِ شبستانِ دل و جاں کو ہوا کیا ہے
 تشنہ ہے فضاِ جلوہٴ جاناں کو ہوا کیا ہے

بے تاب ہیں گل، اُس گلِ خنداں کو ہوا کیا ؟
 ناراض ہے کیوں وہ گلِ خنداں کئی دن سے
 آئی نہیں وہ جانِ بہاراں کئی دن سے !

ہے دُور نگاہوں سے وہ جانِ چمنستان
 مغموم ہے ایک ایک جوانِ چمنستان
 بے تاب ہے چشمِ نگرانِ چمنستان
 پڑمردہ ہیں شادابِ رُخسانِ چمنستان

محرومِ طرب ہے چمنستان کئی دن سے
 آئی نہیں وہ جانِ بہاراں کئی دن سے !

دیدار کی اُمید میں بے تاب ہیں آنکھیں
 بے نور ہیں، بے رنگ ہیں، بے آب ہیں آنکھیں
 تاروں کی طرح، رات کو بے خواب ہیں آنکھیں
 پھر شبنمِ دیدِ گلِ بہتا ہے ہیں آنکھیں !

مچلے نہیں آنکھوں میں خیاباں کئی دن سے
 آئی نہیں وہ جانِ بہاراں کئی دن سے

کیا بات ہوئی، کیوں وہ فلکِ ناز نہ آئی ؟
 وہ شوخ ادا، حورِ فسوں ساز نہ آئی ؟
 وہ سپکرمہ، ہیکلِ اعجاز نہ آئی ؟

ویراں ہے شبستاں کوئی آواز نہ آتی ؟

کیوں دور ہے وہ ماہ خراماں کئی دن سے
آتی نہیں وہ جانِ بہاراں کئی دن سے !

ہے پیشِ نظر، پسِ کِ گلفامِ کسی کا !
کہتا ہے فسانہ دلِ ناکامِ کسی کا !
واریستگیِ شوق ہے اور نامِ کسی کا !
دہرائی ہے قصۂ شفقِ شامِ کسی کا !

دیکھا نہیں رزمے شفقِ افشاں کئی دن سے
آتی نہیں وہ جانِ بہاراں کئی دن سے !

وہ جانِ چمن، رُوحِ چمن زار، کدھر ہے ؟
وہ لعلِ حسین و درِ بخ گلستاں، کدھر ہے ؟
بے تاب ہے دلِ صورتِ دلدار، کدھر ہے ؟
مضطرب ہے منظرِ جاوہِ گل کا، کدھر ہے ؟

لہرائے نہیں کاکلِ رقصاں کئی دن سے
آتی نہیں وہ جانِ بہاراں کئی دن سے !

تسکین کا اثر بزمِ گلستاں میں نہیں ہے !
خوشبوئے سکوں لالہ وریجاں میں نہیں ہے !
راحت کوئی انبوہِ بہاراں میں نہیں ہے !

اب صبر کی طاقت، دلِ ناداں میں نہیں ہے
 بے تاب ہے اخترِ دلِ ناداں کئی دن سے
 آئی نہیں وہ جانِ بہاراں کئی دن سے!

انتظارِ دعوت

شملے کی وادیوں میں ہمیں کب بلاؤ گی؟
 روٹھی ہوئی اُمید کو کب تک مناؤ گی؟
 کس دن بہارِ چہرہ گلگوں دکھاؤ گی؟
 کس رات ابرِ زلف سے بجلی گراؤ گی؟
 شملے کی وادیوں میں ہمیں کب بلاؤ گی؟

کب سے تمہاری یاد میں دل بے قرار ہے؟
 کب سے تمہارے ہجر میں سینہ فگار ہے؟
 کب سے تمہارے خط کا ہمیں انتظار ہے؟
 تکلیفِ انتظار سے کب تک چھڑاؤ گی؟
 شملے کی وادیوں میں ہمیں کب بلاؤ گی؟

کب تک پھر میں گئے غم زدہ شہر و دیار میں
 بھٹکیں گے کب تلک چمن و سبزہ زار میں
 روئیں گے پھول دیکھ کے کب تک بہار میں

تم اپنے عارضوں کی جھلک کب دکھاؤ گی ؟
 شملے کی دادیوں میں ہمیں کب بلاؤ گی ؟

میں شہر میں کبھی، کبھی دیرانے میں قیام
 صحرا میں ہیں کبھی، کبھی کاشانے میں قیام
 مسجد میں ہیں کبھی، کبھی بت خانے میں قیام
 تم اپنا آستان ہمیں کس دن بتاؤ گی ؟

شملے کی دادیوں میں ہمیں کب بلاؤ گی ؟

کب بُنے پیراں ہمیں بے خود بنائے گی ؟
 کب چشمِ مست، ساغر و مینا گر اے گی ؟
 زلفِ سیاہ، سینے پہ کب لہلہائے گی ؟
 کس دن نشاط و لُٹہ و نہکت لٹاؤ گی ؟

شملے کی دادیوں میں ہمیں کب بلاؤ گی ؟

دیراں ہے کائنات تمہارے فراق میں
 غمگین ہیں شش جہات تمہارے فراق میں
 ظلمت کدہ ہے رات تمہارے فراق میں
 برقِ جمال سے اسے کب جلکاؤ گی ؟

شملے کی دادیوں میں ہمیں کب بلاؤ گی ؟

راتوں کو دیکھتے ہیں تمہارے ہی خواب ہم

پاتے ہیں اپنے سامنے سوما ہتھاب ہم
 اٹھتے ہیں روز صبح کو دیدِ پُر آب ہم
 راتوں کو اس طرح، کہو کب تک ستاو گی؟
 شملے کی وادیوں میں ہمیں کب بلاؤ گی؟

دل میں جو تھے اُمید کے سامان، مٹ چلے
 شاداب آرزوؤں کے طوفان مٹ چلے
 دل کیا مٹا! کہ دل کے سب سامان مٹ چلے
 گملا رہے ہیں پھول، انہیں کب کھلاؤ گی؟
 شملے کی وادیوں میں ہمیں کب بلاؤ گی؟

سوچو! کہ پھر زمانہ کہاں اور ہم کہاں؟
 یہ عشق کافانہ کہاں اور ہم کہاں؟
 یہ وقت یہ ترانہ کہاں اور ہم کہاں؟
 پھر اس سسے کا نام و نشان تک نہ پاؤ گی!
 شملے کی وادیوں میں ہمیں کب بلاؤ گی؟

پھر وادیوں میں ایسی ہوائیں نہ آئیں گی!
 چشموں کی دھیمی دھیمی صدا نہیں نہ آئیں گی!
 کہسار پر یہ مست گھٹائیں نہ آئیں گی!
 ان قیمتی نظاروں کو کب تک لٹاؤ گی؟

شملے کی وادیوں میں ہمیں کب بلاؤ گی؟

مستقبل اس جہاں میں فقط نقشِ خام ہے
امید کا حباب کی صورت قیام ہے
اور عمر، بادلوں کی طرح تیسرے کام ہے
کب تک یہ عمر — عمر جوانی گنواؤ گی؟

شملے کی وادیوں میں ہمیں کب بلاؤ گی؟

دن رات ہے پیامِ محبت کا انتظار
آنکھیں ہیں اور نامہ شیریں کا انتظار
افت انتظار اور یہ قیامت کا انتظار
کب تک یہ انتظار کی تکلف مٹاؤ گی؟

شملے کی وادیوں میں ہمیں کب بلاؤ گی؟

بھولی بھولی خوشبو

ایک خط کی رسید

پھر وہی بھکتِ ستارہ کدھر سے آئی؟
سحر دم کیسے سونے جاناں کدھر سے آئی؟

ساہا سال کی محرومی و تنہائی کے بعد

یہ انیس دل دیوانہ کدھر سے آئی؟

آہ وہ نکبتِ مدہوش جو کھودیتی تھی ہوش
پھر جلو میں لئے میخانہ کدھر سے آئی؟

ایک دن جس سے ہلکتا تھا حریمِ سلائے
وہی "خوشبو" دل دیوانہ کدھر سے آئی؟

ایک بھولا ہوا خواب ایک بھلائی ہوئی یاد
رے کے یہ مونس جانانہ کدھر سے آئی؟

اُس کے پیراہن رنگیں میں جو بستی تھی ہلک
پھر بناتی ہوئی دیوانہ کدھر سے آئی؟

چپکے چپکے جسے سُنتی تھی شبِ وصل، نصیب
گنگناتی وہی افسانہ کدھر سے آئی؟

جس کی مستی میں ہیں گم، ارض و سماں تک وہیم
پھر لٹاتی ہوئی میخانہ کدھر سے آئی؟

جس کی ہر لہر میں ہے حسنِ غزل خواںِ دہیم
آج یوں جانبِ کاشانہ کدھر سے آئی؟

جس کی ہر موج میں فردوس ہے رقصاںِ ہوا
پھر لندھاتی ہوئی خیم خانہ کدھر سے آئی؟

جس کے قدموں پہ پری خانہ انجم ہوا
وہ پری، جانِ پری خانہ کدھر سے آئی؟

جس کو احساس کے ہونٹوں سے پیا کرتے تھے
 حور اٹھائے وہی پہیانہ کدھر سے آئی؟
 رہ گزاروں پہ ہوا کرتی تھی جس کی حسرت
 گھر پہ وہ نہکت شاہانہ کدھر سے آئی؟
 رے کے گیسوئے سلیبی کا پیام رکھیں!
 آج یہ قاصدِ جانانہ کدھر سے آئی؟

عزم رنگیں

میں خواب بن کے تیرے شبستاں میں آؤں گا

میں خواب بن کے تیرے شبستاں میں آؤں گا
 چپکے سے خواب گاہ کے پردے اٹھاؤں گا
 دستِ نوبا کی طرح تجھے گدگداؤں گا
 اور تیرے پائے ناز پہ سجدے لٹاؤں گا
 میں خواب بن کے تیرے شبستاں میں آؤں گا

ہر چند راہ روکیں گے دیوار و درت سے
 آنے نہ دیں گے باغ میں نخل و شجر تہ سے
 چوموں گا دستِ ناز میں آکر مگر تہ سے!

دزدِ حنا کی طرح تجھے گدگدِ آؤں گا !
میں خواب بن کے تیرے شبستاں میں آؤں گا

تو میرے پاس آنے سے معذور ہی سہی
میرا سنا برق بھی تجھے منظور ہی سہی !
یہ بھی سہی کہ مجھ سے بہت دُور ہی سہی !
ان دُوریوں کو وصل کا عالم دکھاؤں گا !
میں خواب بن کے تیرے شبستاں میں آؤں گا

تو مجھ خواب ہو گی شبستانِ ناز میں !
آسودہ، اپنی خلوتِ رنگیں طرازی میں !
مُنہ کو چھپائے سایہ زلفِ دراز میں !
سایہ سا بن کے میں بھی نظر میں سماؤں گا !
میں خواب بن کے تیرے شبستان میں آؤں گا

تسلیم ہے بہت سے خلل ہوں گے راہ میں
بے شک اتنا ہوں کے محل ہوں گے راہ میں
دریا و کوہ و دشت و جبل ہوں گے راہ میں
دریا و کوہ و دشت کو نیچا دکھاؤں گا !
میں خواب بن کے تیرے شبستاں میں آؤں گا

بے خواب ہو گی گر تو شبِ مشکبار میں !

کھوئی، ہوئی ترانہ ابر بہار میں !
 میں آ بسوں گا دیدہ افسانہ کار میں !
 اور اک فسانہ تجھ کو سنا کر، سلاؤں گا !

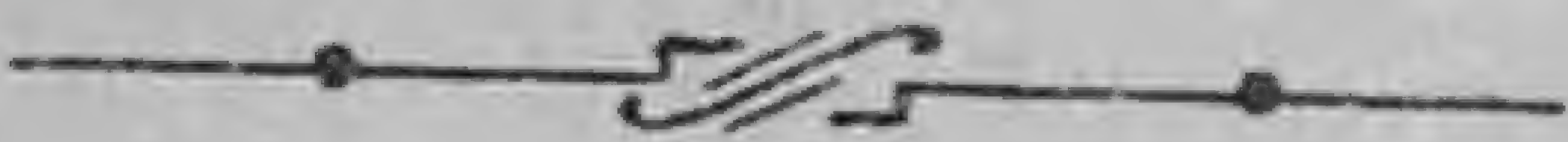
میں خواب بن کے تیرے شبستاں میں آؤں گا

قرباں کروں گا تجھ پہ گلِ نو بہار، میں !
 نعل و گہر مزگاؤں گا، بہرِ نثار، میں !
 پہناؤں گا گلے میں، ستاروں کے ہار میں
 بستر پہ تیرے خلد کی کلیاں بچاؤں گا

میں خواب بن کے تیرے شبستاں میں آؤں گا

دیکھے گی خواب میں تو منظر سے بہار کے
 منظر دں میں جگر گاہیں گے تار سے بہار کے
 رقصاں لبوں پہ ہوں گے شراب سے بہار کے
 اور میں ترے لبوں سے شراب سے چاؤں گا !

میں خواب بن کے تیرے شبستاں میں آؤں گا



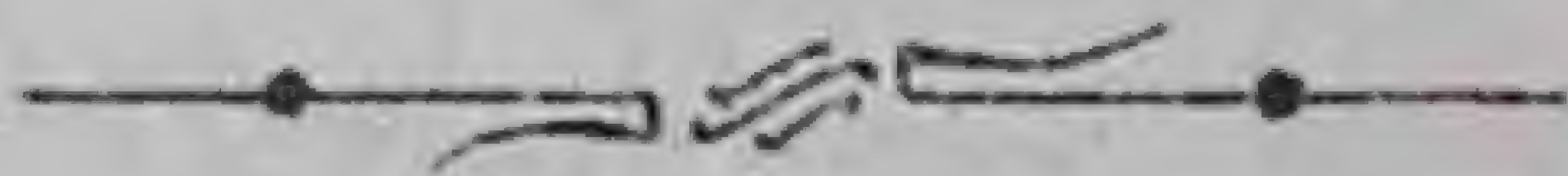


جہاں ات آموزی

(مستزاد)

آپ سے پیار کیا؟
 دل کو سرشار کیا؟
 دل کو جرات ہی نہ تھی
 وقف آزار کیا؟
 مہ جبینوں کے لئے
 ناحق انکار کیا؟
 یہ حلاوت کیلئے؟
 فتنہ بیدار کیا؟
 یہ شرارت کیا تھی؟
 مجھ کو ناحیہ کیا؟
 یہ جہاد و اختیاریہ
 آپ سے پیار کیا

کیا ہوا میں نے اگر عشق کا اظہار کیا
 آپ نے کیوں مرے ارماؤں کو بیدار کیا
 غم کا اقرار کروں مجھ میں یہ ہمت ہی نہ تھی
 دل کو کیوں کیسوئے مشکیں میں گرفتار کیا
 ”دل پڑی“ تو ہوا کھیل حسینوں کیلئے
 ”دل دہی“ پڑی کیوں غصہ کا اظہار کیا
 کیا خبر تم کو ابھی عشق میں لذت کیا ہے
 تم نے کیا سوچ کے اس درد سے انکار کیا
 پہلے ہی نامے میں ”کھل جاؤ“ ضرور کیا تھی
 حوصلہ کیوں مری امیدوں کا بیدار کیا!
 وہ خفا ہوں کہ ہنسیں ان کو تباہ و اختر
 اب تو جو کچھ ہو سو ہو عشق کا اظہار کیا



رخصت کے بعد

جب سے رخصت ہوئی وہ انجمن آراہمدم!

میں نے اک لمحہ خوشی کا نگزارا ہمددم!

چھن گیا میری اُمیدوں کا سہارا ہمددم!

چھپ گیا میرے شبستاں کا ستارا ہمددم!

جب سے رخصت ہوئی وہ انجمن آراہمدم!

جب سے رخصت ہوئی وہ رہتا ہوں نرا اداس

دل میں میں شعلہ فشاں، رنج و الم، حسرت و پیکس

کوئی تسکین نہ تسلی، کوئی اُمید نہ اس

کر گئے حجر میں رب مجھ سے کتنا آراہمدم

جب سے رخصت ہوئی وہ انجمن آراہمدم!

میری آنکھوں میں مچلتی ہیں ادائیں کس کی؟

چنگیاں لیتی ہیں سیپنے میں حیاتیں کس کی؟

ہر گھڑی کان میں آتی ہیں صداہیں کس کی؟

ہر گھڑی کہتا ہوں یہ کس نے پکارا ہمددم!

جب سے رخصت ہوئی وہ انجمن آراہمدم!

میری وحشت کو بڑھاتی ہے چمن کی صورت

دل کو تر پاتی ہے شمشاد و سمن کی صورت !
 یاد آجاتی ہے اُس غنچہ دہن کی صورت !
 بھولتی ہی نہیں نظریں یہ نظام ہمدم !
 جب سے رخصت ہوئی وہ انجمن آرا ہمدم !

اُس کے جانے سے فضاؤں میں طراوت نہ رہی
 باغ کا رنگ اُترا ، پھولوں میں نکھرت نہ رہی
 جلوہ زارِ مہ و انجم میں وہ طلعت نہ رہی
 مجھ گیا سب کے مقدر کا ستارہ ہمدم !
 جب سے رخصت ہوئی وہ انجمن آرا ہمدم !

کبھی وحشت لئے پھرتی ہے خیابانوں میں !
 کبھی تکمیل جنوں ہوتی ہے دیرانوں میں !
 اور کبھی روتا ہوں جا کہ شجرستانوں میں !
 کہ چن میں نہیں کوئی چمن آرا ہمدم !
 جب سے رخصت ہوئی وہ انجمن آرا ہمدم !

نظام رنگیں

اٹھا جام ساقی ، جہاں کو بدل دیں !
 نظام زمین و زماں کو بدل دیں !

پلا دے کچھ ایسی کہ ٹھوکر لگا کر !

زمین ہی نہیں آسمان کو بدل دیں

عمارت ہے بوسیدہ، ساغر ہیں کہنہ

ضرورت ہے، دیرِ منہاں کو بدل دیں

طبیعت ہے بیزار اس کہنگی سے

نماشہ گہرِ پاسبان کو بدل دیں

حکومت ہے اب ماومن کی جہاں میں

اٹھ اس ماومن کے جہاں کو بدل دیں

خزاں چھا رہی ہے گل و گلستاں پر

طرازِ گل و گلستاں کو بدل دیں !

کرین مستِ صہبا ہم آئیں گروں کو

اور آئین ہند و ستاں کو بدل دیں

ضرورت ہے اک ساتھی نوجواں کی !

ہے موقع کہ سپرِ منہاں کو بدل دیں

وہی ایک منظر ہے صدیوں سے طاری

طلسمِ مکہ و کہکشاں کو بدل دیں !

ہے امن و امان، موت انسانیت کی !

فنا زارِ امن و امان کو بدل دیں !

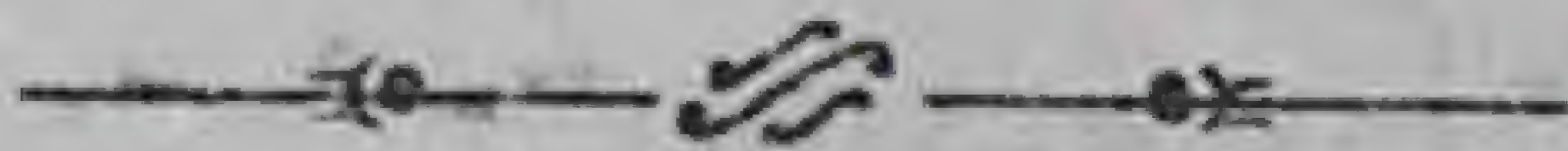
حکومت کی بنیاد ہے خود گری پر
 ہم اس خود گری کے جہاں کو بدل دیں!
 ہے گمراہ رہبر، شب تار سر پر
 چلیں ہم رو کا رواں کو بدل دیں
 کچھ اس طرح گردش میں لا جام مے کو
 کہ ہم گردش آسماں کو بدل دیں
 حیات و عدم پر کریں اپنا قبضہ
 طلسماتِ ہر دو جہاں کو بدل دیں
 کہاں تک یہ جانِ حزیں، جسم لاغر!
 اٹھو ہیئتِ جسم و جاں کو بدل دیں
 ہے طاقت ہی سے زندگانی عبارت
 تو فولاد سے پر نیاں کو بدل دیں
 صنم گاہِ یوناں کو بھی ریشک آئے
 کچھ اس طرح ہر نوجواں کو بدل دیں
 کلیسا کو ہے فکر، تعمیرِ نو کی!
 حرم والے اپنے جہاں کو بدل دیں
 ہمارے دہن میں زباں غیر کی ہے!
 بنیں غیسرا اور اس زباں کو بدل دیں

محبت، خوشی کا ترانہ ہے کہہ دو
 کہ عشاق طرزِ فناں کو بدل دیں
 خدائی کی ہر شے کو بدلیں ہم خستہ
 یہاں تک کہ اس "دستاں" کو بدل دیں

طالع بہار!

پھر بہار آئی چمن میں پھول برسائی ہوئی
 ہر قیم پر رنگ و بو کے زمزمے گاتی ہوئی
 جلوہ ہائے تازگی و رنگ آنکھوں میں لئے
 نشہ ہائے نغمہ و آہنگ برساتی ہوئی
 کان میں پھولوں کے آویزے کہ پریاں رقص میں
 دوش پر بادل کہ زلفِ حور لہراتی ہوئی
 عارضِ گلِ رنگ سے گلزار برساتے ہوئے
 دیدہ میگوں سے مینخانے سے چھلکاتی ہوئی
 فصلِ گل ہے یا کوئی دوشیزہ رنگیں بدن
 فرشِ گل سے صبح دم اٹھی ہے شرما تی ہوئی
 بن کے نور و نکہت مستی کا اک گلابِ سحاب
 جھومتی، اٹھتی، مچلتی، پھیلتی، چھپاتی ہوئی

ہر نظر سے بادۂ مستی کی کیفیت عیاں
 ہر ادا حسن و شباب و کیف برساتی ہوئی
 اپنی زلفِ عطر آلودہ کی ہر جنبش کے ساتھ
 حوریانِ یاسمین و گل کو ہکاتی ہوئی
 لالہ زار و سنبلستان کی نمو کے رنگ میں
 سبزہ زاروں میں پرِ طاؤس پھیلاتی ہوئی
 سرورِ بچاں مست ہیں نسرین و زکس مست ہیں
 چار سواک نشہ بے نام برساتی ہوئی
 سبزے پر شبنم کے سیمیں قطرے کر کے منتشر
 ہر زمرہ زار پر موتی سے برساتی ہوئی
 اودے اودے بادلوں میں بجلیاں مضطر ہیں یا
 نور کی کچھ ناگنیں غاروں میں بل کھاتی ہوئی
 شاخِ رقصاں پر نہیں ہیں طائرانِ نغمہ سنج
 تنہی پر یاں سبزہ گوں گشتی پہ ہیں گاتی ہوئی
 مژدہ بادے میکر و، پھر دھوم سے آتی بہار
 رخصت اے توبہ، کہ پھر آفاق پر چھاتی ہوئی



ساقی نامہ

غم زمانہ نہیں اک عذاب ہے ساقی!
شراب لا، مری حالت خراب ہے ساقی!
شباب کے لئے توبہ عذاب ہے ساقی!
پلا شراب کہ پاسِ شباب ہے ساقی!
پلا دے آج تو جتنی شراب ہے ساقی!
کہ موسمِ گل و فصلِ شباب ہے ساقی!
کھلا رہی ہے نئے پھول، یا سمیںِ فلک
پلا وہ پھول کہ رشکِ گلاب ہے ساقی!
پھلک رہا ہے یہ ساغریں کس کا حسن و شباب
یہ کون پر وہ نشیں بے حجاب ہے ساقی!
اٹھا پیالہ کہ گلشن پہ پھر برکسنے لگی
وہ مے کہ جس کا قدح ماہتاب ہے ساقی!
ڈبو دے آج تو مجھ کو، خوابِ ساغریں
کہ زندگی کا محل بھی خواب ہے ساقی!
ہیں سحر مے سے مبہم، میکدے میں شام و سحر!
کہ ماہتابِ قدح، آفتاب ہے ساقی!

جھلک رہی ہے یہ ساغر میں تیری برق جمال
 کہ میرا گم شدہ رنگیں شباب ہے ساقی!
 نکال پردہ مینا سے دستِ رزکو!
 گھٹا میں کس لئے یہ ماہتاب ہے ساقی!
 سیاہ خانہ غم بن رہی ہے کل دنیا
 کہ بادلوں میں ترا آفتاب ہے ساقی!
 یہ سوزِ دائمی کب تک، برنگِ لالہ طور؟
 یہ زندگی تو سراسر عذاب ہے ساقی!
 کتاب پڑھنے سے زائد کو جلا کے مسجد میں
 مرے لئے ترا ساغر کتاب ہے ساقی!
 زمانے بھر کے غموں کو ہے دعوتِ آزار
 کہ ایک جام میں سب کا جواب ہے ساقی!
 گرا دیں ایک ہی ٹھوکر میں قصرِ ہستی کو
 پلا کے آج کس انقلاب ہے ساقی!
 پڑی ہے عمر بہت، زہرِ دردِ پینے کو
 شراب سے ابھی فصلِ شباب ہے ساقی!
 چل اک بہشت بسائیں سرورِ مستی کی
 بہشتِ دہر تو غم سے خراب ہے ساقی!

چھکا دے آج کہ کل کی خبر کسے معلوم
 نشاطِ عمر، نمودِ حساب ہے ساقی!
 شبِ شباب کئے کس طرح وہ تیغ اٹھا
 کہ جس کا بادہ گُلگوں خطاب ہے ساقی!
 یہ کس کی یاد میں روتی ہے آج رہ رہ کر
 گھٹا ہے یا مری چشم پر آب ہے ساقی!
 ہے میکدے پہ کوئی اور میکدہ رقصاں
 کہ اس بہار کا پہلا سحاب ہے ساقی!
 تو واعظوں کی نہ سن، میکشوں کی خدمت کر
 گناہِ ثواب کی خاطر، ثواب ہے ساقی!
 مجھے پسند ہے دنیا میں اپنی ناکامی
 کہ ہر ذلیل یہاں کامیاب ہے ساقی!
 نکال، دستِ مدینائی سے وہ مصرعِ تر
 کہ جس کا مصرعِ ثنائی گلاب ہے ساقی!
 اگر شراب ہوئی ختم، قندِ لب ہی سہی!
 جہاں میں رندوں کی خدمتِ ثواب ہے ساقی!
 پلا دے تو بھی مئے بے حساب خستہ کو
 غمِ زمانہ اگر بے حساب ہے ساقی!

کلام جس کا ہے معراجِ حافظ و خیام !
 یہی وہ اخیستِ خانہ خراب ہے ساقی !
گاگر بھرے ہوئے

جوئے رواں وہی ہے ، وہی آبشار ہے
 ہر سو رواں دواں وہی موج بہار ہے
 شادابیاں برستی ہیں جنت کی ، ہر طرف !
 جنگل پہ تازگی ہے ، فضا پہ نکھار ہے
 رنگینیاں اُبلتی ہیں آغوشِ خاک سے
 رنگینیوں سے مست ہر اک سبزہ زار ہے
 وہ جانِ نو بہار مگر جا چھپا کہاں ؟
 میری نگاہ جس کے لئے بے قرار ہے
 ویران آج کس لئے یہ رہزار ہے ؟

ماتم بہار !

نہ پھولوں کا موسم ، نہ رنگیں بہاریں !
 نہ بادل کہ زلفِ چمن کو سنواریں !
 یہ حسرت زدہ فصل ، کیونکر گذاریں !

کہاں جا بسیں، اے خزاں، وہ بہا رہیں؟

یہ روئے چمن پر وہ رنگینیاں ہیں
نہ گل ہیں نہ گلچیں نہ گل چدینیاں امیں
نہ سرسبز شاخوں کی نازک قطاریں !

کہاں جا بسیں، اے خزاں، وہ بہا رہیں؟

نہ باد گل افشاں، فضا میں خراماں
نہ کوثر کے طوفاں ہوا میں خراماں
کہ بادل کی پریاں چمن میں اُتاریں

کہاں جا بسیں، اے خزاں، وہ بہا رہیں؟

نہ ساحل پہ رونق، نہ دریا میں پانی !
نہ وہ مست صبحیں، سُہانی سُہانی !
نہ ہر سو گل و غنچہ کی وہ قطاریں !

کہاں جا بسیں، اے خزاں، وہ بہا رہیں؟

بہارِ لطافت، گئی گلشنوں سے !
گلوں کی طراوت گئی گلشنوں سے !
عباس نے خوشبو نہ وہ جو بہا رہیں !

کہاں جا بسیں، اے خزاں، وہ بہا رہیں؟

دلوں پر ہے داغ اور جذبات ویراں

ہیں شام و سحرِ مردہ، دن رات ویراں
یہ ویراں دن رات کیسے گزاریں!

کہاں جا بسیں، اے خزاں، وہ بہاریں؟

تجھے مجھ سے پیار کیوں ہے

مجھے پیار کرنے والی، تجھے مجھ سے پیار کیوں ہے؟
مری یاد میں تو ہر دم، یوں ہی بے قرار کیوں ہے؟
تیرا رنگ زرد کیوں ہے تیرا حال زار کیوں ہے؟

تجھے اضطراب کیوں ہے؟
تجھے مجھ سے پیار کیوں ہے؟

ہیں ستارے سر بسجود ترے کوئے ناز میں پر!
مہ و آفتاب قرباں ہیں جمالِ دل نشیں پر!
ہے بہارِ خلدِ صدقے ترے روئے یاس میں پر!

ترا دل، فگار کیوں ہے؟
تجھے مجھ سے پیار کیوں ہے؟

چمن جہاں میں مثلِ گلِ داغدار ہوں میں!
کہ بہارِ عمرِ رفته کا الم گسار ہوں میں!
تو ہے رشکِ غنچہ و گل، تو مثالِ خلد ہوں میں!

تو رہیں خار کیوں ہے؟
تجھے مجھ سے پیار کیوں ہے؟

ترے غم کو نذر کیا دوں کہ گنوا چکا جوانی!
کسی اور آستان پر میں مٹا چکا جوانی!
میں بھلا چکا محبت، میں لٹا چکا جوانی!

تو گلے کا ہار کیوں ہے؟
تجھے مجھ سے پیار کیوں ہے؟

میں نثار کر چکا ہوں، ہوسِ بتاں پہ عمر میں!
اسی دھن میں صرف کر دی ہیں درمغانِ عمر میں
کروں نذر اب کہاں سے تھے آستانِ عمر میں

تو یوں سو گوار کیوں ہے؟
تجھے مجھ سے پیار کیوں ہے؟

مجھے کیا خبر تھی اک دن تجھے مجھ سے پیار ہوگا؟
مری آرزو میں جینا تجھے ناگوار ہوگا؟
مری ”غم نگاریوں“ پر ترا دل نثار ہوگا؟

ترا دل نثار کیوں ہے؟
تجھے مجھ سے پیار کیوں ہے؟

غمِ عاشقی میں برسوں، میں خراب ہو چکا ہوں!

کئی بار دل دیا ہے، کئی بار روچکا ہوں !
ترے غم کو کیا کروں اب، کہ غموں میں کھوچکا ہوں !

ترا غم شعار کیوں ہے ؟
تجھے مجھ سے پیار کیوں ہے ؟

حکایہ عشق کا افسانہ

یادِ ایام کا افسانہ سناتی کیوں ہو ؟
چھپرتی کیوں ہو مجھے، آہ ستانی کیوں ہو ؟

مجھ سے نفرت ہو تو تم کو اسی نفرت کی قسم
میری خواہیدہ محبت کو جگاتی کیوں ہو ؟

آہِ اودہ جذبہ جسے بھول گیا مدت سے
یادِ آکے مجھے، یاد دلاتی کیوں ہو ؟

تم تو واقف بھی نہ تھیں عشق کے معنی سے کبھی
اب تجھے عشق کا مفہوم جتانی کیوں ہو ؟

جس کو مدت سے بھلا دینے کی کوشش کی تھی
یادِ ایام کا وہ نغمہ سناتی کیوں ہو ؟

شمعِ دل بجھ گئی، ہاں مجھ چکی ایک مدت سے
اب پھر امید کی کرنوں سے جلاتی کیوں ہو ؟

پوچھتی بھی نہ تھیں جب نیند نہ آتی تھی مجھے
اب مری خواب کی دنیا کو بساتی کیوں ہو؟

تم تو پروا بھی نہ کرتی تھیں مرے رونے کی
اب مری یاد میں یوں اشک بہاتی کیوں ہو؟

سوچکی رُوح مری پاس کی تاریکی میں
اب اسے عشق کے نغموں سے جگاتی کیوں ہو؟

سازِ دل ٹوٹ چکا، تارِ محبت ہے خموش
اب اسے زخمِ الفت سے جگاتی کیوں ہو؟

مختصر یہ ہے کہ اب جب کہ وہ دل ہی نہ رہا
”عالمِ عشق“ کا افسانہ سناتی کیوں ہو؟

جزیرۂ خواب

رنگین ————— کچھ روحیں، کچھ کم سن روحیں دیکھ رہی ہیں خواب
معصومانہ خواب!

زترین ————— روئے عالم خواب ہے، رقصاں کشتی ہتھاب
اک طفلانہ خواب

معصوم ————— ایک نضائے سیمیں، نور و نکہت سے معمور
سرشار و مدد ہوش

موہوم — ایک سواد، رنگین، حسن و حیرت سے معمور!
جنت کا ہمدوش!

آزاد — نیند کی موجوں پر ہے رواں یہ کشتی خاموش
بزمِ جہاں سے دور

دلشاد — یہ روحیں ہیں آسودہ اس کشتی میں مدہوش
کون و مکان سے دور

ملاح — اس کی 'پری' ہے نیند کی، جانا سوئے وادیِ خواب
نقشِ بہارِ خواب

خاموش — امن و سکون کا ایک جزیرہ روئے وادیِ خواب
ایک دیارِ خواب

ہمارے تاروں بھری رات

سردادی ماہ، شامِ بہار
پروٹی ہے تاروں کے زردین ہار

فضاؤں میں شمعیں فروزاں ہوئیں!
کہ زرخوشس پریاں نمایاں ہوئیں

یہ مغنوم تارے ہیں نکھرے ہوئے
کہ گلہائے زردیں ہیں بکھرے ہوئے

یہ تارے ہیں یا حسرتوں کے چراغ
 امیدوں کے پھول، آرزو کے ایاب
 سر نیل اُبھرے طلائی حباب
 کہ زہرہ جبینوں کے رنگین خواب
 یہ آنسو ہیں حُورِ انِ معصوم کے!
 کہ ارماں ہیں دہائے مغموم کے
 ہیں سیمیں سفینے پرستان کے
 کہ شفاف موتی ہیں عثمان کے
 بہشتوں کی شبیہ کے آنسو ہیں یہ
 کہ فردوسِ رنگیں کے جگنو ہیں یہ
 افق نور سے جگرگانے لگا !!!
 فلک روشنی میں نہانے لگا
 فضا میں نمایاں گلستاں ہوا
 مہر چرخ کیسا چہرا غاں ہوا
 نسیم چمن گنگنا نے لگی
 فضا و حباب میں تھر تھرانے لگی
 ہواؤں میں رقصاں ہوئے میکرے
 چمن میں غزل خواں ہوئے میکرے

درختوں کے پہلو میں حور بہار!
بجاتی ہے شاخوں کے رنگیں ستار

مُفَارِقَت

حیراں ہے آنکھ، جلوہٴ جانناں کو کیا ہوا
ویراں ہیں خواب، گیسوئے رقصاں کو کیا ہوا

مر جھار ہی ہے کس لئے وادیِ رنگ و بو
حسنِ گل و جمالِ گلستاں کو کیا ہوا؟

پردیں جا کے سدھ ہی! نہ لی اس نے لے فراق
اُس کی جفائے زودِ پشیمان کو کیا ہوا؟

لائی نصبا نہ مصر سے خوشبوئے پیر، من!
کس کو خبر کہ یوسفِ کنعاں کو کیا ہوا؟

وہ غنچہٴ بہشتِ حرم، جا پھپھا کہاں؟
اُس ماہتابِ بزمِ شبستاں کو کیا ہوا؟

قصرِ حسینِ خموش ہے، ایواں ہے پُرسکوں
آوازِ پائے مسرِ خراماں کو کیا ہوا؟

پردوں سے روشنی کی کرن پھوٹتی نہیں!
اس شمعِ رنگ و بو کے شبستاں کو کیا ہوا؟

پھانی ہے بے کسی خزاں، خسانہ باغ پر

نسرین دلالہ و گل دریاں کو کیا ہوا؟

ہر غنچہ سو گوار ہے، ہر پھول دل فرگار

حسن پری و شان گلستاں کو کیا ہوا؟

نغموں میں رنگِ نالہ غمناک آ چلا

کیفِ نوائے مرغِ خوش الحساں کو کیا ہوا؟

دنیا سیاہ خانہ غم بن رہی ہے کیوں؟

اللہ میرے ماہِ سراں کو کیا ہوا؟

آنکھیں بدل رہی ہے، مری شام آرزو

کس سے کہوں کہ گردشِ دوراں کو کیا ہوا؟

زہرا لہم نے بخشی ہیں کیوں تلخ کامیاں؟

شیرینی لبِ شکر افشاں کو کیا ہوا؟

طوفان اٹھا رہی ہیں مرے دل کی دھڑکنیں

اُس دستِ نرم و ساعدِ لرزاں کو کیا ہوا؟

نادان آفسودوں کو ہے مدت سے جستجو

آرام گاہِ گوشہِ داماں کو کیا ہوا؟

سیرابِ کمارتی لبِ گلگوں کہ ہر گئی؟

ہیں تشنہ کام، ساغرِ جاناں کو کیا ہوا؟

بے باکی نگاہِ ستم کیش کیا ہوئی ؟
 سفتا کی تبسم پہناں کو کیا ہوا ؟
 آنکھوں سے کس لئے بہے آتے ہیں اشکِ سرخ
 رنگیں طرازِ مئی لبِ خنداں کو کیا ہوا ؟
 کشتِ مراد ہو چلی ، نذرِ سموم غم
 یارب نمودِ ابرِ خراں کو کیا ہوا ؟
 چشمِ فلک سے فتنے برکنے لگے ہیں پھر
 دورِ نگاہِ فتنے دوراں کو کیا ہوا ؟
 پھر گر دشنِ زمانہ ، اُٹھانے لگی ہے سر
 نازِ کتب کا کل پیچیاں کو کیا ہوا ؟
 نامہ ہے نامہ بر ہے نہ کوئی ہمیں خبر
 اُس نازِ نہیں کے لطفِ فراواں کو کیا ہوا ؟
 پھیلی ہے شامِ یاس کی تلخی سی چار سو
 صبحِ بہارِ چشمہ جیواں کو کیا ہوا ؟
 کتنی نہیں ہیں شامِ جدائی کی متر لیں !
 تیغِ شعاعِ مہر درخشاں کو کیا ہوا ؟
 شہائے نو بہار ہیں کس درجہ سوگوار
 شادابیِ رُخِ مہتاباں کو کیا ہوا ؟

صبح وطن کی یاد دلاتے نہیں! نہیں!

منظر ہمارے شام غریباں کو کیا ہوا؟
روتا ہے بات بات پہ یوں زار زار کیوں؟

خستہ خبر نہیں دلِ ناداں کو کیا ہوا؟

شبہ کائے رفتہ

اے! وہ راتیں، وہ راتیں یاد آتی ہیں مجھے

اے! وہ راتیں! وہ راتیں یاد آتی ہیں مجھے

وہ ملاقاتیں، وہ باتیں یاد آتی ہیں مجھے

حسن و الفت کی وہ گھاتیں یاد آتی ہیں مجھے

اے! وہ راتیں، وہ راتیں یاد آتی ہیں مجھے

جب تمہاری یاد میں دیوانہ سا رہتا تھا میں

جب سکون و صبر سے بیگانہ سا رہتا تھا میں

بے پئے مدہوش سا مستانہ سا رہتا تھا میں

اے! وہ راتیں، وہ راتیں یاد آتی ہیں مجھے

جب تمہاری جستجو، بیتاب رکھتی تھی مجھے

جب تمہاری آرزو بے خواب رکھتی تھی مجھے

مثل موجِ شعلہ و سیلابِ رکھتی تھی مجھے
آہ! وہ راتیں، وہ راتیں یاد آتی ہیں مجھے

منتظر میری، جب اپنے باغ میں رہتی تھیں تم
ہر گلی سے اپنے دل کی داستاں کہتی تھیں تم
ناز نہیں ہو کر بھی نازِ عاشقی سہتی تھیں تم
آہ! وہ راتیں، وہ راتیں یاد آتی ہیں مجھے

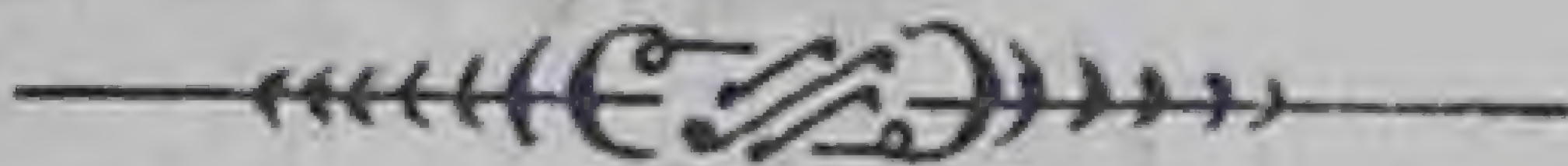
سر دیوں کی چاندنی، شبنم سے کملاتی تھی جب
شبنم آکر چار سو موتی سے برساتی تھی جب
باغِ پراک دھندلی دھندلی مستی پھا جاتی تھی جب
آہ! وہ راتیں، وہ راتیں یاد آتی ہیں مجھے

جب تم آجاتی تھیں، بازلف پریشاں تاکر!
عطرِ پیما تباہ زانو، سنبلستاں تاکر!
”مشک آگیاں تباہ داماں، عنبر افشاں تاکر“
آہ! وہ راتیں، وہ راتیں یاد آتی ہیں مجھے

خمارِ شبانہ

نفلِ گل دیکھ چکے، دورِ خزاں دیکھ چکے
ہم تماشا گئے گلستانِ جہاں دیکھ چکے

سایہ زلفِ حسیناں میں گزاریں راتیں
 سنبستان میں خوابوں کا سماں دیکھ چکے
 چاندنی رات میں خوشبو سے نہائے اکثر
 کریم پیر ہن گلاب دناں دیکھ چکے
 کی ہے نوشی لعل لبِ گلفام بہت
 التفات لبِ شیریں دہناں دیکھ چکے
 مشکبوز لہلوں سے کھیلے ہیں بہت ساتوں کو
 جرات آموزی نسریں بدناں دیکھ چکے
 پا کے شیریں وز لیجا کو ہم آغوش کش
 یوسف و خسرو کی چشم نگراں دیکھ چکے
 ہم نے راتوں کو بہت، محلوں پہ پھینکے پتھر
 اثرِ برہمی زلفِ بستاں دیکھ چکے
 دن کو تارے سے چمکتے نظر آئے سرِ بام
 اکثر آنکھیں سرِ بام اشک نشاں دیکھ چکے
 دل میں جینے کی تمنا نہیں باقی آخستہ
 خوب جی بھر کے تماشا نے جہاں دیکھ چکے



لاہور سے گزرنے والوں کے نام ایک پیغام

سامانِ رشکِ انجم و ہتھاب کر کے جا!
 لاہور کی فضاؤں کو شاداب کر کے جا!
 مانا کنارِ سندھ ہے مضطرب ترے لئے
 کچھ تو علاج پہلوئے پنجاب کر کے جا!
 ہر شبِ ترے فراق کی بے خواب ہے مگر
 تو آنکھ اور طرح سے بے خواب کر کے جا!
 اک دردِ منہِ عشق ہے مدت سے منتظر
 دربانِ دردِ خاطر بے تاب کر کے جا!
 تیری سنہری خواب مبارک تجھے، مگر!
 میری شبِ سیہ کونہ بے خواب کر کے جا!
 رخسار و زلف سے مرے دستِ مراد کو
 پھر آشنائے قائم و سنجاب کر کے جا!
 شبہائے نو بہار کو اے خوابِ نو بہار!
 روشن برنگِ زہرہ و ہتھاب کر کے جا!

ہے تشنہ کامِ عشق کو مدت سے انتظار!
لے ابرجس، آج تو سیراب کر کے جا

چلنے لگی نسیم، مچلنے لگی شمیم!
غرقِ نشاطِ جامِ مئے ناب کر کے جا!

جامِے تو مل کے جائے، خوشی چشمِ تری ہے
میرے ہر اشک کو "گوہرِ نایاب" کر کے جا!

آواز دے رہا ہے برائے سفر کوئی!
اختر کی چشمِ شوق کو پر آب کر کے جا!

انقلاب اور مجبوری

زمین کو ایسے بدلیں، آسماں کو کس طرح بدلیں؟

بتا ساقی کہ ہم بزمِ جہاں کو کس طرح بدلیں؟
ہے دل کو آرزو، اک ساقی گُذر دی کُم سن کی!

طریقِ کہنہ پسِ مرغِ مغان کو کس طرح بدلیں؟

مناسب ہے بدل دیں بجلیاں ہی راستہ اپنا

ہم اہلِ آشیاں اب آشیاں کو کس طرح بدلیں؟

طوافِ کعبہ میں بھی بے ادائے مہت گم رہی پنہاں

حرمِ والے رہ رہ رسمِ بتاں کو کس طرح بدلیں؟

ہے میرے کارواں گمراہ ، اہل کارواں غافل
 بتا اے دل کہ راہ کارواں کو کس طرح بدلیں ؟
 یہ میخانہ تو کیا اک جام میں دُنیا بدل جائے
 مزاجِ ساتھی نہا ہر باں کو کس طرح بدلیں ؟
 یہ حالت ہے کہ خود اپنی روش بدلی نہیں جاتی
 تو پھر اے مہمنشیں سارے جہاں کو کس طرح بدلیں ؟
 جوانی لوٹ آئے پھر اسی شاداب منزل میں !
 مگر ہم دم رہِ عمر رواں کو کس طرح بدلیں ؟
 بہار آنے میں ہے دیر اور دل اپنا بہت نازک
 چمن والوں کے اندازِ فغاں کو کس طرح بدلیں ؟
 مزاجِ دوست تو ہم دم ، بدلنے کو بدل جائے
 یہ رونا ہے مزاجِ آسمان کو کس طرح بدلیں ؟
 دلِ آتش بجاں بدلے تو بدلے رنگِ ہستی بھی !
 یہ آفت ہے دلِ آتش بجاں کو کس طرح بدلیں ؟
 سمجھتا ہی نہیں کوئی کہ مقصودِ فغاں کیا ہے ؟
 دلِ غمگیں ، مقاماتِ فغاں کو کس طرح بدلیں ؟
 خزاں آنے نہ پائے اور بہارِ دل کا ہے سایہ
 بتائیں لالہ و گل گلستاں کو کس طرح بدلیں ؟

ترے بندوں کی حشر آرائیاں دیکھی نہیں جاتیں
 خداوند! بتا تیرے جہاں کو کس طرح بدلیں؟
 بدل دیں قسمت ہندوستان کو کشش سی ہم خیر
 مصیبت تو یہ ہے ہندوستان کو کس طرح بدلیں؟

ایک تنہا مرغابی

آتش کو نغمہ غمگیں سے کیوں ترپا رہی ہے تو؟
 سکوتِ شب میں فریادیں سی کیوں برسا رہی ہو تو؟
 بتا تو اس طرح تنہا، کہاں سے آرہی ہے تو؟
 کہاں بچھڑا ہے تجھ سے آہِ تنہا کارواں تیرا؟
 ہے کیوں ایک ایک نغمہ اس طرح ماتم چکاں تیرا؟
 ہوا میں ایک آنسو بن کے کیوں لہرا رہی ہے تو؟
 تری ہجولیاں رخصت ہوئیں آخر کہاں تجھ سے؟
 خفا کیوں ہو گیا اس طرح ظالم آسماں تجھ سے؟
 فضا میں کس لئے آہ و فغاں برسا رہی ہے تو؟
 ترے ناشاد نغمے سن کے غمگیں ہیں ستارے بکوا
 ہوا ساکت، فضا سامت، فسر وہ ہیں نرِ ظلمے بھی
 اُداسی ہی اُداسی، ہر طرف پھیلا رہی ہے تو؟

کہاں پائے گی اب تو ان مچلتی جوتے باروں کو؟
 خزاں میں آئی ہے روتی ہوئی پکھلی بہاروں کو؟
 تلاش جستجو بے سود ہے کیوں جا رہی ہے تو؟
 گئے وہ دن کہ برکھالی ہوا تھی تیرا گہوارہ
 نشیمن تھا ترا دریا، گھٹا تھی تیرا گہوارہ!
 اب ان کی یاد میں کیوں نغمہ، غم گارہی ہے تو؟
 تیرے ہم جنسوں کی اکثر صدائیں سن چکا ہوں میں
 شبِ مہتاب میں رنگیں لڑائیں سن چکا ہوں میں
 مگر یہ اور ہی کچھ لے ہے جس میں گارہی ہے تو؟
 تو فریادِ غرباں ہے کہ نالہ درد مندوں کا؟
 فغانِ عاشقانہ ہے کہ شیون غم پسندوں کا؟
 فضا کے دل کو بھی احساس سے تڑپا رہی ہے تو؟
 ترا سینہ گدازِ عشق کا گہوارہ ہے، لیا ہے؟
 تو سارِ درد کا ایک نغمہ، آوارہ ہے، کیا ہے؟
 افق پر نالہ غم کی طرح کیوں چھا رہی ہے تو؟
 کسی عکین دل کی ہے دعائے راہ گم کردہ؟
 کہ ایک فرقت زدہ کی التجائے راہ گم کردہ؟
 کہاں سے آئی، کس جانب سنبھکتی جا رہی ہے تو؟

قرے ہمراہیوں کی بے وفائی کا مجھے غم ہے !
 میں سمجھا تھا یہ شیوہ قسمتِ اولاد آدم ہے !
 جیسی اس چاندنی میں مجھ کو غمگیں پار ہی ہو تو !

شریکِ رنج و غم کوئی نہیں دنیا کی محفل میں !
 بہت ڈھونڈھی نہ پانی میں نے دل سوزی کسی دلیں
 احباب کے تصور سے مجھے تڑپا رہی ہے تو !

جسے دیکھا جہاں میں خود غرض اور بے وفادیکھا
 ذلیل و لست فطرت اور مطلب آشنا دیکھا
 دلا کر یاد آن کی آگ سی بھر کا رہی ہے تو !

علی گڑھ کے طلباء سے

مشاعرہ کی دعوت کے جواب میں

کفر ہے برسرِ پر خاش پھر ایمانوں سے
 اے صبا کہنا علی گڑھ کے غزل خوانوں سے
 کہہ دو دنیا کے سیاست کے صنم خالوں سے
 چھیڑا چھی نہیں اللہ کے دیوانوں سے

پھمین لو شمع ستاروں کے شبستانوں سے
 اور گزر جاؤمہ و مہر کے ایوانوں سے
 چشم سید نگراں ہے کہ پھر اٹھے شاید
 کوئی دیوانہ محبت کے بیابانوں سے
 شورِ ناقوس سے دب جائے ازاں نامکن
 جا کے کہہ دو یہ بنارس کے صنم خانوں سے
 ہند میں کعبہ کے بندے بھی خدا بن کے ہے
 پوچھ لو سندھ کے اُجڑے ہوئے بتخانوں سے
 دُور ہے منزلِ سلماتِ حیاتِ جاوید
 اور گزرنا ہے تمہیں موت کے دیرانوں سے
 وادی و دشت و جبل میچ ہیں ہمت کیلئے
 یہ صد آتی ہے اسپین کے میدانوں سے
 عمل و علم سے قائم ہے نظامِ اسلام
 یہ نہ ترکوں سے نہ عربوں سے نہ افغانوں سے
 ایک آزاد نفس، عمرِ نفس سے بہتر
 یہ سبق ملتا ہے خیبر کے کہستانوں سے
 اب تو اک قطرہ خون بھی نہ رہا بازو میں
 کھیلے تھے کبھی ہم خون کے طوفانوں سے

تم کو آتی نہیں گر طرزِ فغاں، ہم نفسو!
 سیکھ لو وادیِ شرب کے حدی خوالوں سے
 اے علی گڑھ، مرے اشعار میں کب تھی تاثیر!
 یہ شراب آتی ہے لٹکا کے خمستانوں سے

شہیدِ انِ جواں

دل کی گہرائی سے آوازِ فغاں آتی ہے
 پھر مجھے یادِ شہیدِ انِ جواں آتی ہے
 گل بدنِ خلد کے حیراں ہیں کہ یارب کیونکر؟
 طرزِ آرائشِ گلگوں کفناں آتی ہے
 سرخرو، خونِ شہیدِ ان سے ہے لاہور کی خاک
 زتے زتے سے ہمیں بوئے حنا آتی ہے
 جو ترے رحم کی غیرت کو جگا دے یارب
 تیرے بندوں کو وہ فریاد کہاں آتی ہے؟
 نالہٴ مسلمِ غمگین سے ہم آہنگ کہاں؟
 بلبلیوں کو تو تمہیں طرزِ فغاں آتی ہے!
 جذبہٴ شوقِ شہادت کی کہوں کیا خمیت
 موت آتی ہے کہ وہ جانِ جہاں آتی ہے



اُجرے مے ہوئے پائیں باغ میں برسوں کی جلا وطنی کے بعد!

پھر کھڑا ہوں بادل سرشار، پائیں باغ میں!
پھر بپا ہیں حشر کے آثار، پائیں باغ میں!
پھر لہٹتے ہیں گلے اشجار، پائیں باغ میں!
دیدہ غمگیں ہے پھر خونبار، پائیں باغ میں!

خوابِ طفلی ہو گیا بیدار پائیں باغ میں

ایک دن میرے لئے دادی امین تھا، یہ باغ
میں تھا ننھا سا کلیم اور طور روشن تھا یہ باغ!
عہدِ طفلی ایک ببل تھا، نشیمن تھا یہ باغ
شاعری کی اولیں کر لوں کا مسکن تھا یہ باغ

چار سو تھی بارشیں افکار پائیں باغ میں!

ہر شجر تھا اس کا، ایک دن گل بد اماں تا کر!
بھولتی تھیں گلِ رخاںِ خلد سا ماں تا کر!
کا گلِ پچیدہ دربر زلفِ رقصاں تا کر!
سب گلستاں تابہ داماں، سنبستاں تا کر!

پھول سے روشن کئے رخسار پائیں باغ میں!

آج وہ حسن گل درنگ چمن باقی نہیں!

نقش نسرین و نشان یاسمن باقی نہیں!

نرگس و سوسن کا انداز کہن باقی نہیں!

موتیا کا روپ، چمپا کی پھلن باقی نہیں!

ہے فقط ریکھاں جگراؤ گار پائیں باغ میں!

ایک دن خوشبو کا طوفاں بن کے آتی تھی صبا!

میکہ سے لاتی گھٹا ہستی لٹاتی تھی صبا!

بلبلوں کے لغتے سن کر رنگ لاتی تھی صبا!

شاخ گل کے برلبلوں پر گنگنائی تھی صبا!

طائرانِ خلد کے اشعار، پائیں باغ میں

شاخ گل کیسی کہ سایہ تک نہیں پاتے ہر اب

نٹھی کلیوں کے عوض سپنے نظر آتے ہیں اب

چار سو صرصر کے جھونکے خاک برساتے ہر اب

تیلیوں کے بارے، برگ زر و لہراتے ہر اب

اور بجائے گل، ہجومِ خار، پائیں باغ میں!

ایک دن کس درجہ بیخود ہو کے آتی تھی بہار

عالمِ مستی میں کیا دھو میں مچاتی تھی بہار

رنگ و بو کی محفلوں میں سسکراتی تھی بہار
رات بھر بیٹھی ہوئی گھرے بناتی تھی بہار

اور حسینوں کے گلے کا ہار پائیں باغ میں

آج ہیں نظروں سے نمائے نازنینانِ چمن
آہ وہ یارانِ گلشن، ہم نشینانِ چمن
خاک کے پردوں میں جا سوتے حسینانِ چمن
ماہِ رویانِ چمن، زہرہ حسینانِ چمن

مٹ گئی وہ محفلِ انوار، پائیں باغ میں

ایک دن ہر سمت، امواجِ صبا تھیں رقص میں
شاہنائے نازک و رنگیں تبا تھیں رقص میں
حوریانِ غنچہ ہائے خلد زائے تھیں رقص میں
نٹھی نٹھی تتلیاں بھی جا بجا تھیں رقص میں

رقص میں تھا سایہ اشجار، پائیں باغ میں!

نوہالانِ گلستاں پر شباب آیا نہ تھا
عشق پیچاں میں ابھی تک تیج و تاب آیا نہ تھا
یاسمین کے کاکلوں میں اضطراب آیا نہ تھا
میں ہا جب تک کوئی بھی انقلاب آیا نہ تھا

بے اثر تھی وقت کی رفتار، پائیں باغ میں

دقت کے ہمراہ لیکن وہ سماں جاتا رہا
خوشنما پھولوں کا رنگیں کارواں جاتا رہا
وہ ہجوم طائرانِ نغمہ خواں جاتا رہا
میرے جاتے ہی فردغِ گلستاں جاتا رہا
خارِ خوش کے رہ گئے انبارِ پائیں باغ میں

عہدِ طفلی اک دوامی لذتوں کا جام ہے
کیوں کہ آغازِ جوانی، اس کا نیک انجام ہے
جس کو کہتے ہیں جوانی، موت کا پیغام ہے
بسکہ اس کا فاصلہ، پیری تلک اک گام ہے
یہ سبق دیتے ہیں آج آثارِ پائیں باغ میں

جنتِ طفلی کے وہ شیریں نظارے مٹ گئے
دل بہلنے کے جو سماں تھے ہمارے مٹ گئے
نوہمالاں چمن جھٹتے تھے سارے مٹ گئے
وہ فضا، وہ ابر، وہ گل، وہ ستارے مٹ گئے

رہ گئے بس چند ماتم دارِ پائیں باغ میں!

یادگارِ اس عہدِ رفتہ کے ہیں چند اشجارِ ابھی
آہ اس دیرانے میں باقی ہیں کچھ غم خوار ابھی
بچے سادہ منتوں پہ پیری کے نہیں آثار ابھی

پتہ پتہ ہے لئے چلتی ہوئی تلوار ابھی!

اب یہی ہیں پاسباں دو چار پائیں باغ میں

یہ شجرہ ہیں جو کودوں میں کھلاتے تھے مجھے

اپنے کندھوں پر محبت سے بٹھاتے تھے مجھے

میرے سر کو چومتے تھے، گدگداتے تھے مجھے

بوڑھے ہو کر بھولتے تھے اور جھلاتے تھے مجھے

میرے بچپن میں ہزاروں بار پائیں باغ میں!

السلام اے باغ کے بوڑھے جوانو! السلام

السلام اُجڑے چمن کے پاسباں! السلام

عہد طفلی کے پُرانے ہمراز! السلام

السلام اے عمر رفتہ کے فساد! السلام

اب تمہی تم ہو، مرے غم خوار، پائیں باغ میں!

نالہ مستانہ

ایک خط کا جواب

محبت کی زباں کا نالہ مستانہ بن جاؤں

بھلا کر ساری دنیا کو تیرا فسانہ بن جاؤں

نہ جادامن بچا کر میری تربت سے، عجب کیا ہے
 کہ تیرے لعل لب کا ایک دن، پیمانہ بن جاؤں!
 تمہارا عشق، برسوں، میرے دل کے ساتھ کھیلا ہے
 میں ایسے آشنا سے کیوں کر اب برگانہ بن جاؤں!
 محبت کی پزیرائی سے گرا نکار رہے تم کو
 تو تم ”اختر“ بنو، میں ”آپ کی ریحانہ“ بن جاؤں!
 ”سبا“ کی بادہ شیریں کا ہے گل ہنر میں شہرہ
 نہ کیوں لے دل غلام ساقی، مینا نہ بن جاؤں!
 ”غزل“ کیسی کہاں کی ”منظم“ لیکن مدعا یہ ہے
 کہ تیرے لب تک آکر لغتہ مستانہ بن جاؤں!
 تمہارا پیکر رنگیں بسا ہے دل کی آنکھوں میں
 برہمن کو نہ رشک آئے تو میں بت خانہ بن جاؤں!
 بجلے تلشہ آج اک خامہ دست کوہن میں ہے
 وہ دن نزدیک ہے جب میں بھی اک افسانہ بن جاؤں!
 جوانی کے لئے ہے ”پارسائی“ ایک بیماری
 میں کیوں آخر حریف نرگس ستانہ بن جاؤں!
 ترامداح ہوں مجھ کو ”رسالوں“ سے غرض کیا ہے
 میں غیروں کیلئے کیوں زینت کا شانہ بن جاؤں!

ترے "مالی" کی قسمت اچھی ہو سکتی ہے گریوں ہو
 تو شمع گھستناں ہو، میں ترا پر دانہ بن جاؤں!
 مرے شغلِ حبیب پر کچھ اضافہ ہو تو بہتر ہے
 تو میرا پھول بن، میں بلبلِ دیوانہ بن جاؤں!
 کسی کی "دگر دن" اور "گیسو" کو جا کر چوم آتا ہے
 مرے لبس میں ہو گرا خیر تو میں پر دانہ بن جاؤں!

پیارا
 (۵) (۵) (۵)
 محکمہ صحت و صواب
 (۵) (۵) (۵)
 محکمہ صحت و صواب

پھر بہار آئی، وہ فردوسِ تقا یاد آئی
 پھر تصور کو وہ تصویرِ حیا یاد آئی
 پھر کوئی لالہ رنج ہو ششِ رُبا یاد آئی
 دیدہ مست کی مستانہ ادا یاد آئی

پھر بہار آئی، وہ فردوسِ تقا یاد آئی

نگہِ شوق نے ہر پھول کو پھر پیار کیا
 کیفِ نظارہ نے ارمانوں کو بیدار کیا
 پھر گھٹاؤں نے دل و روح کو سرشار کیا
 زلفِ شبِ رنگ کی طربز گھٹا یاد آئی!

پھر بہار آئی، وہ فردوسِ تقا یاد آئی

عالم خاک، نظر آتا ہے معمورہ گل !
 بے جانی سے ہم آغوش ہے مستورہ گل
 غمناکشاں ہوئی اس طرح سے ناطورہ گل
 کہ مجھے کوچہ سلسلے کی فضا یاد آئی !

پھر بہار آئی، وہ فردوسِ لقا یاد آئی !

بادہ شوق سے لبریز ہے پیمانہ دل
 نشہ عشق کا گہوارہ ہے میخانہ دل
 اثرِ بحر سے بے تاب ہے دیرانہ دل
 پھر وہ لیلے دُشِ ناہید ادا یاد آئی !

پھر بہار آئی، وہ فردوسِ لقا یاد آئی !

دل بے تاب لقا صنائے جنوں سے مجبور
 چشم بے خواب، تصور کے فسوں سے مجبور
 جانِ مضطرب، غم صبر و سکوں سے مجبور
 پھر وہی راحتِ جان، روحِ نزا یاد آئی !

پھر بہار آئی، وہ فردوسِ لقا یاد آئی !

عرضِ آغوش ہے وہ عشرتِ آغوش نہیں
 ہوش بے ہوش کہ وہ راہزنِ ہوش نہیں
 گل ہیں آزرده کہ وہ جلوہ گل پوش نہیں

چمنستان کو پھر اس کی ہوا یاد آئی
پھر بہار آئی، وہ فردوسِ لقا یاد آئی!

جس نے پہلے پہل افسانہ بنایا تھا مجھے
نگہِ ناز سے دیوانہ بنایا تھا مجھے
خوگرِ بادہ و پیمانہ بنایا تھا مجھے
پھر وہی مستِ منظرِ مستِ ادا یاد آئی!

پھر بہار آئی، وہ فردوسِ لقا یاد آئی!

دادی و دشت و دامنِ کلہے حریری دامن
ہر گلِ دسرو و سمنِ کلہے حریری دامن
نازنینانِ چمنِ کلہے حریری دامن
دیکھ کر جن کو کوئی سبزِ قبا یاد آئی!

پھر بہار آئی، وہ فردوسِ لقا یاد آئی!

گل و گلزار پہ رقصاں ہے ہجومِ نکہت
نشہِ ساین کے پریشاں ہے ہجومِ نکہت
بیخود و مست و پرانِ شاں ہے ہجومِ نکہت
کیا کسی مشوخ کی خوشبوئے خا یاد آئی!

پھر بہار آئی، وہ فردوسِ لقا یاد آئی!

گرچہ کیف و طرب و عیشِ بداماں ہے چمن

نکھت و رنگ کا طوفان پریشاں ہے چمن
 کیا ہوا آج کہ غمگین و غزل خواں ہے چمن
 کس کی شیریں و دلآویز صدا یاد آئی!
 پھر بہار آئی، وہ فردوس لقا یاد آئی!

دیارِ شیریں

دیکھ، اے دل نظر آیا وہ دیارِ شیریں!
 ذرے ذرے سے چلتی ہے بہارِ شیریں
 اک دل غم زدہ و دیدہ پر خم کے سوا
 پاس کچھ بھی تو نہیں بہرِ نثارِ شیریں
 مردِ اے دیدہ گریاں کہ نہیں صبر کی تاب
 وہ نظر آنے لگی راہ گزارِ شیریں
 نالہ نیم شبی ہو کہ دعائے سحری
 مضطرب ہیں پئے دیدارِ شیریں
 آئے ہیں پہلے پہل بارگہ شیریں میں
 جان و دل کو لئے ہم بہرِ نثارِ شیریں
 حشرِ تاک کے لئے قدموں میں جگہ مل جائے
 خاک کر دے مجھے اے خاکِ دیارِ شیریں

نہکتُ حسن سے ہے محفلِ ہستی شاداب !
 خندہ زنِ خلد پہ ہے خاکِ جوارِ شیریں
 خاکِ لاہور ہے گوارہٴ شان و عظمت
 اخترِ اس خاک میں روشن ہے وقارِ شیریں

مجھے لے چل !

مری سلمیٰ ! مجھے لے چل تو اُن رنگیں بہاروں میں !

جہاں رنگیں بیشیں کھیلتی ہیں سبزہ زاروں میں !
 جہاں حوروں کی زلفیں جھومتی ہیں شاخساروں میں
 جہاں پریوں کے لغمے گونجتے ہیں کوہساروں میں
 جوانی کی بہاریں تیرتی ہیں آبشاروں میں
 مری سلمیٰ ! مجھے لے چل تو اُن رنگیں بہاروں میں

وہستانِ بہاریں جن پہ قرباں ارضِ حبت ہے
 جہاں ہر ذرہ اک گوارہٴ موجِ لطافت ہے
 جہاں رنگست ہی رنگت ہی جہاں نہکت ہی نہکت ہے
 محبتِ حکمران ہے جن کے پاکیزہ دیاروں میں !
 مری سلمیٰ ! مجھے لے چل تو اُن رنگیں بہاروں میں !

وہ دوشیزہ فضائیں، جنتوں کا ہے کہاں جن پر
چھڑکتا ہے مے نسیم و کوثر آسماں جن پر
لٹاتی ہے سحابِ حسن و طلعت، کہکشاں جن پر
سرور و نور و بہت بستی ہیں جن کے ستاروں میں

مری سلمیٰ! مجھے لے چل تو ان رنگیں بہاروں میں!

جہاں شام و سحر نیلی گھٹائیں گھر کے آتی ہیں!
افق کی گود میں نیلم کی پریاں سُکراتی ہیں!
فضاؤں میں بہاریں ہی بہاریں لہلہاتی ہیں
جہاں فطرت مچلتی ہے لہکتے ابر پاروں میں!

مری سلمیٰ! مجھے لے چل تو ان رنگیں بہاروں میں!

جہاں چاروں طرف باغ و گلستاں لہلہاتے ہیں
شگفتہ وادیوں میں جنتوں کے خواب آتے ہیں
جہاں معصوم طائر، عشق کے نغمے سناتے ہیں
اور ان کا لحن شیریں گونجتا ہے کوہساروں میں!

مری سلمیٰ! مجھے لے چل تو ان رنگیں بہاروں میں!

حکومت ہے جہاں صدق و سفا و ہر و الفت کی
نشاط و عیش و عشرت کی، سرور و لطفِ احس کی
نسیمِ راجم و گل کی، نوا و نور و بہت کی!

محبت موجزن ہے جن کے دوشیزہ نظاروں میں
مری سلمیٰ! مجھے لے چل، تو ان رنگیں نظاروں میں!

جہاں آباد یہ ناپاک شہر ستاں نہیں ہوتے
فسادی، فتنہ پرور اور ذلیل انساں نہیں ہوتے
یہ انساں، ہاں یہ حیواں، بدتر از شیطان نہیں ہوتے
فساد و شر، جہاں سوتے ہیں خوابوں کے مزاروں میں!
مری سلمیٰ! مجھے لے چل، تو ان رنگیں نظاروں میں

بہشتوں کی لطافت ہے جہاں کی زندگانی میں
مزہ آتا ہے کوثر کا جہاں کے سادہ پانی میں
خدائی حسن عریاں ہے جہاں کی نوجوانی میں!
صداقت کر دین لیتی ہے، ساز و دل کے تاروں میں
مری سلمیٰ! مجھے لے چل تو ان رنگیں نظاروں میں

”حیات دائمی“ لکھا ہوا ہے جن کے ایواں پر
ارم زار ابد ہے سایہ زن جن کے خیاباں پر
دوامیت کے جلوے چھا رہے ہیں باغ و بہتاں پر
گزر ممکن نہیں ہے موت کا جن کے نظاروں میں
مری سلمیٰ! مجھے لے چل تو ان رنگیں نظاروں میں

محبت میں جو ہو جاتا ہے پائندہ، نہیں مرتا!

صداقت جس کو کر دیتی ہے تا بندہ، نہیں مرتا!
 ہے جس میں عشق رقصاں، وہ دل زندہ نہیں مرتا!
 نوائے "لا فنا" ہے روح کے خاموش تاروں میں
 مری سہمی! مجھے لے چل تو اُن رنگیں نظاروں میں!

سپاہی سے خطاب

عجیب رنگ بدلتا ہے چرخِ فتنہ شعار
 کہ ایک دن کو ہے امن اور چار دن پیکار
 اسی روش پر ہر سارے جہاں کا دار و مدار
 مرے سپاہی! ابھی ہاتھ سے نہ رکھ تلوار!

بجا کر ٹوٹے بہت، اب سے پہلے کام کیا
 دلاوری و شجاعت میں خوب نام کیا
 مگر یہ کس کو خبر کیا کریں یہ لیل و نہار

مرے سپاہی! ابھی ہاتھ سے نہ رکھ تلوار!

فضائے دہر میں خاموش اضطراب سا ہے
 افق کے سینے میں پوشیدہ انقلاب سا ہے
 دکھائے دیکھئے کیا رنگ گنبدِ دَوّار

مرے سپاہی! ابھی ہاتھ سے نہ رکھ تلوار!

زمانہ پھر نئے فتنے اُٹھانے والا ہے
 ہوا بتاتی ہے طوفان آنے والا ہے
 وہی ہے مرد جو ہر حال میں سہمے تیار!

مرے سپاہی! ابھی ہاتھ سے نہ رکھ تلوار!

قیامت آئے کہ فتنے اُٹھیں خیال نہ کر
 سپاہی ہے تو کچھ اندیشہ کمال نہ کر
 کہ موت کہتے ہیں جس کو وہ آتی ہے اک بار

مرے سپاہی! ابھی ہاتھ سے نہ رکھ تلوار!

فساد زدہ ہندوستان

فساد کا رنجی ہندوستان کو کیا کہئے؟
 سقر نہ کہئے تو ”جنت نشاں“ کو کیا کہئے؟

کوئی بتائے کہ ہومیس کارواں گمراہ!
 تو جب گمراہی کا رواں کو کیا کہئے؟

بپا ہے جنگ کا فتنہ تمام دنیا میں!
 الہی اب ترے امن و اماں کو کیا کہئے؟

لکھ ہے ملک کی قسمت میں گزریاں ہی زیاں
 ظلم کا رنجی سود و زیاں کو کیا کہئے؟

گنوا دی عقل اگر بوڑھے رہنماؤں نے
 تو اس دیار کے ناداں جواں کو کیا کہئے؟
 ہر ایک شاخ کو گل چیں نے کر دیا ویراں
 سکوتِ بیکسی گلستاں کو کیا کہئے؟
 کبھی نہ بدلے تبستم سے اشک، مفلس کے
 بہارِ خندہ بزمِ شہاں کو کیا کہئے؟
 جو ان ایک ہی ساغر میں ہو چلے رسوا
 سیاہ مستی پیرِ مغاں کو کیا کہئے؟
 شبابِ روتا ہے پیری میں حال کیا ہوگا
 بہار یہ ہے تو فصلِ خزاں کو کیا کہئے؟
 بنی نہ اپنی زمین ہی گر آختہ اپنی زمین
 تو پھرستم گر ہی آسمان کو کیا کہئے؟

ذخیرۂ امن!

ہم نشیں آصفِ باطل کو پریشاں کر دیں
 امن و ایمان کی بہاروں کو نمایاں کر دیں!
 خرمین ہستی اعدا کو جلا کر اس سے
 کامرانی کی فضاؤں کو چہراں کر دیں!

جان جائے کہ رہے ملک کی خاطر ہمد م !
دشمن ملک کو توبے سرو بے جاں کر دیں !

نغمہ حب وطن گائیں اس انداز سے ہم
کہ نوا کا ری زہرہ کو پریشیاں کر دیں !

جنگ کا دلولہ پیار کریں اس صورت سے
کہ فصول ساز ہی مریخ کو حیراں کر دیں !

دشمن ملک کے پرچم کو نگوں سر کر کے
علم منسج، سرچرخ نمایاں کر دیں !

مخل منسج میں صہبا کی ضرورت نہ رہے
خون اعدا کو کچھ اس طرح سے ارزاں کر دیں !

ہن کے نغمے پھر اک بار سنائیں اختر
مخل دہر کو پھر رشک گلستاں کر دیں !

باقی ہے باقی

برہمن میں نہ پیران کراماتی میں ہے باقی !
صداقت ہے نورندانِ خرابا باقی میں ہے باقی !

خلوص، افتاد و حسن نیت جس کو کہتے ہیں !
بسنتی لال میں باقی، نہ شہرانی میں ہے باقی !

بتاتی ہے یہ کثرت ہوٹلوں کی، آج شہروں میں
 کہ مہمانی کا جذبہ صرف دیہاتی میں ہے باقی !
 بجائے من و سلوٹی، ہم برستے ہیں فضاؤں میں
 یہ تاثیر اب تو فیضانِ سماواتی میں ہے باقی !
 دیروں کی جگہ جنگ آزما میں آج کل تاجر
 بس اتنا جوش اب ذوقِ مہمانی میں ہے باقی !
 اب وجہ کی حکومت مٹ چکی دنیائے فانی سے
 حکومت اب بھی لیکن جو ہر ذاتی میں ہے باقی !
 عقیدے کی صفائی ہو کہ جذبِ با وفائی ہو
 نہ بنگالی میں ہے باقی، نہ گجراتی میں ہے باقی !
 حق ہمسایہ کا پاس لگے وقتوں کا جو زیور تھا
 نہ اب بدہ سنگھ میں ہے باقی نہ جمہوریت میں ہے باقی !
 اوالہ عزمی و ہمت، ایک دن ہم جس کہتے تھے
 نہ ملیسوری میں ہے باقی، نہ میواتی میں ہے باقی !
 جنوں تکفیر کا جوش جہالت، کبسر و خود بینی
 یہی زراہد کی تسلیم روایاتی میں ہے باقی !
 بتوں کی تنگ نظری، لکشمی بن کر چمکتی ہے
 یہی دیا ہے جو لے دے کے اب جاتی ہیں باقی !

وفاداری کا جذبہ جس پہ کٹ مرتے تھے غیر تمند
 نہ پنجابی میں ہے باقی، نہ قلاتی میں ہے باقی !
 لرزٹھتے ہیں جس سے عرش اب بھی وہ اثر خستہ
 نوائے صبح گاہی دست اجاتی میں ہے باقی !

حیاتِ تشیی

سوزِ دل میرے لئے، زخمِ جگر میرے لئے
 زندگی ہے مری اک رقصِ شر میرے لئے
 چرخ نے میری تباہی پہ بہائے آنسو
 دیدہ انجم و ناہید ہے تر میرے لئے
 ملتی ہے دولت و جدان، باندانہ ظف
 رنگ و بوتیرے لئے، سوز و شر میرے لئے
 زندگی گرچہ ہے مجبورِ مئی فطرت کا ثبوت
 پھر بھی ہیں دشت و جبل زیرِ وز میرے لئے
 کیا دروں موت سے ایسے ہمدم آرام پسند
 خون اور خاک تو ہے شہر و شکر میرے لئے
 پاس منظور ہے فطرت کو مری رفعت کا
 در نہ گردش میں ہیں کیوں شمس و قمر میرے لئے

بواکھوس آگہ باندازہ ہمت خوش ہوں
 برگ و گل تیرے لئے، تیغ و تبر میرے لئے
 تاباں روئے کی اختہ جسے چشمِ دوراں
 کی ہے مخصوص ازل نے وہ نظر میرے لئے

انقلابِ جاپان

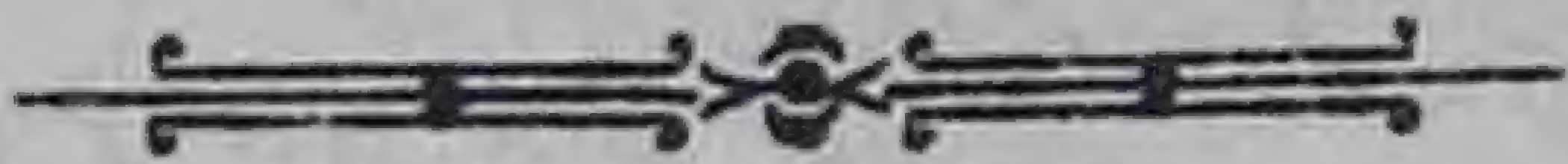
جو کل تک جنگ میں مصروف تھے شانِ خدائی سے
 جنہیں دعویٰ تھا ہرگز مُنہ نہ موڑیں گے لڑائی سے!
 سما سکتے نہ تھے جلے میں جوشِ خود نمائی سے!
 وہی اب رحم کے طالب ہیں اندازِ گدائی سے
 کہاں ہے آج وہ چینی غریبوں پر عتاب اُن کا؟
 وہ بیکس غورقوں پر قہر، پچھلا پر عذاب اُن کا؟
 دیا اک "ڈرہ" ناچیز نے آخر جواب اُن کا!
 مزہ دیکھو کہ بہت کانپ اٹھا ایک رائی سے
 وہ سورج بنسیوں کی 'اب حرارت کیا ہونی آخر؟
 شہنشاہانہ عظمت اور شوکت کیا ہونی آخر؟
 وہ سپنا یعنی مشرق کی حکومت کیا ہونی آخر؟
 وہ پندار اب کہاں جو بل کی لیتا تھا رائی سے

نہ تھا معلوم انہیں، رنج و طرب باہم بھی ہوتے ہیں
 ”فلک دیتا ہے جن کو عیش اُن کو غم بھی ہوتے ہیں
 جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں“
 تعلق ہے سرِ بی بادشاہی کو گدائی سے

خجانی و تعبیر

نئے بنتے ہیں، جب قصر کہن سمار ہوتے ہیں
 حریم امن، بعد از جنگ ہی تیار ہوتے ہیں
 خیابانِ جہاں کی کچھ وہی رونق بڑھاتے ہیں
 خزاں کی قبر سے جو گل کدے بیدار ہوتے ہیں
 مشیت اُن مالک کو عطا کرتی نہیں راحت
 جو ادروں کی اذیت کے لئے تیار ہوتے ہیں
 پگھلتے ہیں جو آہن پائے آہنگر کے گلخن میں
 وہی موسوم اک دن ”خنجر شہوار“ ہوتے ہیں
 ہر اک زحمت، دلیلِ رحمتِ خالق باری ہے
 جو سرِ بازی کے عادی ہوں وہی سردار ہوتے ہیں
 وہ زریارے جنہیں بے دردی سے زر گر چلتا ہے
 وہی اک دن حسینوں کے گلے کا ہار ہوتے ہیں

جو قومیں اپنی نادانی سے فتنوں کو جگاتی ہیں
 وہی فتنے، اُنہی کے درپے آنا رہتے ہیں
 تباہی کے حجابوں میں عمارت جلوہ آ رہے
 نہالان چمن بعد از خزاں گلبار ہوتے ہیں
 خرابی میں نہال ہے، ہر نئی تعمیر کی دنیا
 گل پامال سے جامِ حسین تیار ہوتے ہیں



غزلیات

رات بھر اُن کا تصور، دل کو ترپا تار ہا

رات بھر اُن کا تصور، دل کو ترپا تار ہا
ایک نقشا سا منے آتا رہا جاتا رہا

سب نہ ملنے تک کی باتیں تھیں جب اکمل گئے
سارے شکوے مٹ گئے، سارا گلہ جاتا رہا

ان لبوں کو ہی نہ تھا گستاخیوں کا وصلہ
ہم نے مانا عمر بھر وہ ہم کو ترپا تار ہا

اُس حریم ناز کا اب تک نہ پایا کچھ پتا
میتوں، کم نجات دل گلیوں میں بھٹکا تار ہا

ذکرِ راحت کیا کہ تسکین تک نہ حاصل ہو سکی
گرچہ اک عالم، ہمارے دل کو بہلاتا رہا

اُس طرف اُس ناز نہیں سینے میں موج اضطراب

اس طرف ناز ان دل سینے میں گھبراتا رہا

مخل جاناں میں سب کو اپنی اپنی فکیر ہے

کوئی اختر سے تو پوچھے تیرا کیا جاتا رہا

ہوا زمانہ کہ اُس نے ہم کو نہ بھول کر بھی سلام بھیجا

ہوا زمانہ کہ اُس نے ہم کو نہ بھول کر بھی سلام بھیجا

مزاج پوچھا، نہ حال لکھا، نہ خط، نہ کوئی پیام بھیجا

نہیں ہے توبہ کا اعتبار اب نہیں ہے کچھ دل پہ اعتبار اب

بگاہ ہی ہے ہمیں بہار اب گھٹاؤں نے بھی پیام بھیجا

یہ بے بسی کیسی بے بسی ہے کہ رک سکے وہ نہ تابہ آخر

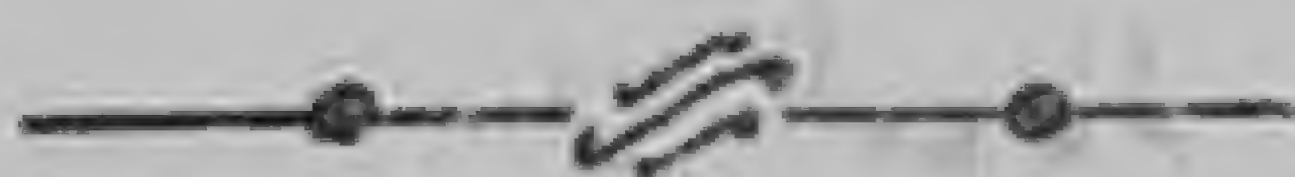
نگاہ غمگین نے تابہ آخر پیام شوق تمام بھیجا

بہارِ امید چھا رہی ہے، بہشتِ دل لہلہا رہی ہے

یہ بھول کیوں اُس نے خط میں لکھ کر ہمیں باسِ اہتمام بھیجا

نگاہِ خستہ نے کہہ دیا کیا کہ جا پھپھاسا فی دلارا

نہ بادۂ شبکو عطا کی، نہ ساغرِ لالہ فام بھیجا



کبھی دشت و گلشن کبھی آستانہ

کبھی دشت و گلشن کبھی آستانہ
نسیمِ سحر اُن کو جا کر سنانا
تلنے لگا بے طرح پھر زمانہ
بدلتی ہے سوزِ نگاہوں کی گردش
ہمارا مقدر نہ بدلا نہ بدلا
نگاہِ فتنوں گر کی گردش سے پھو
عجب بزمِ ہی بزمِ ہستی بھی اختر
کہاں ہے ترے غمزدہ کا ٹھکانہ
مری شامِ فرقت کا غمگین فسانہ
ذرا ساقیہ، ساغرِ مے تو لانا
رُلا کر ہنسانا، ہنسا کر رُلا نا
بدلتا رہا رنگِ لاکھوں زمانہ
رلا تا ہے کیوں ہم کو دورِ زمانہ
نہ بیگانہ کوئی نہ کوئی یگانہ

کیا کریں اے دل اگر آئی بہار

کیا کریں اے دل اگر آئی بہار
وہ بہارِ زندگی ہے مجھ سے دور
وہ نگاہِ شوخ و شہر آشوب اٹھی
اُفت وہ اُن کی نیم خوابی کا سماں
دشتِ غربت میں ہے اب وہ گلبدن
جن گلوں کو لے گئی تھی کل خسراں
ہم ہیں اور اُن کی حُبدانی کا الم
اُن کی خوشبو تک نہیں لائی بہار
ہائے تو ایسے میں کیوں آئی بہار
یا چمن زاروں پہ لہرائی بہار
لے رہی ہو جیسے انگڑائی بہار
سُن کے یہ آنے پہ پھپھٹائی بہار
اُن کی بھی کوئی خبر لائی بہار
اختر اب کے سال کیوں آئی بہار؟

کس لئے تنہا چلی آئی بہار

کس لئے تنہا چلی آئی بہار!
 جب بہارِ نوجوانی نمٹ چکی
 لالہ و زرگس کی آنکھیں کھل گئیں
 کس سے پوچھیں اے نگاہِ منتظر
 ایسی بھی کیا رودِ جہنما کی کشش
 جب نہ اُس رنگیں ادا کو لاسکی
 ساتھ اُن کو کیوں نہیں لائی بہار
 میرے کاشٹلے میں تباہی "بہار"
 دیکھ کر ان کو جو شرمائی بہار!
 وہ نہیں آئے تو کیوں آئی بہار؟
 اب بھی راوی کی نہ یاد آئی بہار
 اختر اپنے ساتھ کیا لائی بہار؟

مری روح رنگیں، مری جان شیریں!!!

مری روح رنگیں، مری جان شیریں
 ترارِ رخ ہے برقِ سیاحِ بہار میں
 تخیلِ ترا ایک راوی رنگیں
 تری یاد اک جنتِ رنگ و بو ہے
 ترا عشق، جس دن سے ہے جلوہ فرما
 ہیں کاکل ترے ابر بارانِ نکہت
 تمنا ہے زریں وار مانِ شیریں
 ترے لعل لب ہیں گلستانِ شیریں
 تصورِ ترا اک خیابانِ شیریں
 ترا خواب اک یوسفستانِ شیریں
 مرادِ بنا ہے شبستانِ شیریں
 ہیں آنکھیں تری زرگستانِ شیریں

تری جعبہ مشکیں ہے خوابِ بہاراں

تری زلف ہے سنبستانِ شیریں

مثالِ گردِ رواں میرے رہ گزریں ہیں !

مثالِ گردِ رواں میرے رہ گزریں ہیں
 وہ جلوے جو مہ وناہید کی نظر میں ہیں
 کسی کو کوچ کا فریاں کسی کو حاکم قیام
 ترے جہاں میں ہیں یارب کہ ہم سفر میں ہیں
 ترے ہی جام کا ساقی مجھے سرور نہیں
 کچھ اور جام بھی رقصاں مری نظریں میں
 ہر ایک ذرے پہ دھوکا ہے انجمنستان کا
 یہ کس کے جلوے پریشاں مری نظریں میں
 عجیب رنگ ہے دور قیامِ عالم کا !
 کہ ہم سفر میں نہیں اور پھر سفر میں ہیں
 کسے ہے فرصتِ فکرِ حیاتِ بعدِ فنا
 مگر یہ ناز کہ اک شوخ کی نظر میں ہیں
 مری نگاہ میں روشن ہے منزلِ مقصود
 ستارہ و مہ وناہید ابھی سفر میں ہیں
 جو آنسوؤں میں نہ ظاہر ہوں عمر بھر اختر
 نہاں کچھ ایسے بھی طوفانِ چشمِ تر میں ہیں

اُن کو بلائیں اور وہ نہ آئیں تو کیا کریں

ان کو بلائیں اور وہ نہ آئیں تو کیا کریں ؟
 بے کار جائیں اپنی دعائیں تو کیا کریں ؟
 اک زہرہ و شش ہے آنکھ کے پردوں میں جلوہ گر
 نظروں میں آسماں نہ سمائیں تو کیا کریں !
 مانا کہ سب کے سامنے ملنے سے ہے حجاب
 لیکن وہ خواب میں بھی نہ آئیں تو کیا کریں ؟
 ہم لاکھ قسمیں کھائیں نہ ملنے کی سب غلط
 وہ دُور ہی سے دل کو لبھائیں تو کیا کریں ؟
 بدقسمتوں کا ، یاد نہ کرنے پہ ہے یہ حال
 اللہ ! گر وہ یاد ہی آئیں تو کیا کریں ؟
 ناصح ! ہماری توبہ میں کچھ شک نہیں مگر
 شانہ ہلائیں آکے گھٹائیں تو کیا کریں ؟
 میخانہ دور ، راستہ تاریک ہم مریض !
 مُنہ پھیر دیں اُدھر جو ہو آئیں تو کیا کریں ؟
 راتوں کے دل میں یاد بساتیں کسی کی ہم !
 آخرتِ حرم میں وہ نہ بلائیں تو کیا کریں ؟

یہ کون آیا بزمِ گل ویا سمن میں؟

یہ کون آیا بزمِ گل ویا سمن میں؟
کہ شا دا بیاں جاگ اٹھیں چمن میں

تری یاد باقی ترا غم سلامت!
بہلتا نہیں دل کسی انجمن میں!

یہ کس نے نگاہ بہاریں سے دیکھا؟
کہ پھولوں نے انگڑائی سی لی چمن میں

ہر اک ذرہ اک آنکھ بن کر ہے مضطر
وہ کب آئیں گی میرے دارِ لجن میں

یہ مطلب کا بندہ ، وہ مطلب کا بندہ
نہیں فرق کچھ ، شیخ اور برہمن میں

چمن کیا جواب اُس چمن و ش کا نئے گا
بہت فرق ہے گل میں اور گل بدن میں

یہ سیمیں بدن اور شفق رنگ عارض
کہ گلہائے احمر ہیں شاخِ سمن میں

اٹھو بادہ نوشو! کریں رقصِ مستی!
وہ آئی بہار ، ابرگو سجا چمن میں!

وہ جان بہار آج آنے کی اختر
چلو چل کے کلیاں بچھا دیں چمن میں

پلائے جائے جا خوب ساقی !

پلائے جائے جا خوب ساقی
جہاں کی لذتوں سے تھک چکا ہوں
کسی صورت بہلتا ہی نہیں دل
وہ جان آرزو ہے درجب سے
ٹھہرائے سار بان محل ناز
بتان ہند سے تنگ آچکے ہم
غموں کا سایہ کب تک زندگی پر
پھلک جائے نہ مینائے دو عالم

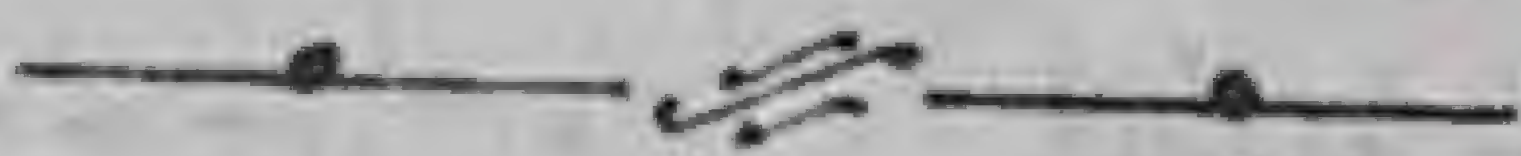
کہ ہستی ہے سراسر اتفاقی !
نہیں کوئی تمت اول میں باقی !
”سُیْلِمٰی مُنْذُ حَلَّتْ بِالْعِرَاقِ“
”اَلَا بَاقِیَ فِیْ ہَوَاہَا مَا اَلَا بَاقِی“
”اِلٰی رُکْبَانِکُمْ طَالَ اَشْتِیَاقِی“
کہ ہر ہیں ناز نینانِ عراقی ؟
گنوا دے میکدے میں عمر باقی
ہمارا ہات ہے اور زلف ساقی

نہیں ہے عشق اگر اختر تو کیوں ہیں !
یہ راتیں اور سنہ لہائے فراقی ؟

بجا کہ ہے پاسِ حشر ہم کو کریں گے پاسِ شباب پہلے

بجا کہ ہے پاسِ حشر ہم کو کریں گے پاسِ شباب پہلے
حساب ہوتا ہے گایا رب، ہمیں منگے شراب پہلے

فضاے شب ہنس کے جگر کافی، وہ ناز میں صبح بن کے آئی
 ہوا ہے روشن مر کے شبستاں میں چاند سے، آفتاب پہلے
 زباں پہ آیا نہ حرفِ مطلب کہ کہہ گئیں کچھ شریر نظریں
 سوال کرنے نہ پائے ہیں ہم کہ مل گیا ہے جواب پہلے
 جہاں میں پہلے پہل پئے گا، تو لڑکھڑاتا پھرے گا زابدا
 سرورِ کوثر کی ہے اگر دھن، جہاں میں پی لے شراب پہلے
 ہے خسروِ عشق کا یہ فرماں، کہ دل لگانا نہیں ہے آساں
 جسے ہو کوئے بتاں کا ارماں، وہ کو بکو ہو خراب پہلے
 غمِ عالم، رنج و یکس و حسرت اٹھاؤں گا سب کے رخ سے پرو
 تمہیں قسم ہے دلِ حزیں کی، اٹھاؤ تو تم، نقاب پہلے
 الہی، وہ بوائے پیرہن سے بھی پہلے ہو ہمکنار اگر
 چمن میں ہوتا ہے جلوہ افروز بھول سے ماہتاب پہلے
 یہ کس کے رنگِ رخ بہاریں نے بخش دی ہے نراوتِ نو
 شگفتہ ہوتا نہ تھا گلستاں میں اس ادا سے گلاب پہلے
 نگاہِ ساقی کی، مسکرائی، کہا جب اختر نے اپنی دھن میں
 پتیں گے، پیتے رہیں گے میکش، مگر یہ خانہ خراب پہلے



فصل گل آئی، گئی، غم کر چکے !

فصل گل آئی، گئی، غم کر چکے
 اُن سے ملنے کی ہوا بے تدبیر کیا
 دل میں باقی ہے ابھی تک اک خلش
 بعدِ مردن کیوں ہو رنجِ احباب کو؟
 اپنے قصوں ہی میں فرصت ہی کسے
 کیوں سلامت ہو نظامِ دو جہاں
 اے محبت تیرا ماتم کر چکے
 ہم جو کر سکتے تھے ہمدم کر چکے
 گرچہ توبہ عشق سے ہم کر چکے
 جیتے جی ہم اپنا ماتم کر چکے
 چارہ دل میرے ماتم کر چکے
 اپنی زلفوں کو وہ برہم کر چکے

عمر بھر اختر لٹاے مے کدے

زندہ رسمِ خسرو و جم کر چکے

نوبہاروں کا سماں دکھلا چلے

نوبہاروں کا سماں دکھلا چلے
 رات دن، کب تک ستائے جائے گا
 کب تک آئیں گے وہ اے صبحِ امید
 پہلے ساتھی تھا نہ اب ساتھی کوئی
 تیرے پاسے ناز پر گر جائیں ہم
 وہ نہ آئے لے کے پیغامِ بہار
 جب بھی آئے پھول سے برباد چلے
 بس کر اے غم، اب تو ہم گھبرا چلے
 اب تو سارے پھول بھی کھلا چلے
 آئے تھے تنہا یہاں، تنہا چلے
 سب اکیلا اک دور تو ایسا چلے
 آرزوؤں کے چمن مڑ جھا چلے



آہ! اخترِ دہ نگاہِ فتنہ ریندا
دل کے ارماں رے کے سب کھلا چلے

حسرتوں سے دل کا دامن بھر چلے

حسرتوں سے دل کا دامن بھر چلے
کب تک یہ رنج و غم، ورد و اہم!
مختصر صحبت ہے ساقی جلد جلد
راحتیں دیکھیں جہاں میں رنج بھی
آج وہ مہ جہیں یاد آگئی!
مطرب! نغمہ، کہ دل گھبرا گیا

ہمارے اس دنیا میں ہم کیا کر چلے
زندگی! اور زندگی، ہم مر چلے
جام اٹھے، مینا بڑھے، ساغر چلے
خار و گل سے اپنا دامن بھر چلے
آج پھر ہم سوئے امرتسر چلے
ساقیا! ساغر، کہ غم سے مر چلے

آج پینے کا مزہ آیا نہیں
ساقیہ! ساغر سنبھال اختر چلے

نہ تمہارا حسنِ جوان رہا نہ ہمارا عشقِ جوان رہا!

نہ تمہارا حسنِ جوان رہا نہ ہمارا عشقِ جوان رہا
نہ وہ تم ہے نہ وہ ہم ہے جو رہا تو غم کا سماں رہا
نہ وہ باغ ہیں نہ گھٹائیں ہیں نہ وہ پھول ہیں نہ نضائیں ہیں
نہ وہ نکبتیں نہ ہوائیں ہیں نہ وہ بخند ہی کا سماں رہا

نہ وہ دل بہاب نہ جوانیاں، نہ وہ عاشقی کی کہانیاں
 نہ وہ غم نہ اشک فشانیاں، نہ وہ دردِ دل کا نشان رہا
 نہ چمن ہے وہ نہ بہار ہے، نہ وہ بلبلیں نہ ہزار ہے
 یہی چار سمت پکار ہے نہ وہ رت ہی اب نہ سماں رہا
 نہ وہ قصے ہیں نہ حکایتیں، نہ وہ شکوے ہیں نہ شکایتیں
 نہ وہ دردِ دل کی شکایتیں، نہ غمِ شرارہ فشاں رہا
 نہ وہ عشق ہے نہ وفار ہی، نہ وہ حسن ہو نہ جفار ہی
 نہ وہ اپنی اپنی ادار ہی، نہ وہ اپنا اپنا جہاں رہا
 نہ وہ عمر ہے نہ مسرتیں، نہ وہ عیش ہے نہ دُشترتیں!
 نہ وہ آرزوئیں نہ حسرتیں، نہ خوشی کا نام و نشان رہا
 نہ نشان ہے ساقی و جام کا، نہ وہ بادہ ملے چمن ادا
 نہ مغنیہ رہی محوساز، نہ ساز مسرتِ فغاں رہا!
 یہ بہارِ گلشن آب و گل ہے فنا اثر تو ہوں کیوں نخل
 وہ گلِ خسروہ ہے میرا دل، کہ ہمیشہ نذر خزاں رہا
 نہیں عبرتِ سابقا لا بھی ڈے قدحِ بہار اٹھا بھی ڈے
 ابھی سن ہے لا کے پلا بھی ڈے کہ ہمیشہ کون جواں رہا
 کہوں کیا کہ رنجِ رسیدہ ہوں، میں بے رنگِ ابرِ رسیدہ ہوں
 نفسِ شمیم پریدہ ہوں کہ رہا تباہ جہاں رہا

اثر بہارِ خزاں اثر ہے کہ ہے سردی مری نظر!
 نہ ہوائے عشرتِ بال و پر، نہ جنونِ باغِ جٹاں رہا
 میں گلیِ رمیدہ رنگ و بو، تو بہارِ مے کدہٴ منو!
 میں ہمیشہ خستہٴ ارزو، تو ہمیشہ عیشِ جواں رہا
 نہ سکونِ دل نہ قرارِ جاں، نہ قیامِ صبر کوئی نہ ماں
 یہ سرِ شکِ غم کا ہے کارِ داں کہ یونہی ہمیشہ رواں رہا
 تو متاعِ گلکدہٴ نظر، گلِ نو بہارِ بہشتِ اثر
 میں وہ عندلیبِ شکستہ پر، کہ ہمیشہ محوِ فغاں رہا
 نہ وہ سوز و سازِ دروں ہے اب نہ وہ چشمِ گلکدہٴ گونجِ اب
 نہ وہ سر ہے اب نہ جنوں ہے اب نہ وہ ذوقِ شعلہٴ چکاں رہا
 ہے فلاک کی بدلی ہوئی نظر، کہیں کس سے اخترِ نالہ گر
 کہ میں اس کے جوِ الم اثر سے ہمیشہ محوِ فغاں رہا
مجھے ذوقِ باغ و چین نہیں، مجھے شوقِ سرو و سمن نہیں
 مجھے ذوقِ باغ و چین نہیں، مجھے شوقِ سرو و سمن نہیں
 میں کروں تو کیا کروں ہم نشیں کہ نصیبِ صبحِ وطن نہیں
 کوئی جامِ بادہٴ شوخ کا، ہمیں جلدِ ساقیہ ہو عطا
 کہ ذرا سی دیر ٹھہرنے کی بھی جگہ یہ دیر گہن نہیں

ہے خوشی کی وجہ مرا محن کہ ستارے مجھ پہ ہیں طعنہ زن

مرے جامِ سادہ میں آج کیوں مری حورِ شعلہ بدن نہیں
یہ فسوں کا رنگ کہاں تاک، یہ غموش جنگ کہاں تاک

کہ تری حیا کے زباں نہیں مری حسرتوں کے دہن نہیں
مرے ذوق سوز و گداز نے مجھے خاک کر کے ہی رکھ دیا

وہ ہنسی نہیں، وہ خوشی نہیں، وہ الم نہیں، وہ محن نہیں
اٹھے کیوں نہ سینے سے مری خون مری آنکھ کیوں ہوا لالہ گول

کہ نظر کے سامنے اے جنوں، وہ نگارِ لالہ بدن نہیں
کردل کیا میں اخترِ غم زدہ کہ ہوں کیوں اسیرِ غم و بلا!

کہ میں جس چمن کا ہوں عنبرِ لب، میسراب وہ چمن نہیں

کام آسکیں نہ اپنی وفائیں تو کیا کریں؟

کام آسکیں نہ اپنی وفائیں تو کیا کریں؟

اک بے وفا کو بھول نہ جائیں تو کیا کریں؟

بتجھ کو یہ اعتراف، دعاؤں میں ہے اثر

جائیں نہ عیش و عشرت پہ جو دعائیں تو کیا کریں؟

اک دن کی بات ہو تو اسے بھول جائیں ہم

نازل ہوں دل پہ روزِ بلا کیس تو کیا کریں؟

ظلمت بدوش ہے مری دُنیلے عاشقی
 تاروں کی مشعلیں نہ چرائیں تو کیا کریں؟
 شب بھر تو اُن کی یاد میں تارے گنا کئے
 تارے سے دن کو بھی نظر آئیں تو کیا کریں؟
 عہدِ طرب کی یاد میں رو یا کئے بہت
 اب مسکرا کے بھول نہ جائیں تو کیا کریں؟
 اب جی میں ہے کہ اُن کو بھلا کر ہی دیکھ لیں
 وہ بار بار یاد جو آئیں تو کیا کریں؟
 وعدہ کے اعتبار میں تسکین دل تو ہے
 اب پھر وہی فریب نہ کھائیں تو کیا کریں؟
 ترکِ وفا بھی حُرْمِ محبت سہی، مگر !
 ملنے لگیں وفا کی سزائیں تو کیا کریں؟

دل ہے میرا مقامِ غم، غم کا مقام ہے جہاں

دل ہے میرا مقامِ غم، غم کا مقام ہے جہاں
 نالہ صبح ہے یہاں، گر یہ شام ہے یہاں
 ایک تصویرِ حسیں، خلوتِ دل میں ہے یہاں
 دیدہ شوق کے لئے دیدِ حرام ہے یہاں

نکھت و نور و نارادھر، ظلمت و سوز و سازادھر

صبح ہی صبح ہے وہاں، شام ہی شام ہے یہاں

صحنِ چین میں ہر جگہ نشہ سا پھیلنے لگا!

آج یہ کون مرے لقامتِ خرام ہے یہاں؟

میرا الم کردہ نہیں رنگِ طرب سے آشنا

فصلِ خزاں ہو یا بہار، ماتم عام ہے یہاں

اُن کے لئے سرور و ناز، میرے لئے غم و گداز

گردشِ چشم ہے وہاں، گردشِ جام ہے یہاں

شاید کہ دیکھے ہیں لبِ شیریں دہن کے پھول

شاید کہ دیکھے ہیں لبِ شیریں دہن کے پھول

کیوں آج مسکراتے ہیں سارے چین کے پھول؟

کیوں عارضوں کا رنگ اڑا عرضِ شکوہ پر

نسرین کے پھول بن گئے کیوں یا ہمن کے پھول؟

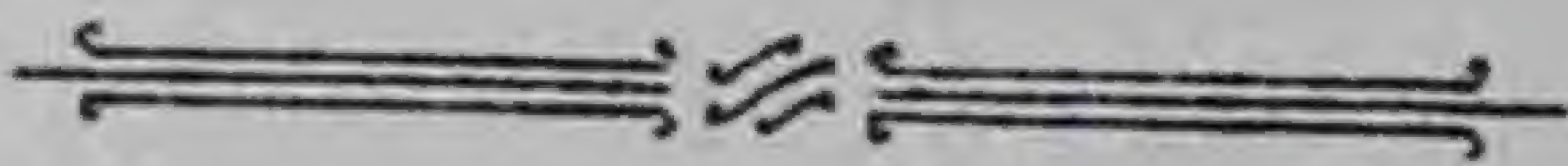
شاداب جلوہ ہائے بہاراں ہے بزمِ ناز!

جھڑتے ہیں مرنے سے اُس گلِ رنگیں دہن کے پھول

بے اختیار جھومتے ہیں شاخسار پر!

بیخود ہیں کس کے شوق کے مارے چین کے پھول؟

اُس پیکرِ بہار کی کیا بات ہے ندیم !
 چھو لے اگر تو سرو میں آئیں سمن کے پھول !
 دستِ خانی کس کے اُٹھے فاختہ کو یہ ؟
 شاداب ہو رہے ہیں ہمارے کفن کے پھول
 ہم غم زدوں کو سرو و گل و یا سمن سے کیا ؟
 قسمت میں ہیں فقط غم و سنج و محن کے پھول
 کیا بات گلشن لبِ رودِ نباس کی !
 دیکھے ہیں ہم نے دادی گنگ و جمن کے پھول
 اڑ جائیں بن کے موجہ نکہت، سوئے جنال
 تم دستِ ناز میں سے جو چھو لو جن کے پھول
 اُس بزمِ رنگ و بو میں اگر بار، مل کے
 قربان اُس پہ ایک نہیں مسوچن کے پھول
 آخر ہمارے شکوؤں کی تقدیر الاماں
 کچھ کھل کے رہ گئے، لبِ شیریں دین کے پھول



اپنے

ماہی

(۱)

چاندنی راتوں میں

اُن چاندنی راتوں میں
کھڑ جاتے تھے جب دونوں ہم پیار کی باتوں میں
اُن چاندنی راتوں میں

جب دل نہ سنبھلتا تھا
اور عشق مچلتا تھا، اُردو کی گھاتوں میں
اُن چاندنی راتوں میں

لطف آتا تھا آہوں میں
مچلی ہوئی باہوں میں، پھیلے ہوئے باتوں میں!
اُن چاندنی راتوں میں

مٹاتے تھے نظارے
بہہ جاتے تھے نظارے، بہکی ہوئی باتوں میں
اُن چاندنی راتوں میں

(۲)

آمد بہکار

پھر فصل بہار آئی!

ہر پھول کی خوشبو سے خوشبوئے نگار آئی!

پھر فصل بہار آئی!

چھائی ہے گٹا ہر سو

مستی میں صبا ہر سو، باغوں میں مہکار آئی!

پھر فصل بہار آئی!

مستانہ ہوا جاگی!

بلبل کی صدا جاگی، آواز ہزار آئی!

پھر فصل بہار آئی!

مجنور ہیں محبت سے

ہر پھول کی صورت سے یادِ رخِ یار آئی!

پھر فصل بہار آئی!

—————

(۳۳)

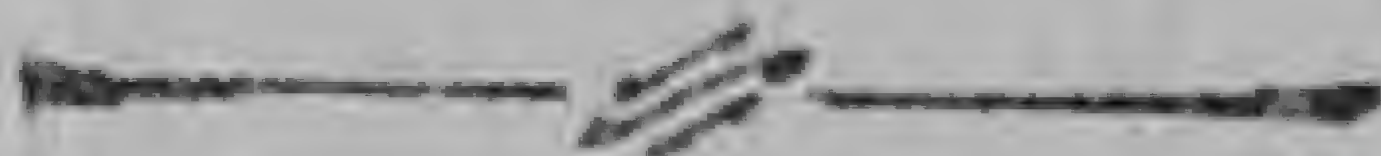
وہ آنکھوں میں بستے ہیں

وہ آنکھوں میں بستے ہیں
 رونا یہ ہے ہم پھر بھی عورت کو ترستے ہیں
 وہ آنکھوں میں بستے ہیں

دل مڑتا ہے سبک کیوں؟
 آنکھوں سے یہ بادل کیوں، دن رات برستے ہیں؟
 وہ آنکھوں میں بستے ہیں

کیا بات ہے ساجن کی
 یہ نین تو سادوں کی، بدلی سے بھی سستے ہیں!
 وہ آنکھوں میں بستے ہیں

فریاد خداؤں سے!
 آنکھوں کی گھٹاؤں سے، سادوں سے برستے ہیں!
 وہ آنکھوں میں بستے ہیں



گھنگور گھٹاؤں سے

گھنگور گھٹاؤں سے

پھر عشق مرا جاگا ، کوئل کی صداؤں سے !
گھنگور گھٹاؤں سے

جی کس کو ترستا ہے

کیوں درد بستا ہے ، ساون کی ہواؤں سے !
گھنگور گھٹاؤں سے

کیوں یاد ستاتی ہے

بو کس کی یہ آتی ہے ؟ برکھا کی فضاؤں سے !
گھنگور گھٹاؤں سے

ستانا ہوا آتی !

یاد اُن کی ادا آتی ، پھولوں کی اداؤں سے
گھنگور گھٹاؤں سے

یہ عشق نہیں چلتا !

کچھ کام نہیں چلتا ، خستہ کی دعاؤں سے
گھنگور گھٹاؤں سے

(۵)

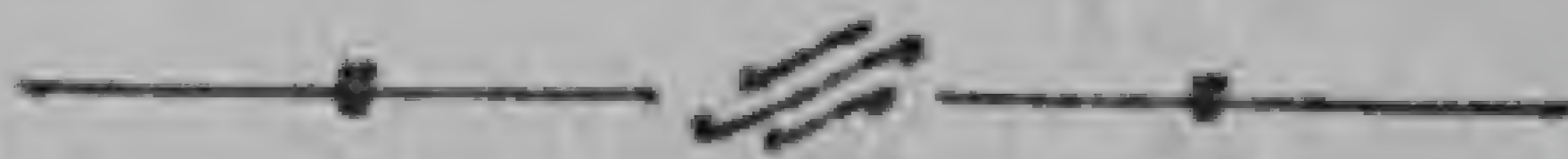
دودن کی جوانی ہے

دودن کی جوانی ہے!
دنیا سے کوئی پوچھے کیوں اتنی روانی ہے؟
دودن کی جوانی ہے

غم خانہ ہستی میں!
اس خواب کی بستی میں، جو چسپاز ہے فانی ہے
دودن کی جوانی ہے

اک خوابِ شبانہ ہے
آہوں کا فسانہ ہے، اشکوں کی روانی ہے!
دودن کی جوانی ہے

کیوں اس پہ دل آئی ہے
یہ ابر کا سایہ ہے، بجلی کی روانی ہے!
دودن کی جوانی ہے



(۶)

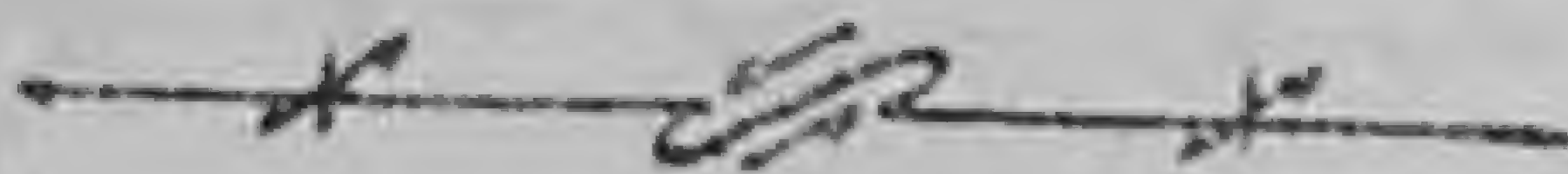
تاروں بھری راتیں!

یہ تاروں بھری راتیں!
کیوں یاد دلاتی ہیں، کچھ بھولی ہوئی باتیں
یہ تاروں بھری راتیں!

ہر آنکھ سے مٹا مانا!
ہر سایہ سے گھبرا مانا، چھپ چھپ کے ملاقاتیں
یہ تاروں بھری راتیں!

وہ منہ سے نہ کچھ کہنا
وہ آنسوؤں کا بہنا، آنکھوں کی مناجاتیں!
یہ تاروں بھری راتیں!

بے تاب سار کھتی تھیں
بے خواب سار کھتی تھیں، خستہ تھیں یہ راتیں!
یہ تاروں بھری راتیں!



شکر و شکر

اختر شیرانی مرحوم کے کلام کا آخری مجموعہ

ناشر

کتاب محل کھاری باؤلی۔ دہلی

تدفین

فائدہ

کے

مرد کہ در غم ہجرت تو از جہاں برویم
 بیا کہ پیش تو از خویش ہر زمان برویم
 سخن بگوئے کہ پیش لب تو جاں بدہیم
 رہا مکن کہ درین حسرت از جہاں برویم
 روادار کہ جاں بر لب ست و مار جہاں
 ندیدہ کام دل از آل لب و دہاں برویم
 گدائے کوئے شمایم و جاسختے دایم
 روادار کہ محروم از آستان برویم
 مگو کہ حافظ ازین در برو ہوائے خدا
 کہ ہرچہ رائے تو باشد جز این برآں برویم

نعتی

(۱)

مسند نشین عالم امکاں تمہیں تو ہوا
 دنیا کی آرزوئیں فنا آئنا ہیں سب
 روشن ہے جس کی صلو سے شبستانِ زندگی
 صبحِ ازل سے شامِ ابد تک ہے جس کا نور
 دیکھتے ہست و بود کی زینت تمہیں سے ہے
 تم کیا ملے کہ دولتِ ایمان ملی ہمیں
 اس انجن کی شمعِ فروزاں تمہیں تو ہوا
 واراے چرخ و دور زمین جس کے ہیں غلام
 اس باغ کی بہار کے سماں تمہیں تو ہوا
 شادابی صنوبر و نسریں تمہیں سے ہے
 وہ ماہِ نیم ماہِ شبستان تمہیں تو ہوا
 دنیا و آخرت کا سہارا تمہاری ذات
 جو روحِ زندگی ہے وہ ارماں تمہیں تو ہوا
 وہ جلوہ زارِ حسن و خشناں تمہیں تو ہوا
 ایمان کی تویہ ہے کہ ایمان تمہیں تو ہوا
 وہ نازِ دہر و نازش و وراں تمہیں تو ہوا
 بوئے گل و بہارِ گستاں تمہیں تو ہوا
 دونوں جہاں کے والی و سلطان تمہیں تو ہوا

اختر کو بے فوائدی دنیا کا فکر کیا
 سماں طرازِ بے سرو سماں تمہیں تو ہوا

سَرکارِ مدینہ!

(۲)

سودا ہے یہ سر میں
 سرکارِ مدینہ! مختارِ مدینہ!

دیکھوں کبھی جا کر دربارِ مدینہ !
 یثرب کے نظارے گلزارِ مدینہ !
سرکارِ مدینہ !

بستی ہیں نظر میں !
 وہ چاندنی راتیں شاداب کھجوریں !
 یا شرم و حیا سے سمٹی ہوئی حوریں !
 زلفوں کو سنوارے سرشارِ مدینہ !
سرکارِ مدینہ !

وحشت ہے نظر میں
 اور غم کے اثر سے روئی ہوئی آنکھیں !
 حسرت کی فضا میں کھولی ہوئی آنکھیں !
 دل کیوں نہ پکارے دلدارِ مدینہ !
سرکارِ مدینہ !
 ہے دردِ جگر میں

اور دل بھی ہے بسمل بے تاب ہے جاں بھی !
 آنکھوں میں ہیں آنسو اور لب پہ نقاں بھی !
 غم کے ہیں اشارے غمخوارِ مدینہ !

سرکارِ مدینہ !
 یثرب کے نگر میں

بلو او خدا را تنگ آئے ہیں غم سے
 روتے ہیں شب و روز فرقت کے ستم سے
 ہم درد کے مارے! بیمارِ مدینہ!
سرکارِ مدینہ!

(۳)

لٹائے سجدے نہ کیوں آسماں مدینے میں رسولِ پاک کا ہے آستانِ مدینے میں
 قدم بڑھائے چلو رہو ان منزلِ شوق ہے ابرِ رحمت حق گلشنِ مدینے میں
 درِ رسول کے ذروں کی گرتلاش نہیں تو کس کو ڈھونڈتی ہے کہکشاںِ مدینے میں
 بہشتِ پیروی کیا ہے کہ ایک سجدے میں ہمیں تو مل گئے دونوں جہاںِ مدینے میں
 قدم اٹھائے ادب سے ذرا نسیمِ سحر ہیں محوِ خواب شہہ دو جہاںِ مدینے میں

مدینے جاتے ہیں پیری میں لوگ سب اختر
 منزل ہے کاٹ دو عمرِ جوانِ مدینے میں

(۴)

سحر دمِ رحمتِ حق کا یہ مستانہ پیام آیا
 مبارک اہل ایمان کو کہ وہ خیرِ الانام آیا
 خدائی جس کے جلووں سے ہمیشہ جگمگائے گی
 شبستانِ حرا کا آج، وہ ماہِ تہِ تہِ اسمِ آیا
 زمین و آسماں بھی جس کے درپر سر جھکائیں گے
 ہیں چہرے قدسیوں میں آج وہ عالی مقام آیا

جسین بندگی بے تاب ہے سجدے لٹانے کو
 الہی تیرے بندوں کی زباں پر کس کا نام آیا؟
 مرے دل میں ہزاروں طور سینا جگمگا اُٹھے
 کچھ اس انداز سے دل میں ترا شوق تمام آیا
 بشر تھا وہ مگر ایسا، جسے خیر البشر کہئے
 غریبوں کی خبر لی اُس نے بیماروں کے کام آیا
 زباں چپ ہو گئی جب دل نے پھیرا تذکرہ اُن کا
 دلوں کو وجد آیا، جب زباں پر اُن کا نام آیا
 تھے جتنے داغ کثرت کے، دلوں سے دھل گئے سارے
 لئے ہاتھوں میں ساقی عرب وحدت کا جام آیا
 مزاج ہے کہ جائیں خلد میں ہم اس طرح اختر
 کہیں حوریں محمد کا وہ مستانہ غلام آیا

(۵)

قربان گیسوئے نبی، قربان خوشبوئے نبی	لائی نسیم بادِیہ خوشبوئے گیسوئے نبی
محراب بیتِ حق نما ہے قوسِ ابروئے نبی	ہم بے خودانِ عشق کا، دبیرِ وعرم سے واسطہ
ہاں سے ہوائے کلفشان لے آذریوئے نبی	گلہائے رنگین جہاں کھتے ہیں وقفِ ابنِ ویاں
صدقے سرِ بایے نبی، قربان سرِ روئے نبی	دویرِ زماں پر وہ اٹھائیں شوق سے ہولِ دنیا
تو لے تو جا بادِ سحرِ میری دعا سوئے نبی	میں بھی ہوں تم سا اک بشرِ فرما چکے پھر بھی مگر
ہے تو سکونِ دل سے ہے آباد اک کئے نبی	ذیلے آبِ گل کہاں اختر سکونِ دل کہاں

(۶۱)

اگر اے نسیم سحر، ترا ہو گذر، دیارِ حجاز میں
 مری چشمِ نر کا سلام کہنا حضورِ بندہ نواز میں
 تمہیں حدِ عقل نہ پاسکی، فقط اتنا حال بتا سکی
 کہ تم ایک جلوۂ راز تھے جو عیاں تھا رنگِ حجاز میں
 غیب اک سرور سا چھا گیا، میری روح و دل میں عا گیا
 ترانامِ ناز سے آ گیا، مرے لب پہ حب بھی نماز میں
 نہ جہاں میں راحتِ جاں ملی نہ متاعِ امن و اماں ملی
 جو دوائے دردِ نہاں ملی، تو ملی بہشتِ حجاز میں
 کروں نذرِ نعمتِ جاں فزا میں کہاں سے اخترِ عجم نوا
 کہ سوائے نالِ عجم، نہیں مرے دل کے غمزدہ ساز میں

منظومات!

بہاریک

دھوم ہے گلزارِ سستی میں پھر آتی ہے بہار!
 ابر کو نجا باغ میں، دھوم میں مچاتی ہے بہار!
 غنچہ و گل کا حسیں ملبوس ہے زیبِ بدن
 چشمِ بدیس کی نظر لگنے نہ پائے اس نئے
 ہے خس و خوار و خزاں کا خوف دل کو اس لئے
 زہرہ و ماہ و ثریا جھومتے ہیں ناند سے
 میکستانِ رنگ و بو کو ہونوید بے خودی
 ابر و برقی و باد کے رنگیں اشارے الاماں
 آہ یہ برکھا کی راتیں ہائے یساون کی رُت
 بن کے بادل کی گرج کیا جانے کس کی یاؤں
 تارِ مہراب صبا بر سرِ ماہ ہے میکرے
 آہ اُس خورشید و ش کی حسن آرائی کا پاس
 کس قدر شوقِ رسائی ہے کہ پائیں باغ میں
 کس کے گوش و گردن و گیسو کی زینت کیلئے
 آج وہ جانِ بہار آنے کو ہے شاید ادھر

رنگ و بوئے خلد کا پیغام لاتی ہے بہار!
 رس بھرے نعموں کا طوفان بکے آتی ہی بہار!
 سر پہ رکھے چاندنی کا تاج آتی ہے بہار!
 پردہ ہائے گل میں چھپ کر مسکراتی ہی بہار!
 ہرکلی میں رنگ بن کر لہلہاتی ہے بہار!
 چاندنی راتوں میں جب نغمے سناتی ہی بہار!
 جامِ ہائے گل لئے ہاتھوں میں آتی ہے بہار!
 آؤ سلمیٰ باغ میں ہم کو بلاتی ہے بہار!
 کیا ٹہانے سنے آنکھوں کو دکھاتی ہے بہار!
 رات بھر اکثر "حسینوں" کو جگاتی ہے بہار!
 شلخِ گل کا بر لبِ رنگیں بجاتی ہے بہار!
 استنانِ ناز پر سجدے لٹاتی ہے بہار!
 اُس کے بستر کیلئے کلیاں بچھاتی ہے بہار!
 رات بھر بیٹھی ہوئی گجرے بناتی ہے بہار!
 ورنہ یوں گلشن میں کیوں کلیاں بچھاتی ہی بہار!

ہم اس جانِ جہاں کی یاد میں بے اختیار
 بلغ میں جھولے پڑے ہیں جھولنے میں گلبرن
 اک اداے شرمگین ہو کر شباب و حسن کی
 ایک متانہ تبسم بن کے جذب و شوق کا
 ابرچھپایا باغ پر پڑنے لگی مینہ کی پُوار
 ناصح ناداں کو سمجھا دے یہ کوئی ہائے ندیم
 جنبشِ بادِ سحر سے شاخ و گل ہیں وجد میں
 مورگو بجے کوئلیں گو کہیں پیسے بول اٹھے
 شاخسارِ لالہ و گل کو ہلاتی ہے نسیم
 نغمہ و رقص و مے و مینا کا موسم آگیا
 زہد ہے میری شکست تو یہ پر کیوں طعنے زن
 ہوش والوں کو بھی اس موسم میں کرے اپنا ہوش
 دخترانِ غنچہ تھیں زیرِ نقابِ نامیہ
 چاندنی کھیلی ہوئی ہے وادی گلزار پر
 وہ بہارِ گلستانِ دل نظر سے دُور ہے

کیا کہیں کس کس طرح ہم کو رلاتی ہے بہار
 لب پہ سادون کے سیلے گیت گاتی ہے بہار
 مہمبینوں کی نظر میں مسکراتی ہے بہار
 نازنینوں کے لبوں پر لہلہاتی ہے بہار
 نعرہ سازِ چین کا مٹنہ ڈھلاتی ہے بہار
 توبہ ہو جاتی ہے رخصت جبکہ آتی ہے بہار
 آبشارِ نغمہ و گہرت بہساتی ہے بہار
 کتنے کمسن مطرب اپنے ساتھ لاتی ہے بہار
 نوجواں کلیوں کو باجھولا جھلاتی ہے بہار
 نشترِ کیف و طرب کے پھول اڑاتی ہے بہار
 دل پس چلتا نہیں جس وقت آتی ہے بہار
 خوابِ طفلی بن کے عالم کو ہنساتی ہے بہار
 چہرہ ہائے نانسہ بر دے اٹھاتی ہے بہار
 یا محیطِ نور و نکبت میں نہاتی ہے بہار
 اختر اس عالم میں کیوں ہم کو ستاتی ہے بہار

یہ دُنیا !

یہ دنیا، جو الم آبادِ افکارِ محبت ہے !
 یہ دنیا، جو تظلم گاہِ جورِ دستِ قدرت ہے !

یہ دنیا جو ستم زارِ جنوں بر بریت ہے !
 یہ دنیا دیکھنے میں کس قدر معصوم جنت ہے !
 یہ دنیا جس میں آنسو بہتے ہیں رنگین نگاہوں کے
 یہ دنیا جس میں بادل گونجتے ہیں غم کی آہوں کے
 نصیبِ اہل آدم کے لئے جو ایک لعنت ہے !
 یہ دنیا دیکھنے میں کس قدر معصوم جنت ہے !

زبانِ عیش کہتی ہے بہشتِ بے خزاں جس کو
 نگاہِ بے کسی سے دیکھتی ہے کہکشاں جس کو
 لگ رہی ہے جس کے داغِ خونِ صدفِ لطافت ہے !
 یہ دنیا دیکھنے میں کس قدر معصوم جنت ہے !

ہزاروں محفلیں آباد ہیں جس میں گناہوں کی
 غموں کی حسرتوں کی رنج کی، اشکوں کی آہوں کی
 جہاں ہر وقت برپا رک نہ اک تازہ قیامت ہے !
 یہ دنیا دیکھنے میں کس قدر معصوم جنت ہے !

جسے کہتے ہیں ہم گہوارہٴ جنت کی بہاروں کا
 جو رہنما ہے ستاروں، سبزہ زاروں، جوتیاروں کا

حقیقت میں مگر یہ مقتلِ حسن و صداقت ہے!
یہ دنیا دیکھنے میں کس قدر معصومِ جنت ہے!

جہاں مصروفِ ماتم ہیں اُسیدیں نا اُسیدوں کی
جہاں اشکوں سے لکھٹی جاتی ہے سرفخی نویدوں کی
جہاں ہر تازہ عشرت، اک ابد گاہِ مصیبت ہے
یہ دنیا دیکھنے میں کس قدر معصومِ جنت ہے!

تمنائیں تڑپتی ہیں جہاں معصومِ روحوں کی
مرادیں تملاتی ہیں جہاں منعمومِ روحوں کی
جہاں ہر سمت آفت ہے، مصیبت ہے، اذیت ہے
یہ دنیا دیکھنے میں کس قدر معصومِ جنت ہے!

جہاں کا ذرہ ذرہ درسِ خونخواری سکھاتا ہے
جہاں حیراں ہے پیرداں اور شیطان مسکراتا ہے
جہاں حیوانیت ہر وقت مسرورِ بغاوت ہے
یہ دنیا دیکھنے میں کس قدر معصومِ جنت ہے
جہاں سینوں میں رنج و غم سے اکثر دل دھڑکتے ہیں
جہاں سوزِ نہاں سے جذبہ ہائے غم بھڑکتے ہیں

جواک پروردگار شعلہ عشق و محبت ہے
یہ دنیا دیکھنے میں کس قدر معصوم جنت ہے

جہاں پنہاں ہیں ماراں سیہ شاخوں کے دامن میں
جہاں خونخوار کانٹے ہیں نہاں پھولوں کی چمن میں
جہاں باطل کے پردے میں چھپا روئے حقیقت ہے
یہ دنیا دیکھنے میں کس قدر معصوم جنت ہے!

یہ دنیا رشک کرتا ہے سواد آسماں جس پر
حسد سے ڈالتی ہے اپنی نظریں کہکشاں جس پر
ہمارے دیدہ تیرہ میں جواک خواب طلعت ہے
یہ دنیا دیکھنے میں کس قدر معصوم جنت ہے!

جہاں پڑھتار ہاہوں مرثیے میں شادمانی کے
جہاں لکھتے ہیں نوے میں نے اپنی نوجوانی کے
جہاں میرے لئے ہر سالس، اک پیغامِ رقت ہے
یہ دنیا دیکھنے میں کس قدر معصوم جنت ہے

ساقی سے

اٹھا ساغر کہ دنیا درپے آزار ہے ، ساقی !
 زمانہ ہو کہ قسمت بر سر پیکار ہے ساقی !
 پلا دے آج تو جتنی مے گلزار ہے ، ساقی !
 کہ پھر ابرہہ جو ان رقصاں سرگہزار ہے ساقی !
 غضب ہے یہ جوانی اور ہم اس طرح کاٹیں
 کہ اک اک سانس اک چلتی ہوئی تلوار ہے ساقی !
 زمانے کی طرح رنگت بدلنا کس سے سیکھا ہے
 کبھی اقرار ہے ساقی ، کبھی انکار ہے ساقی !
 پلا دے آج تو جتنی پلائی جا سکے مجھ کو !
 ہمائے عمر اڑنے کے لئے تیار ہے ساقی !
 مجھے ذوقِ بلا نوشی نے یہ کیسی سزا دی ہے ؟
 ادھر پیرمغاں برہم ، ادھر بیزار ہے ساقی !
 یہ تیرے سہر پیرا ہن نے کیسے گل کھلائے ہیں !
 کہ میخانے کا میخانہ گل و گلزار ہے ساقی !
 پلا دے جتنی چاہے اتنوں مہماں ہیں کوئی دم کے
 جرس کا شور گو نجا ، کارواں تیار ہے ساقی !
 زمین و آسماں سرشار و بخود ہوں توجیرت کیوں ؟

ادھر میخانہ بیخود ہے، ادھر سرشار ہے ساقی!
 گھٹائیں ہیں کہ خاکی پوش پریاں سُکراتی ہیں
 اٹھا ساغر کہ دنیا حُسن سے سرشار ہے ساقی!
 خمارِ شب کو رنگیں کر دے گلہائے صبوچی سے
 نسیم صبح جاگی، ابر بھی گلبار ہے ساقی!
 زمانے کے غموں نے یہ سبق ہم کو سکھایا ہے
 جو بیخود ہے یہاں ساقی، وہی شیار ہے ساقی!
 غنیمت جان اس صحبت کو پھر ایسی کہاں عجبیت؟
 کہ جو منظر ہے ہستی کا فنا آشار ہے ساقی!
 ترے میخانے پر قربان کر دی دولتِ ہستی
 اور اس پر بھی لگے، میری وفانا دار ہے ساقی!
 چمن بیخود، دمن بیخود، فنا بیخود، ہوا بیخود
 اُنق سر مست ہے، ابر رواں سرشار ہے ساقی!
 نسیم شام دل کے ولولوں کو گدگداتی ہے
 خدائی کیف و رقص و وجد سے سرشار ہے ساقی!
 یہ بادل ہیں کہ ہیں رنگیں پرستاں بیخود و رقصاں
 عجب حشرِ حسین برپا سر کہسار ہے ساقی!
 پریشاں تو بھی کر دے زلفِ مشکیں، دوشِ نازک پر
 کہ صحنِ باغ میں اودی گھٹا گل کار ہے ساقی!

نہ دے فرصت کہ مجھ کو ہوش آئے اپنے زخموں کا!
 کہ دنیا بکسراک اہر بمینِ خو نثار ہے ساقی!
 ادب سے ماہِ نو، مرمر کی کشتی لے کر آیا ہے
 تری جھوٹی فرشتوں کے لئے درکار ہے ساقی!
 خریدی جا نہیں سکتی خوشی دنیائے غمگین میں
 مگر تیرے کرم سے یہ بھی کیا دشوار ہے ساقی!
 دلِ غمگین کو بہلانے کی خاطر در پہ آئے ہیں!
 محبت ہے کہ جیتے جی کا اک آزار ہے ساقی!
 اٹھا نونشا بہ صہبا کو خواہستانِ سینا سے
 بہارِ صبح جاگ اُٹھی چمن بیدار ہے ساقی!
 غموں کے ہاتھ سے مرمر کے جینا کیا قیامت ہے
 خوشی کا جام لا دے، زندگی دشوار ہے ساقی!
 دماغ و دل میں بالِ افشاں کچھ اس صورتِ گرنتا ہے
 چھپکتا جامِ گویا طائرِ افکار ہے ساقی!
 خدائی ہے کہ ہے اک بنیمِ گلباری و گلکاری
 ادھر گلبار ہے بدلی، ادھر گلکار ہے ساقی!
 محبت کر، غم دنیا ستائے تو محبت کر!
 محبت اس جہاں میں اک حبسِ آزار ہے ساقی!
 محبت میں مزے لے لے کے مرنا تو مقدر ہے

مگر اس کے لئے کچھ زندگی درکار ہے ساقی!
عجب کیا ہے مری کی رات آنکھوں ہی میں کٹ جائے
ادھر بخواب ہے اختر، ادھر بیدار ہے ساقی!

چناروں کی چھاؤں میں

کشمیر کی حسین بہاروں کی چھاؤں میں شمشاد و سروگل کی قطاروں کی چھاؤں میں
شلاج و شجر کے زمزمہ زاروں کی چھاؤں میں بدلی سے جھانکتے ہوئے تاروں کی چھاؤں میں
آمر ہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں

امید وصل، ایک فریب خیال ہے! یہ دل نشیں غلش غلش بے مال ہے
اس زندگی میں ساتھ رہیں ہم محال ہے سفاک کینہ ساز تاروں کی چھاؤں میں
آمر ہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں

چھایا ہوا ہے ایر، ہوا خوشگوار ہے موسم ہے، بے خودی ہے، چمن ہے، بہار ہے
اک آخری خوشی کا فقط انتظار ہے! سروگل و سمن کے قطاروں کی چھاؤں میں

آمر ہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں
اچھے بُرے زمانے کا اب انتظار کیا؟ ہم غم زدوں کے حق میں خزاں کیا بہار کیا!
ہاں اعتبار ہستی بے اعتبار کیسا؟ امید خس ہے غم کے شراروں کی چھاؤں میں
آمر ہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں

کہتے ہیں پرسکون ہے بہت محفل عدم آزادی کشاکش غم حاصل عدم

اچھل پڑیں جہاں سے سوئے منزلِ عدم اس کہکشاں کے راہ گزاروں کی چھاؤ نہیں
 آمر رہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں
 آجاکہ بعدِ مرگ تو آرامِ مل سکے ! تسکینِ دردِ خاطرِ ناکامِ مل سکے
 درمانِ جو رگِ گردشِ ایامِ مل سکے اس رس بھرے افق کے کناروں کی چھاؤ نہیں
 آمر رہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں
 اس خاکداں سے دُور ہے اک خاکِ دلِ نیا دنیا نئی، زمین نئی، آسماں نیا
 چھوڑا اس جہاں کو چل کے بسائیں جہاں نیا پروین و مشتری کے دیاروں کی چھاؤ نہیں
 آمر رہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں
 زہرِ آبِ فراق کا پینا نہیں قبول تیرے بغیر بادِ و مینا نہیں قبول
 دوری کے صدمے جھیل کے جینا نہیں قبول مرنا قبول ہم کو بہاروں کی چھاؤ نہیں
 آمر رہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں

نتہا مہمات

سارے گھر میں نو بہارِ زندگی لایا ہے تو ! میرے ننھے میہماں کس دس سے آیا ہے تو ؟
 کس بہشتِ حُسن میں اب تک تھا کاشانہ ترا ! میرے اجڑے باغ میں کیوں کر ہوا آنا ترا ؟
 کس زباں میں چپکے چپکے گفتگو کرتا ہے تو ؟ کون جانے کس طرح کی ہوا ہو کرتا ہے تو ؟
 منزلِ ہستی سے پہلے کون سی منزل میں تھا ؟ آج تک اے شمعِ محفل، کہہ تو کس محفل میں تھا ؟
 لے گلِ معصوم، اب تک تیرا گلشن تھا کہاں ! طائرِ قدسی ادا تیرا نشیمن تھا کہاں ؟

آرزو بن کر کسی سینے میں تو خنداں رہا!
 میری بیوی کی ترے رخسار میں رنگت ہی کیو!
 انجمنستان لطافت کا تو زندہ خواب ہے!
 تو وہ جذبہ ہے جو دل سے چھن گیا اور پاس ہے!
 دو دلوں کی التجا تمبیر ہو کر آگئی
 گرچہ پاس میں مہمانی و مروت ہے مجھے!
 تو نے آکر میری بیوی کی محبت چھین لی
 میرے گھر میں مہمان ہو کر تو رہزن بن گیا
 اب وہ پہلے کی طرح مجھ پر فعا ہوتی نہیں
 اُف! یہ کیسا انقلاب آسمانی ہو گیا
 چشم ظاہر کو نظر آتا ہے طفل سادہ تو!
 عشق کا پہلا سا اب اظہار وہ کرتی نہیں
 تیرا آنا تھا کہ اُس نے بے وفائی سیکھ لی
 تیرے عشق سحر زامیں مبتلا رہنے لگی
 میرا بستر تھا جو اک دن نیرا بستر ہو گیا
 تو نے آکر غاصبانہ قبضہ گھر پر کر لیا
 نہ کروں کو بھی نہیں ہے میری رات کا خیال

نکبت گل تھا، نقاب غنچہ میں پنہاں رہا!
 اجنبی مہمان ہو کر اس کا ہم صورت ہے کیوں!
 یا سپہر حسن کا سیارہ شاداب ہے!
 گم شدہ ارماں کا جیتا جاگتا احساس ہے!
 دو نگاہوں کی یہی تصویر ہو کر آگئی
 اجنبی مہمان، لیکن اک شکایت ہے مجھے!
 اس کا دل چھینا مرے دل کی سرت چھین لی
 اس کا عاشق، ہو گیا اور میرا دشمن بن گیا
 مجھ سے رہتی ہے جدا، تجھ سے جدا ہوتی نہیں
 اس کا میرے پاس آنا اک کہانی ہو گیا!
 کس طرح میری رقابت پر ہوا آمادہ تو؟
 مجھ سے پہلے کی طرح اب پیار وہ کرتی نہیں
 ایک گھر میں رکے کبھی مجھ سے جلدی سیکھ لی
 ساتھ رہ کر بھی مرے مجھ سے جدا رہنے لگی
 جو مقدر تھا میرا، تیرا مقدر ہو گیا
 گھر پر قبضہ کیا کیا ہر دل مسخر کر لیا
 سب کے دل میں موجزن ہی تیری خدمت کا خیال

تو نے آتے ہی بہارِ زندگانی لوٹ لی

میری طفلی چھین لی، میری جوانی لوٹ لی

اپنی ہستی کا خیال اور پاس اب باقی نہیں! ہمیں بھی کچھ ہوں تھا جو اک احساس اب باقی نہیں
 عہد سیری آچلا فصل جوانی ختم ہے!! میرے رومانوں کی رنگیں داستانی ختم ہے!!

نویں

سیاہی شبِ غم، منہ چھپانے والی ہے
 بہارِ صبحِ طرب، ہلہانے والی ہے
 نسیم، مژدۂ راحت سنانے والی ہے
 نہ رو نہ رو کہ خوشی مسکرانے والی ہے

غمِ عالم کے سمندر، سمٹنے والے ہیں!!
 ہراس و یاس کے طوفانِ مٹنے والے ہیں
 سحر امید کی جلوہ دکھانے والی ہے
 نہ رو نہ رو کہ خوشی مسکرانے والی ہے

نسیم جھوم کے مستانہ دار آتی ہے
 خبر ہے، باغ میں فصلِ بہار آتی ہے
 شگفتگی سی فضا میں سمانے والی ہے
 نہ رو نہ رو کہ خوشی مسکرانے والی ہے

نظامِ عہد کہن ٹوٹ جائے گا اک دن

نیا زمانہ بہاریں دکھائے گا اک دن
سعادتوں کی بشارت پھر آنے والی ہے
نہ رو نہ رو کہ خوشی مسکرانے والی ہے

زمانہ گو ہے دلازار ، دل فگار نہ ہو !
سکوں سے کام لے ، غمگین و بیقرار نہ ہو
بہار ، غنچہ خاطر کھلانے والی ہے !
نہ رو نہ رو کہ خوشی مسکرانے والی ہے

ہجوم غم سے عبث زار زار روتا ہے
خوشی بھی ہوتی ہے دنیا میں غم بھی ہوتا ہے
شہر کہ شمع طرب جگمگانے والی ہے
نہ رو نہ رو کہ خوشی مسکرانے والی ہے

چمن میں آتی ہے صبح ، بہارِ جام لئے
شراب شعلہ رُخ و حُسن لالہ فام لئے
لکھنا سرور کی عالم پہ چھانے والی ہے
نہ رو نہ رو کہ خوشی مسکرانے والی ہے

بے گامیگرہ عیش الم کہہ دل کا !
نوائے شوق سے گونجے گا غم کہہ دل کا !
نسیم نغمہ اُمید گلنے والی ہے
نہ رو نہ رو کہ خوشی مسکرانے والی ہے

عموں کا زہر اگر وقت لے کر آتے ہے
خوشی کا بادۂ گلکار بھی پلاتا ہے
فنا کو جو رطب پھر ہنسانے والی ہے!
نہ رو نہ رو کہ خوشی مسکرانے والی ہے

اگرچہ راہ کٹھن ہے قدم بڑھائے چل
خدا کے آسرے سے آس تو لگائے چل
نہ ہار جو صلہ منزل بھی آسنے والی ہے
نہ رو نہ رو کہ خوشی مسکرانے والی ہے

آثارِ سحر!

آثارِ سحر ہوئے نمایاں	برہمنے لگی روشنی سحر کی
انوارِ سحر ہوئے نمایاں	مہتاب کا نور گھٹ رہا ہے
کھلانے لگی صنیا قمر کی	آثارِ سحر، نکھر رہے ہیں
پروہ سا فضا سے ہٹ رہا ہے	گلشن میں نسیم چل رہی ہے
دھندلے سائے ابھر رہے ہیں	مشرق میں عروس نور جاگی
ہر سو خوشبو اُبل رہی ہے	آفاق کا رنگ مرمیں ہے
آہنگ و ضیاء کی خور جاگی	
مدبوس افق کا گوہر ہے	

بینائے افق میں نور بھر کر
 مشرق کا افق جھلک رہا ہے
 لایا کوئی ساقی فسوں گرا
 جامِ سمیں چھلک رہا ہے
 رنگت پھر آسماں کی چمکی
 جاگ اُٹھے ہیں طائرانِ گلشن
 شاخوں نے ستار اپنا چھیڑا
 جھینگرنے ملہار اپنا چھیڑا
 بچو لوں کو صبا نے گد گدایا

کروں کا گیت

ہم بستے ہیں تاروں میں جنت کی بہاروں میں
 شاداب ستاروں میں شفاف نظاروں میں
 ہم بستے ہیں تاروں میں
 ہم حوریں ہیں تاروں کی پریاں ہیں نظاروں کی
 کرنیں ہیں ستاروں کی رہتے ہیں ستاروں کی
 ہم بستے ہیں تاروں میں
 ہم نقشِ جوانی ہیں موجوں کی روانی میں
 رقصِ بہانی ہیں دریا کے کناروں میں
 ہم بستے ہیں تاروں میں
 ہم کھیلتے ہیں بن میں کہسار کے دامن میں

ہم کھلتے ہیں گلشن میں ہنستے ہیں بہاروں میں

ہم بستے ہیں تاروں میں

ہم بن کے ضیا برسیں ہمراہ صبا برسیں!

باناز و ادا برسیں دشا کے نظاروں میں

ہم بستے ہیں تاروں میں

ہم نور کے پارے ہیں سب کھیل ہمارے ہیں

روشن جو نظارے ہیں تاریک دیاروں میں

ہم بستے ہیں تاروں میں

گل ہیں کہ خیاباں ہیں ہم سے ہی درخشاں ہیں

ہم بزم چہراغاں ہیں باغوں میں بہاروں میں

ہم بستے ہیں تاروں میں

ایک عزیز لہ شادی پر

نوبہ رحمت پروردگار بن کے رہو! بزرگ سایہ مخمل چنار بن کے رہو!

تم اپنے گھر کے چمن میں بہار بن کے رہو

بہشتِ نو کی فضا میں تمہیں مبارک ہوں! مسترتوں کی گھٹائیں تمہیں مبارک ہوں!

نسیم گل کی طرح مشکبار بن کے رہو

زمانے بھر کی خوشی ہو تمہاری قسمت میں ہمیشہ عمر گزارو، سوادِ راحت میں!

تبسمِ چمن روزگار بن کے رہو!
 مثالِ شمع، تم اس تازہ انجن میں رہو برنگِ غنچہ و گل شاد اس چمن میں رہو
 تمہارا گھر ہو چمن، تم بہار بن کے رہو!
 نئے عزیز ہوں سرورِ شادماں تم سے نظرِ فروز بنے بزمِ خاندان تم سے
 فروغِ دیدہ لیل و نہار بن کے رہو!
 تلے پائیں نہ انوکھا اس جہاں کے تمہیں کریں ملول نہ آزار آسماں کے تمہیں
 نزیلِ سایہ پروردگار بن کے رہو!
 سرورِ دیدہ ملت کہے تمہیں دنیا غرورِ عصمت و عفت کہے تمہیں دنیا
 جہاں میں عصمت و عفت مدار بن کے رہو!
 سعادتی ہوں میسرِ بہانِ نو میں تمہیں نصیبِ برکتیں ہوں، گلستانِ نو میں تمہیں
 برنگِ دامنِ ابر بہار بن کے رہو!
 تمہاری خوبی قسمت کی انتہا ہونہ کچھ عروجِ عظمت و دولت کی انتہا ہونہ کچھ
 حریفِ سطحِ یم بے کنسار بن کے رہو!
 بہارِ چشمِ زمانہ بنو زمانے میں مسرتوں کا خزانہ بنو زمانے میں
 طراوتِ گہرِ آبدار بن کے رہو!
 مثالِ طالعِ پرویں رہو جہاں بھی رہو! برنگِ غنچہ نسری رہو، جہاں بھی رہو!
 حریفِ خندہِ فصلِ بہار بن کے رہو!
 دعا ہے سب کی کہ آزاد و بامراد رہو دلوں کو شاد رکھو، خود ہمیشہ شاد رہو!
 قرارِ جان و دل بے قرار بن کے رہو!

رخصتِ داعی

قرار چھین لیا بے قرار چھوڑ گئے
 ہماری چشمِ حزیں کا خیال کچھ نہ کیا
 جسے سمجھتے تھے اپنا وہ اتنی مدت سے
 رگوں میں اک تپش درد کا جاگ اٹھی
 ہولے شام سے آنے لگی صدائے فغاں
 نشاطِ محفلِ لیل و نہار لوٹ لیا
 گھٹائیں چھائی ہیں ساون ہو مینہ برتلے
 دل حزیں ہے اب اور عہدِ رفتہ کا ماتم
 چھڑکے دامنِ امید دل کے ہاتھوں سے
 نہ آیا رحم، مرے آنسوؤں کی منت پر
 تمام عمر ہے اب اور فراق کی راتیں
 امید و شوق سے آباد تھا ہمارا دل
 ترس رہے ہیں مسرت کو عشق کے ارماں
 امیدِ خستہ، سکونِ مضطرب، خوشیِ لعل
 نگاہِ درد کی عرضِ حزیں قبول نہ کی
 کسے خبر ہے کہ اب پھر کبھی ملیں نہ ملیں
 ہماری یاد بھلا کر وہ چل دیے اختار

بہار لے گئے، یادِ بہار چھوڑ گئے
 وہ عمر بھر کے لئے اشکبار چھوڑ گئے
 اسی کو آج وہ بیگانہ وار چھوڑ گئے
 دلوں میں اک خلش انتظار چھوڑ گئے
 فضاے شوق کو ماتم گسار چھوڑ گئے
 نصیب میں غمِ لیل و نہار چھوڑ گئے
 وہ کس سے ہیں ہمیں اشکبار چھوڑ گئے
 چمن کے سینے پہ داغِ بہار چھوڑ گئے
 سوادِ یاس میں ماتم گسار چھوڑ گئے
 کیا قبول نہ پھولوں کا بار چھوڑ گئے
 یہ نقشِ گیسوئے مشکیں بہار چھوڑ گئے
 امید و شوق کہاں اک مزار چھوڑ گئے
 ہمیں ستم زدہ و سوگوار چھوڑ گئے
 جہانِ شوق کو آشفتمہ کار چھوڑ گئے
 ہمیں وہ غمزدہ و دلِ فگار چھوڑ گئے
 نظر میں اک ابدی انتظار چھوڑ گئے
 اور اپنی یاد، فقط یادِ گار چھوڑ گئے

اے!

ہنس رہا ہوں، لبِ مجبور پہ فریاد نہیں
میں نے سمجھا تھا کہ ہے عہدِ وفا، عہدِ وفا
کیا کہوں کس لئے رہ رہ کے تڑپ اٹھتا ہوں
کیا مرے خواب میں آنے کا بھی تغین ہو نہیں

کوئی کیا جانے کہ خوں کشتہ ہو دل شاد نہیں
سیح کہا تم نے کہ مجبور تو آزاد نہیں
دل میں اک تیر ہے پیوست تری یاد نہیں
قید ہے جسم تو کیا روح بھی آزاد نہیں

یاد ہے وہ شبِ بہتاب میں آہنگِ باب؟
یاد ہے عکسِ شفق سے وہ دلِ دریا میں
یاد ہے چھاؤں میں تاروں کی وہ سیرِ کُساڑ

اور وہ نہکت صحرَا کہ چن زاد نہیں؟
منظرِ حسن کہ منت کش بہزاد نہیں
اور وہ شکوہِ قدرت کہ ہم آزاد نہیں؟

کیا کروں آہ بھلایا نہیں جاتا مجھ سے
بنتے بنتے تری تصویر بگڑ جاتی ہے

وہی پیمانِ محبت جو تمہیں یاد نہیں؟
یاس میں آہ تصور بھی تو آزاد نہیں

چاندنی، موسمِ گل، صحنِ چمن، خلوتِ ناز
خواب دیکھا تھا کہ کچھ یاد ہے کچھ یاد نہیں

صبحِ دلِ ارے

کہنے لگی یوں صبح، مری صبح دلا را
ہے سرو ہوا، مست فضا، شوخ نظارہ

ہنتا ہے تمہیں دیکھ کے کیوں صبح کا تارا؟
 میں نے یہ کہا آج ہے ہنگام خوشی کا
 ہر موج صبا لاتی ہے پینا م خوشی کا
 اک دعوتِ بہجت ہے ہر اک مست نظارہ
 کہنے لگی، ہوشا غرمد ہوش و جواں تم
 سر مستی عشرت سے ہو سوائے زماں تم
 دنیا میں فقط عیش ہے مقصود تمہارا
 کی عرض کہ بیشک ہوں میں اک شلو بے بخود
 خوابوں کا پرستار ہوں اور ساحرِ بخود
 تقدیر کا دامن ہے مگر میرا سہارا
 اے جان جہاں آج تو ہے زینت پہلو
 شادابی آغوش ہے اور جنت پہلو
 ہنتا ہے مجھے دیکھ کے یوں صبح کا تارا

جامِ مئے گلنارِ پلاوے

جامِ مئے گلنارِ پلاوے ساغرِ نور و نارِ پلاوے
 خمکہ سرشارِ پلاوے پھولِ پلاوے خلو پلاوے

دل میں چھپائیں چاہ کہاں تک لب پر ہر دم آہ کہاں تک
عشق میں ہوں گمراہ کہاں تک راہ بتا دے، راہ بتا دے!

نکھتِ زلفِ حور ہو جس میں خوابِ نگاہِ طور ہو جس میں
آگ ہو جس میں نور ہو جس میں ساتی ایسا نور پلا دے

کھیل رہی ہوں جس میں بہاریں دیکھ کے جس کو سب بن باریں
ایسی پری شیشے میں اناریں سب کو بھلا دے، سب کو بھلا دے

ساتیہ! اکٹھ اک جامِ پلا دے بادۂ لالہ قام پلا دے
نورِ نگاہِ شام پلا دے اک پیاسے کی پیاس بھلا دے

ساغرِ رنگیں نواب پلا دے جانِ شبِ مہتاب پلا دے
روحِ گلِ شاداب پلا دے مست بنادے، مست بنادے

عید کا چاند دیکھ کر

افق پہ مسجد کے پاس ہے چاندِ عید کا محوِ جلوہ باری
کہ بکری نیلی پہ تیرتی پھر رہی ہے زرین اک عساری
شفق کی سرخی سے مست و مدہوش ہو رہی ہیں نضائیں کاری

زمین کا ایک ایک ذرہ ہے محوشانِ جمال باری
 جہان ہستی کا چپہ چپہ فضائے دامانِ رنگ و بو ہے
 زمیں سے تا چرخِ کج ہر سمت ساز و سامانِ رنگ و بو ہے

خوشی کے جلوے ہیں منتشر چار سو طرف زارِ گلستاں ہیں
 جہاں تہاں موجِ ہلے خوشبوئے لالہ و گل رواں دواں ہیں
 گھنیری شاخوں پہ جس طرف دیکھو بلبلیں مست و نغمہ خواں ہیں
 حسین کلیاں خوشی سے پھولی نہیں سماتی ہیں شادماں ہیں
 چین کا ایک ایک غنچہ و گل بہار کے گیت گار ہا ہے
 ہلال ہے محو جلوہ کاری - زمانہ خوشیاں منار ہا ہے

ہلال کو جلوہ گر جو دیکھا تو اک حسینہ نے دلبری سے
 فلک کی رنگینیوں کی جانب اکٹھائے ہیں ہاتھ خوشی سے
 نگاہ خاموش، فتنے لاکھوں برستے ہیں جن کی خاموشی سے
 وہ اس کا چہرہ کہ پھول کوئی کھلا ہے تارونگی روشنی سے
 زبان خاموش عالم سرخوشی میں مدہوش و نغمہ زار ہے
 حضورِ خالق ہیں اس کی خاموشی اس طرح مائل و علی ہے

الہی تیرا ہزار شکر آج پھر خوشی کا زمانہ آیا
 ہلالِ عید اک برس کے بعد آج تو نے پھر آنکھ کو دکھایا
 ہر ایک ذرے پہ ہو رہا ہے محیطِ تیرے کرم کا سایہ
 خوشی سے ہے محو حمد دنیا میں آج ہر اپنا اور پرایا

زمانے بھر کو خوشی مبارک یہ دورہ فریحی مبارک
 جو دل شکستہ ہیں غم سے اُن کو یہ عالم خوشدلی مبارک
 ہر ایک کو قید رنج و درد و الم سے آزاد کرا الہی!
 عزیز ناشاد ہستیوں کو کرم سے پھر شاد کرا الہی!
 ستمگروں کی ستمگری کو خراب و برباد کرا الہی!
 جہاں کے اچڑے ہوئے دلوں کے گھروں کو آباد کرا الہی!
 دلوں کی بستی میں ہو فردزاں خوشی کی یہ روشنی ہمیشہ
 جہاں کے ایک ایک ذرے کے لب پہ ہو، الہی خوشی ہمیشہ

دکالہ

لیٹے — جگمگاتے ہوئے تاروں نے بلایا ہے ہمیں
 مجنوں — کیا کریں جلتے ہیں دنیا نے ستایا ہے ہمیں
 لیٹے — عشق کے صدمے اٹھائیں کب تک؟
 مجنوں — گیت امید کے گائیں کب تک؟
 دونوں مل کر — آہ تقدیر، یہ کیا رنگ دکھایا ہے ہمیں
 جگمگاتے ہوئے تاروں نے بلایا ہے ہمیں
 کیا کریں جاتے ہیں دنیا نے ستایا ہے ہمیں
 لیٹے — کشتی ماہ ولادے کوئی

مجنوں جنتِ عشق دکھا دے کوئی
 دونوں مل کر عشق کی مست ہواؤں نے بھایا ہے ہمیں
 جگمگاتے ہوئے تاروں نے بلایا ہے ہمیں
 کیا کریں جاتے ہیں دنیا نے ستایا ہے ہمیں

لیلا
 روحیں بستی ہیں جہاں وہ دنیا
 مجنوں خوشیاں سستی ہیں جہاں وہ دنیا
 دونوں مل کر ایسی دنیا کے نظاروں نے رجھایا ہے ہمیں
 جگمگاتے ہوئے تاروں نے بلایا ہے ہمیں
 کیا کریں جاتے ہیں دنیا نے ستایا ہے ہمیں

لیلا
 لے زمانے تجھے ہم چھوڑ چلے
 مجنوں تجھ سے جو آس کھتی وہ توڑ چلے
 دونوں مل کر رات دن تو نے محبت میں جلایا ہے ہمیں
 جگمگاتے ہوئے تاروں نے بلایا ہے ہمیں
 کیا کریں جاتے ہیں دنیا نے ستایا ہے ہمیں

چرواہے کی منسی

شفق کی چھاؤں میں چرواہا جب منسی بجاتا ہے
 تصویر میں مرے، ماضی کے نقشے کھینچ لاتا ہے

نظر میں ایک بھولا بسرا عالم ہلہلاتا ہے

وہ بے پروائی جس سے ایک دن آباد تھا بچپن
وہ بے فکری کی باتیں، جن سے اک دن شاد تھا بچپن
وہی نظارہ اس کے زمزموں میں مسکراتا ہے

مرے افکار طفلی کو ہے نسبت اس کے نعموں سے
میں بچپن میں کیا کرتا تھا اُلفت اس کے نعموں سے
جھبی بنسی کی لے میں عہدِ طفلی جھلملاتا ہے

وہ کھیتوں کی قطاریں اور وہ نظارہ باغوں کا
وہ دریا کا کنارہ اور وہ گہوارہ باغوں کا
رسیلی بانسری کے ہمہوں میں جھلملاتا ہے

نظر میں جھومتا ہے بن کے رنگیں خواب کا عالم
وہ صحرا کے نظارے اور وہ مہتاب کا عالم
وہی افسانہ اس بنسی کے لب پر گنگناتا ہے

گیا بچپن مشادہ سن جوانی بیتنے آئی



سحر ہونے کو ہے، رنگین کہانی جیتنے آئی
یہ چرواہا مجھے کیوں یاد پھر اُن کی دلاتا ہے

انقلاب

آگیا وقت کہ دنیا کی حقیقت بدلے! آسمان بدلے، زمیں بدلے، فطرت بدلے!
مغربی قوموں کی بڑھتی ہوئی تہذیب کے مشرقی قوموں کی بگڑی ہوئی قسمت بدلے
عہدِ حاضر کا بشر کم نہیں حیوانوں سے یہ بشر بدلے، یہ رنگِ بشریت بدلے
رنگ اور خون کی تمیز زمانے سے مٹے نسل اور ذات کی تفریق کی حالت بدلے
بندگی پر بھی خدائی کے ہیں دعوے کب سے
اب تو یارب ترے بندوں کی طبیعت بدلے

برہر دو...

جو ہیں بداصل اُن کو راس کب آتی ہے آزادی
غبارِ راہ کو بے راہ کر جاتی ہے آزادی
فضائے عالم امکاں میں شورِ حشر برپا ہے
غریبوں کی فناں بن بن کے چلاتی ہے آزادی
غلامانِ ازل کی نظرتوں کا پاس ہے کتنا

غلامی کو لئے ہمراہ مرجاتی ہے آزادی
 لہو اُن کا لہو ہے جن کی غیرت ہو شرافت ہو
 مگر مشرق میں جھوٹی سرخیاں پاتی ہے آزادی
 لہو رونے کی عادت ہے جنہیں آزاد کیا ہوں گے
 لہو بن کر براہِ چشم بہہ جاتی ہے آزادی
 و نایت ہوتی ہے بیدار پست اقوام میں جس دم
 ہوا و حرص کے پردوں میں سو جاتی ہے آزادی
 جو شرماتی نہیں اپنی کیسہ طرز و خصلت سے
 بجا ہے ایسی قوموں سے جو شرماتی ہے آزادی
 فنا ہوتا ہے وہ گمراہ ہو کر بحرِ جوشاں میں
 حبابِ بے نوا کو جب پسند آتی ہے آزادی
 ہزبرانِ نبرد آرا کی قسمت میں یہ عظمت ہے
 جو ہیں رو باہِ فطرت اُن کو کب بھاتی ہے آزادی
 جہاں ذاتی ہوس صدیوں سے اک شغلِ غلامی ہو
 وہاں اک داغ رہ جاتا ہے کھو جاتی ہے آزادی
 تڑپ ہوتی ہے ذاتی نفع کی ہر ایک کے دل میں
 بظاہر سب کے دل کو گرچہ تڑپاتی ہے آزادی

دعوتِ جہاں

مستِ عیش سے اٹھ، منزل پر خاریں! بزمِ جم چھوڑ کے، بزمِ رس و دار میں آ!
 عشرت کوہ کنی سے نہیں واقف پرویز کہہ دو یہ لطف اگر چاہے تو کہسار میں آ!
 نذر کر مشہدِ کشمیر پہ اشکِ خونیں دلِ غمدیدہ اس اُجڑے ہوئے گلزار میں آ!
 تاجے بند گئی ساغر و مینا اختر
 اب تو اللہ کے بندے صفِ احرار میں آ

کبھی کبھی کچھ

کبھی سوچتا ہوں کہ تلوار اٹھاؤں سپاہی بنوں اور میدان میں پہنچوں!
 اور اعدائے انسان کو نیچا دکھاؤں میں شیروں کی صورتِ نیبتاں میں پہنچوں

کبھی سوچتا ہوں کہ شاعر بنوں میں تڑپ اٹھئے دنیا، وہ اشعار لکھوں
 قلم کی خدائی کا ساحر بنوں میں ہو شرمندہ فطرت وہ اسرار لکھوں

کبھی سوچتا ہوں کہ بن کر مصوّر بناؤں وہ تصویرِ خونِ جگر سے
 کہ آجائے پردے سے چھن کر مصوّر زمانے کو حیرت ہو جس کے اثر سے

کبھی سوچتا ہوں نواگر بنوں میں فضا کو نواؤں سے معمور کردوں
جہان غنا کا پیہر بنوں میں خدائی کو نعموں سے مسحور کردوں

کبھی سوچتا ہوں کہ سب کچھ بنوں میں
نہ تھا پہلے کچھ لیکن اب کچھ بنوں میں

دلیرانِ وطن کے نام

سرکٹا کر سرو سامانِ وطن ہونا ہے نوجوانو! ہمیں قربانِ وطن ہونا ہے
رگِ ہر غنچہ ہو سیراب ہمارے خوں سے یوں فدائے کُل و رکیانِ وطن ہونا ہے
صفِ اعدا کو گماں ہو کوئی طوفاں آیا یوں صفِ آراسر میدانِ وطن ہونا ہے
ان گلوں پر یہ نہ کیوں خلد کو بھی رشک نہیں زینتِ گدازِ شہیدانِ وطن ہونا ہے
اللہ رے اُس تیغ کی قسمت جس کو رونقِ دستِ دلیرانِ وطن ہونا ہے
موت بھی رُو گئی خوں اُن کی بری حالت پر جن کو مغلوبِ دلیرانِ وطن ہونا ہے
جان دینے کے لئے کیوں نہ ہوں تیار اختر اک نہ اک دن ہمیں گر جانِ وطن ہونا ہے

مسالِ نوپرا

ایک غریب الوطن سپاہی کا پیغام
میدانِ جنگ سے

سال نو آیا ہے اور ہم اپنے گھر سے دور ہیں
 پھر بھی اس دوری کا ہم کو غم نہیں، سرور ہیں!
 گھر کی خدمت ہی کی خاطر، گھر سے چل کر آئے ہیں
 پاسبانی وطن کا جذبہ دل میں لائے ہیں
 آج کے دن دور ہیں گھر سے تو پھر کیا فکری ہے؟
 گھر کو غیروں سے بچائیں ہم کو اس کا فکری ہے!
 زندگی باقی ہے تو دیکھیں گے اکثر سال نو!
 ملک کی تقدیر نو، اور قوم کا اقبال نو!

آج توانساں کو دشمن سے بچانا ہے ہمیں
 لشکر دشمن کو میدان سے بھگانا ہے ہمیں!
 بے ضرورت بہجتوں سے ہم کو کچھ مطلب نہیں!
 سال نو کی عشرتوں سے ہم کو کچھ مطلب نہیں!
 سال نو پر اپنے گھر کو یاد کرنے سے غرض
 ہم سپاہی ہیں، ہمیں لڑنے سے، مرنے سے غرض
 حسن نوری عیاں ہے تیغ جو ہر دام سے
 سال نو کے لغے ہم سنتے ہیں ہر جھنکار سے!
 اپنا پرچم جب عدد کے ملک میں لہرائے گا!
 اے وطن والو! ہمارا سال نو تب آئیگا!

نعم البدل!

جنگ کا میدان ہیں صحنِ چین سے کم نہیں!
 بوئے خوں، خوشبوئے نسرين و سمن سے کم نہیں!
 کیوں نہ چومیں ہم لبِ شمشیر جو ہر دار کو!
 اس کی لذت نازنیوں کے دہن سے کم نہیں!
 جذبہ حب وطن سے خار بھی گل ہو گئے
 دشتِ غربت، ہم کو گلزارِ وطن سے کم نہیں
 آگ اور بارود کی گلکاریاں، میدان میں
 ہم کو سیرِ کلفشانیِ چین سے کم نہیں!
 شعلوں کی بارش جگاتی ہے ہمارے دلوں
 سیلِ آتش، موجِ راوی و جہن سے کم نہیں
 ہم کی آوازوں سے بڑھتا ہے ہمارا حوصلہ
 یہ صدائیں نعمۂ باغِ عدن سے کم نہیں!
 کیوں نہ سینے سے لگائیں تیغِ مخوں آلود کو
 یہ کسی رنگیں عذارِ سیمین سے کم نہیں!

جہوناپٹی کا دیا

اک دیا دور سے ہنستا سا نظر آتا ہے ننھے تارے کی طرح کر نہیں سی برساتا ہے

پھر بھی رنگہیر کو یہ راستہ بتلاتا ہے
یا کوئی جگنو، چمک دور سے دکھلاتا ہے
یوں ہواؤں کے تھپیڑوں سے یہ تھرتاتا ہے
یوں کسی جھونپڑی میں رنگ یہ دکھلاتا ہے
پہلوئے شب میں مچلتا سا نظر آتا ہے
اثر تیرگی بخت کو بہلاتا ہے
اک چرا سر از جھلک دشت کو دکھلاتا ہے

گرچہ بجلی نہیں، شعلہ نہیں، ہتھاب نہیں
ٹوٹ کر رہ گئی اک شاخ پہ تارے کی کرن
دامن یاس میں ہو جیسے شعلہ امید
جیسے ارمان کی ننھی سی کرن ہو دل میں
اختر صبح کی رقصندہ ضیا کی صورت
کسی بڑھیا کے سیہ خانے کی رونق بن کر
رات کی تیرہ فضاؤں کی نظر بن کر

وطن کے شہیدان جنگ

اور

موسم بہار

بادِ خزاں! وہ بھول ہمارے کدھر گئے؟
وہ طالعِ وطن کے ستارے کدھر گئے؟
جان بازی کے وہ زندہ نظارے کدھر گئے؟
ہاں وہ وطن کے عشق کے ملے کدھر گئے؟
وہ شمعِ زندگی کے شرارے کدھر گئے؟
اور نازِ بھول قبر پہ لائی ہے نو بہارا

پیارے وطن کی آنکھ کے تارے کدھر گئے؟
حسرت سے ڈھونڈھتی ہے جنہیں آج فصلِ گل
بہرِ وطن جو کھیلتے تھے اپنی جان پر
جن کے دلوں میں عشقِ وطن تھا شراہِ ریز
تھی جن کی صوف سے اپنی یہ دنیا حریفِ طور
کہہ دو کہ بہرِ فاتحہ آئی ہے نو بہارا!

عشق و آزادی و شعر

بند ہے راہ مچلتی ہوئی تلواروں سے !
 دُور ہے دُور ابھی منزل مقصود اپنی
 ایک آزاد نفس، عمر نفس سے بہتر
 خود کشی کی بھی اجازت نہیں اب تو ہم کو
 گلشن دہریں گلچینی کا ارماں ہے اگر
 مشرقی قوموں کی قدرت نے اگر کی امداد
 نے وافیوں سے لیا کام جو کچھ قوموں نے
 باغباں ہم کو ملا بھی تو بہ شکل نہ ہرن
 دیوانداس کا نعرہ ہے فنا میں لڑناں
 ایک بیٹے کی بہی یہ لکھا تھا خٹرا
 ہم عقیدوں ہی کو بلوا دے، نفیس تک ہتلاو

کہہ دو آزادی کامل کے طلبگاروں سے !
 اور گذرنا ہے بیابانوں سے کساروں سے !
 یہ صد آتی ہے بیسور کے کساروں سے !
 کھیلتے تھے کبھی ہم غیر کی تلواروں سے !
 دست و دامن کو بچاؤ نہ رکھو خاروں سے !
 ایک دن سمجھیں گی، یورپ کے یہ کاروں سے !
 نہ لیا سینر و چنگیز نے ہتھیاروں سے !
 پھول کیا پتے بھی غائب ہیں ہم نواروں سے !
 کہ عوض بھوک کالو، دہر کے خوشخواروں سے !
 کہ "خدا اوسے محبت" تو ہے نہ زاروں سے !
 ایسی ہی ضد ہے اگر تجھ کو گرفتاروں سے !

عشق و آزادی و شعر اپنا ہے پیشہ اختار

ہم کو سرکاروں سے مطلب ہے نہ درباروں سے !

کسان

رگ رگ میں جوش محنت و ذوق عمل لئے
 کھیتوں سے آ رہا ہے کسان اپنا ہل لئے

تن پر قبلے گرد، گل افشاں کئے ہوئے
 محنت کا غاذہ ٹرخ پہ فروزاں کئے ہوئے
 دنیا سے ہست و بود پہ احسان اس کا ہے
 خدمت کرے زمانے کی، ایمان اس کا ہے
 رقصاں سے کائنات کی رگ رگ میں اس کا خون
 لرزاں ہے شمش جہاں کی رگ رگ میں اس کا خون
 گو محنت اور فکر سے فرصت نہیں اسے
 قسمت سے پھر بھی کوئی شکایت نہیں اسے
 آنکھوں میں اک ہزار خنداں ہے جلوہ گر
 ہونٹوں پہ لقمہ طرب افشاں ہے جلوہ گر
 گھر کی طرف رواں ہے کچھ اس رنگ و رنگ سے
 جیسے سپاہی آتا ہو میدان جنگ سے

کسان کا مستقبل

قسمت و ہفتان، مگر تائبہ تیر ہو کر ہے حسن لیلائے ترقی جلوہ گر ہونے کو ہے پھر رہا قیدِ صدف سے یہ گھر ہونے کو ہے اب ہی عیتا و صد بقیہ شرر ہونے کو ہے	تو نہال آرزو پھر بار و رہونے کو ہے ظلمت آباد تنزل، ہو کار و شن نور سے پنجہ افلاس سے آزادیاں ہوں گی نصیب جس کا خرمن ایک دن تھا عیدِ بقیہ تنزل
--	---

اب انہی پر نو بہاروں کی نظر ہونے کو ہے
اور ابھی رفتار اس کی تیز تر ہونے کو ہے
ملک میں پنجائیوں کا یہ اثر ہونے کو ہے
چپہ چپہ ایک فردوس نظر ہونے کو ہے
فیصلہ اس کا باندازِ دگر ہونے کو ہے

جن بیا بانوں پہ رہتی تھی غزاں چھائی ہوئی
ہو سکا ہے دور بنے اور بھی کا دور آج
اب عدالت اور وکیلوں کے اٹھائیں گے زنا
زندگی تازہ آجانے کو ہے دیہات میں
کتنا احساں ہے تمدن پر کسی دہقان کا

طوفانِ مٹی آمد

اب تو کچھ ایسا ہی سامان ہوا چاہتا ہے
اہل طاقت کا یہ ایمان ہوا چاہتا ہے
کفن و گور کا سامان ہوا چاہتا ہے
پھر بیاضِ شتر کا طوفان ہوا چاہتا ہے
سن کا گلکہ وہ ویران ہوا چاہتا ہے

کسی کمزور کو چینے کا نہ ہو گا کوئی حق
جو ممالک ہیں ہنستے، ہیں فنا کے قابل
اس زمانے میں ہیں کم مایہ جو اقوام اُن کے
پھر برسے کو ہیں اقصائے زمین پر فتنے
مطلع دہر پہ چھلنے کو ہے پھر جنگ کا ابر

امیر و غریب

پھر کونسی شے ہے جو فقیروں کے لئے ہے
مانا کہ جو نعمت ہے وہ پیروں کے لئے ہے
کھانے کے لئے کب ہے ذخیروں کے لئے ہے

دنیا کا ہر آرام امیروں کے لئے ہے
بد بخت مریدوں پہ بھی یارب نگہِ لطف
اک سیٹھ نے گندم کی یہ تعریف نئی کی

اب تیرے درجے سے بھی محرم میں غلس
 "اخبار پہ کیوں ہوتے ہیں اب ان کے مظالم
 پڑول تو کیا کرو سن آئل نہیں ملتا
 اب نقل مضامین جو کمال ازلی ہے
 غیرت جسے کہتے ہیں وہ مفلس کا ہے حصہ
 امیروں کے لئے ہے نہ امیروں کے لئے ہے
 اول ہے تو اول سے امیروں کے لئے ہے
 یہ فخر تو صرف ان کے امیروں کے لئے ہے
 موٹر تو بڑی شے ہے وزیروں کے لئے ہے
 قسمت شدہ اردو کے مدیروں کے لئے ہے
 امیروں کے لئے ہے نہ امیروں کے لئے ہے
 لکھواتے ہیں وہ گالیاں اخبار میں ہسم کو
 اختاریہ سزا ہم سے شریروں کے لئے ہے

عیادت!

تندرستی کا گلہ کیوں ہے شکایت کیا ہے؟
 میری بیمار، بتا تو تیری حالت کیا ہے؟
 رو دیئے جب بھی سنی درد بھری کوئی خبر
 وردی وردی ہے یا رب کہ طبیعت کیا ہے؟
 عشق بیماری ہے اور کتنی حسین بیماری
 کیا خبر بے خبروں کو کہ یہ لذت کیا ہے؟
 اُن کی صحت کی خبر آئے گی۔ جلد آئے گی
 دلِ ناداں تجھے آخر کو یہ وحشت کیا ہے؟
 ساری دنیا کے مرینوں کو شفا دے یا رب

آج احساس ہوا دل کو غالت کیا ہے؟
 سامنے ہوں تو خدا کر دیں دل و جان اُن پر
 ہم نہیں جانتے۔ اختار کہ عیادت کیا ہے!

ایک زور کی زندگی!

سوزِ دل میرے لئے، زخمِ جگر میرے لئے
 زندگی ہے میری اک رقصِ شکر میرے لئے
 چرخ نے میری تباہی پہ پہنائے آنسو
 دیدۂ انجم و ناہید ہے تر میرے لئے
 قسمتِ دولت و جداں ہے یہ اندازۂ ظروت
 رنگ و بو تیرے لئے، سوز و شکر میرے لئے
 زندگی گرچہ ہے مجبوری فطرت کا ثبوت
 پھر بھی ہیں دشت و جبلِ زریہ میرے لئے
 خونِ محنت سے نہیں، ہمدِ آرام پسندا
 خونِ اور خاک تو ہے شہد و شکر میرے لئے
 پاس منظور ہے فطرت کو مری رفعت کا
 ورنہ گردش میں ہیں کیوں شمس و قمر میرے لئے
 بواہوس! آ کہ باندازۂ ہمتِ نوش ہوں

برگ و گل تیرے لئے، تنہا و تبر میرے لئے
تا ابد روئے گی اختر جسے چشمِ دوراں
کی ہے مخصوص ازل نے وہ نظر میرے لئے

شاد و غم سحر

بہار آئی ہے شاداب باغِ امکان ہے
چمن کے سُرخ سے فروغِ سحر نمایاں ہے
گلی کے سار پہ بلبیل ترانہ افشاں ہے
بچپائی سبزہ گنزارہ نے بساطِ نئی
سجائی پھولوں نے اک محفلِ نشاطِ نئی
جو ذرہ ذرہ ہے خوش پتہ پتہ خنداں ہے
ہے دیدنی گل و نسرین و نسترن کی بہار
نظر فروز ہے ریحان و یاسمن کی بہار
نگاہِ زر گس شاداب جس سے حیراں ہے

پھر ہول سے دعوتِ جوشِ جنوں آنے لگی!

پھر ہوا سے دعوتِ جوشِ جنوں آئی لگی پھر بہار آئی چمن سے بوئے غوں آئی لگی

پھر ہوائی کنجشک کو حملے کی جرأت باز پر
ہے نہتے بے کسوں پر ہاتھ اٹھانا کب روا
پھر کوئی مظلوم تیر ظلم سے زخمی ہوا
اشک خونیں سے ہوئی لیریز چشم سرنگیں

پھر صدائے خندہ گرد و دین دوں آنی لگی
شرم، لیکن ظالموں کو شرم کیوں آنی لگی
پھر صدائے نالہ صید زبوں آنے لگی
دل سے آواز امید سرنگوں آنے لگی

... کیا گزری

وہ پوچھتے ہیں سپہر بریں یہ کیا گزری
ہوا ہے خط انھیں خارجی سیاست کا
خزاں نے لوٹ کے برباد کر دیا گلچیں

جنھیں خبر نہیں اہل زمین یہ کیا گزری
جو بے خبر ہیں کہ اس سرزمین یہ کیا گزری
خبر تو لے کہ تری گل زمین یہ کیا گزری

تو ایسے سہمے میں آ پیاری

گلشن کی فضا میں سب چپ ہیں !
کوئل کی صدا میں سب چپ ہیں !
تو ایسے سہمے میں آ پیاری

بلبل کی نوائیں سب چپ ہیں
آہریت کے گیت سنا پیاری
تو ایسے سہمے میں آ پیاری

ہے غم کی گھٹا گھر کر آئی
میں ہوں اور میری تنہائی
تو ایسے سہمے میں آ پیاری

اور یاس نے چھاؤنی ہے چھائی
امید کی بزم سجا پیاری
تو ایسے سہمے میں آ پیاری

تنہائی ہے خاموشی ہے فطرت عرق مدہوشی ہے
 اک عالم سکر فردشی ہے بیہوش کو ہوش میں لا پیاری
 تو ایسے سہمے میں آپیاری

کلیوں پر تتلی آتی ہے! اور پریت کے گیت سناتی ہے
 بھولے ہوئے رنگ دکھاتی ہے بھولے ہوئے رنگ دکھاتی ہے
 تو ایسے سہمے میں آپیاری

گھنگور گھٹائیں چھائی ہیں سرمست ہوائیں آئی ہیں
 جوتیرا سندیسہ لائی ہیں! آبدلی بن کر چھا پیاری
 تو ایسے سہمے میں آپیاری

دنیا ساری خوابیدہ ہے اور فطرت آرامیدہ ہے
 بیدار نظر رنجیدہ ہے اک سپنا بن کر چھا پیاری
 تو ایسے سہمے میں آپیاری

ہم عشق کے مارے بیٹھے ہیں دریا کے کنارے بیٹھے ہیں
 بس تیرے سہارے بیٹھے ہیں آ ایک جھلک دکھلا پیاری
 تو ایسے سہمے میں آپیاری

دامن پر آنکھوں کا نم ہے سینے میں شور مائتم ہے
 اختہ ہے اور حشر غم ہے تو اور اک حشر اٹھا پیاری
 تو ایسے سہمے میں آپیاری

غزلیات

(۱)

اُکھیر بزمِ تمنا میں چراغِاں کر دیں جذبہ شوق سے ہر گُل کو گلستاں کر دیں
 صحنِ میخانہ کو پھولوں سے بسا دیں اس اداسے کہ چین زارہ کو حیراں کر دیں
 ایک مدت سے ہے خاموشِ محبت کی فضا نغمہ عشق سے آباد نیستاں کر دیں

— (۲) —

ہے نشاطِ لالہ و گل میں کیا ہے بہارِ سرو و سمن میں کیا؟
 مجھے کب دماغ ہے سیر کا، میں کروں گا جا کے چین میں کیا؟
 مرادِ واسطہ ہے خطا سے کیا؟ مرا کام باغِ ختن سے کیا؟
 وہ شمیمِ روح فزا نہیں ترے گیسوؤں کی شکن میں کیا؟
 ہمہ فتنہ و ہمہ فتنہ گر، ہمہ تیرہ دل، ہمہ خیر و شر
 ہے یہ حالِ اہل وطن اگر، تو کریں گے جل کے وطن میں کیا
 وہ سوا و رنگ و نظر نہیں، وہ فضا ئے شام و سحر نہیں
 وہ بہارِ باغ و شمع نہیں تو ہے لطفِ سیرِ چین میں کیا؟

— (۳) —

کسی کی جفا بنگئی ہے جوانی الٹی یہ کیا بن گئی ہے جوانی
 حسینانِ عالم نے جس من سے دیکھا تو اک ماسوا بن گئی ہے جوانی



جوانی میں پس اس قدر بدعائیں کہ اک بددعا بن گئی ہے جوانی
 مگاہوں نے کچھ ایسا پیغام بھیجا کہ پیک صبا بن گئی ہے جوانی
 نہیں پوچھتا کوئی اختر خدا کو
 یہ کیسا خدا بن گئی ہے جوانی

(۴۱)

یوں تو کس پھول سے رنگت نہ گئی بو نہ گئی؟
 اے محبت! مرے پہلو سے مگر تو نہ گئی
 مٹ چلے میری اُمیدوں کی طرح صرف مگر
 آج تک تیرے خطوں سے تری خوشبو نہ گئی
 فصل گل ختم ہوئی، رنگِ سمن خواب ہوا
 میری آنکھوں سے مگر میری سمن رونہ گئی
 کب بہاروں پہ تیرے رنگ کا سایہ نہ پڑا؟
 کب تیرے گیسوؤں کو بادِ سحر چھو نہ گئی
 تیرے گیسوئے معنبر کو کبھی چھیڑا تھا
 میرے ہاتھوں سے ابھی تک تری خوشبو نہ گئی

(۵۱)

خوشبو اڑا کے لائی نہ زلفِ نگار سے مجھ کو تنکاستیں ہیں نسیم بہار سے
 غمگین ہو نہ کوئی غمِ روزگار سے اک دن بدل ہی دیں گے خزاں کو بہار سے
 ملتی نجات اگر غمِ لیل و نہار سے سنتے کبھی خزاں کی کہانی بہار سے

شبنم نہیں ہے خوفِ خزاں سے حسین پھول
 رو کے تل رہے ہیں گلے نو بہار سے
 اُٹھتے نہیں ہیں اب نو دعا کے لئے بھی ہاتھ
 اس درجہ ناامید ہیں پروردگار سے
 جس پھول کو خزاں کا ابھی تجربہ نہیں
 کہہ دو یہ اس سے دل نہ لگانا بہار سے
 اُس دل کو خاک کر کے زمانے نے رکھ دیا
 کھیلایا ہمیشہ جو برق و شرار سے
 کیوں شکوہ سُن کے، مشوخی نگاہیں بدل گئیں؟
 کیوں رنگ اُڑ چلا ترے پھولوں کے ہار سے
 اختر کبھی تو پہنچیں گے اپنی مراد کو
 مایوس ہوں نہ رحمت پروردگار سے

(۶)

بھلاؤ گے بہت، لیکن تمہیں ہم یاد آئیں گے
 بہت یاد آئیں گے پھر بھی بہت کم یاد آئیں گے!
 گھٹا چھا جائے گی دل پر غبارِ رنج و حسرت کی
 ہمیں جب بھی ترے گیسوئے برہم یاد آئیں گے!
 بھلا بیٹھے ہو ہم کو آج لیکن یہ سمجھ لیسنّا!
 بہت پھپھتاؤ گے جس وقت، کل ہم یاد آئیں گے!
 بہت روئیں گے ہمدَم، دشتِ غربت میں ہمیں جس دم!
 کسی کے دیدہ غمناک و پر خم یاد آئیں گے!
 دل غمگیں ہے میرا اور یہ حسرت رات دن اختر
 کہ اپنے بھولنے والے کو کب ہم یاد آئیں گے؟

(۷)

وہ دُور سے نقاب اٹھا کر چلے گئے
 دامن بچا کے، ہنس کے، لجا کر چلے گئے
 سینے میں اک تپش سی بسا کر چلے گئے
 شاداب ہو سکا نہ گلستانِ آرزو
 کتنے ہی ابر، باغ پہ چھا کر چلے گئے
 ابر بہار ہم کو رلا کر چلے گئے
 کتنے ہی موسم آئے اورا کر چلے گئے
 آنسو نہ تھم سکے مری چشمِ امید کے

اختر براہو بے خودی جذب و شوق کا
 کس کو خبر کب آئے کب آکر چلے گئے

(۸)

میں اپنے شوق کی دھن میں دعا بھی بھول گیا
 وہ پاس آئے تو نامِ خدا بھی بھول گیا
 اب اس سے بڑھ کے بھی کچھ اور بے کسی ہوگی!
 الہی، اب تو مرا دل دعا بھی بھول گیا
 امید کیا ہو کسی سے وفا شعار سی کی
 وفا کہاں؟ کہ زمانہ جفا بھی بھول گیا
 طبر لے کون، محبت کے درد مندوں کی
 جہاں میں بھیج کے ہم کو خدا بھی بھول گیا

(۹۱)

دنیا میں ترے عشق کا چرچا نہ کریں گے
 مرجائیں گے لیکن تجھے رسوا نہ کریں گے
 قربان کریں گے کبھی دل، جاں کبھی صدقے
 تم اپنا بنا لوگی تو کیا کیا نہ کریں گے؟
 گستاخ نگاہوں سے اگر تم کو گلہ ہے
 ہم دور سے بھی اب تمہیں دیکھنا نہ کریں گے
 اختاریہ گھٹائیں، یہ ہوائیں، یہ فضائیں،
 توبہ کریں اس حال میں؛ توبہ نہ کریں گے

(۱۰۱)

اے دل وہ عاشقی کے فسانے کدھر گئے؟
 وہ عمر کیا ہوئی، وہ زمانے کدھر گئے؟
 ویران ہیں صحن و باغ بہاروں کو کیا ہوا؟
 وہ بلبلیں کہاں وہ ترانے کدھر گئے؟
 تھے وہ بھی کیا زمانے کہ رہتے تھے ساتھ ہم؟
 وہ دن کہاں ہیں اب وہ زمانے کدھر گئے؟
 ہے بجز میں سکوت، ہواؤں کو کیا ہوا؟
 لیلایں ہیں خاموش دوانے کدھر گئے؟
 صحرا و کوہ سے نہیں اٹھتی صدائے درو

Guage Flower
 11.11.18

وہ تیس و کوہ کن کے ٹھکانے کدھر گئے؟
 وہ چاندنی پھلکتی ہوئی چشمہ سار میں
 وہ راتیں اور سسے وہ سہانے کدھر گئے؟
 اُجڑے پڑے ہیں دشت غزالوں پہ کیا بنی؟
 سونے ہیں کوہسار دوائے کدھر گئے؟
 وہ ہجر میں وصال کی اُمید کیا ہوئی؟
 وہ رنج میں خوشی کے بہانے کدھر گئے؟
 غیروں سے تو امید وفا پہلے ہی نہ تھی!
 رونا یہ ہے کہ اپنے بگانے کدھر گئے؟
 دن رات میکدے میں گذرتی تھی زندگی
 اختر وہ بے خودی کے زمانے کدھر گئے؟

(۱۱)

جب سے دیکھ لے تیرا روئے بہارا لودہ
 رنگ لایا ہے کسی بلبل دیوانہ کا خون
 چشم ہستی نظر آتی ہے غبار آلودہ
 سرخی گل سے ہے دامن بہارا لودہ
 غم سے ہے کیوں چین لیل و نہارا لودہ؟
 جیسے ہوا گل شاداب، غبار آلودہ
 روئے رنگیں پریشاں ہیں سنہری زلفیں

شمع امید کی کرنیں ہیں پریشاں اختر
 دل کا آئینہ کچھ ایسا ہے غبار آلودہ

(۱۲)

در ازل چوں شمع جان بے قرارم داده اند
 سیتہ پر سوز و چشم لالہ کارم داده اند
 قسمتم کردند عشق و سوز ساز و درد و غم
 دیں ہمہ آتش و بہا مستانہ دارم داده اند
 زاہد ابامین نمی ساز و طریق نہایت
 در کفِ مستی عنان اختیارم داده اند
 گریہ ہائے خودی را منع بے تابی حرام !
 بارگِ مرگاں، رگِ ابر بہارم داده اند
 چوں نہ گریم بچو ابر و چوں نہ خندم، بچو برق
 با محبت، فطرت دیوانہ کارم داده اند !
 کس نمی داند کہ راہِ منزلِ سلمیٰ کجا است ؟
 این قدر دامنم کہ دردِ انتظارم داده اند
 جز سرشکِ شوق و سوزِ جان و آہِ بے نیست
 آنچہ اختر در ازل بے اختیارم داده اند

(۱۳)

وہ فتنہ کار زیبِ بشتاں ہے آج کل ! کیوں مچو خوابِ شورشِ دہلی ہے آج کل ؟
 ہے خوفِ محتب بھی خیالِ حساب بھی لاہور گرجہِ حنبتِ رنداں ہے آج کل
 دنیا نے گو جلا کے ہمیں خاک کر دیا پھر بھی دماغِ عشقِ گلستاں ہے آج کل

پھر عقدہ حیات و فنا زیر غور ہے !
 پھر ہنس رہی ہے ساری خدائی مرے لئے
 پھر زیب دوش گیسوئے پچاں ہے آج کل !
 پھر سامنے وہ چہرہ خنداں ہے آج کل !
 پھر ابر چھا رہا ہے بہاریں لئے ہوئے
 فصل بہار و روئے نگار و مے کہن !
 پھر سامنے وہ زلف پریشاں ہے آج کل !
 حاصل ہر ایک طرح کا ساماں ہے آج کل !
 معمور حسن و رنگِ شبتاں ہے آج کل !
 پیش نظر وہ غارتیاں ہیں آج کل !

بھولا نہیں سبق ابھی دیرینہ عشق کا
 اختر کو گرچہ شکوہ دوراں ہے آج کل

(۱۴)

اے دل آ، اپنے دل آزار کو پھر یاد کریں !
 بھولنے والے جفاکار کو پھر یاد کریں !
 ایک اک پھول کو آنکھوں سے لگا کر روئیں
 اس بہارِ گل و گلزار کو پھر یاد کریں
 دیدہ نرگس بیمار کو کر دیں پُر آب
 ساغر دیدہ سرشار کو پھر یاد کریں !
 چاند کی کرنوں میں اشکوں کے پروں موی
 اپنے اس آئینہ رخسار کو پھر یاد کریں !
 چشمِ مینا سے اُبلنے لگیں اشکِ حسرت
 اثرِ مستی رفتار کو پھر یاد کریں !

(۱۵)

پھر وہی شہر، وہی کوئے بجاں سامنے ہے !
 پھر وہی دیر، وہی بزمِ مغان سامنے ہے !
 پھر وہی مست بہاریں ہیں مری راتوں پر
 پھر اسی طرح، صفتِ گلبدناں سامنے ہے !
 پھر مری غمزدہ آنکھوں میں نوشی ہے رقصاں
 پھر مراگم شدہ دیو یاسے جواں سامنے ہے !
 پھر مرے لب پہ ہیں اشعارِ رواں حافظ کے
 پھر کوئی نغمہ شاداب و جواں سامنے ہے !
 پھر فسوں کا رہے اک میکہ ابر بدوش
 پھر کوئی دیدہ انسان چکاں سامنے ہے !

(۱۶)

خدا کو نہ بھولے کہ دنیا نہ بھولے ترے عشق میں آہ کیا کیا نہ بھولے
 صبا میری خوبِ قصوری سے کہنا قصورِ آپ کا دل سے بھولا نہ بھولے
 تمہاری تمنا میں عمریں گنوا دیں مگر ہم تمہاری تمنا نہ بھولے

(۱۷)

چمن بھی ہے، ابر بھی، ہوا بھی، شراب بھی، سبزہ زار بھی ہے !
 الہی توبہ کی خیر آغوش میں وہ جان بہار بھی ہے !
 یہ آنکھوں آنکھوں میں تو نے ساتی، خبر نہیں کچھ، پلا دیا کیا !

میں اس نشیلی نظر کے صدفے، کچھ اس نشے کا اتار بھی ہے!
 نہ جانے مجھ سے خطا ہوئی کیا کہ پھر نہ جام شراب بخشا
 نگاہِ ساقی کو یوں تو میرا یقین بھی اعتبار بھی ہے!
 بجا کہ اس بے وفا کے درپر، کبھی نہ جائیں گے آپ اختر
 خطا معاف، آپ یہ تو کہتے کہ دل پہ کچھ اختیار بھی ہے!

(۱۸)

لاکھ پہلائیں طبیعت کو بہلتی ہی نہیں
 دل میں اک پھانس چھپی ہے نکلتی ہی نہیں
 قاعدہ ہے کہ جو گرتا ہے سنبھل جاتا ہے
 دل کی حالت وہ گری ہے کہ سنبھلتی ہی نہیں
 رنگ کیا کیا فلک پیر نے بدلے بسکن
 میری تقدیر! کہ یہ رنگ بدلتی ہی نہیں
 کس کو کہتے ہیں محبت نہیں معلوم ہیں
 اک نمنا سی ہے جو دل سے نکلتی ہی نہیں

(۱۹)

آئینہ خانہ میں اُن کے حُسن کے جوہر کھلے
 دَر کے کھلتے ہی ہزاروں جنتوں کے دَر کھلے
 شام کو یہ کون سرمست پرستش ناز نہیں
 شمع تھامے چاہتی ہے، تہکدے کا دَر کھلے

بن رہی ہے آج تک وہ خورِ تصویرِ حیا!
 دیکھے کب تک کھلے، کیسے کھلے، کیونکر کھلے
 بادۂ گلرنگِ ساقی میں عجب تاثیرِ حق
 میکرے میں عقدہ ہائے مومن و کافر کھلے

(۲۰۱)

ہزار ضبطِ کمر و زار روتا ہوں کسی کی یاد میں بے اختیار روتا ہوں
 مثالِ برقِ فروزاں جنوں میں ہنستا ہوں برنگِ دیدہ ابر بہار روتا ہوں
 کسی کی یاد میں آنسو بہائے تھے نہ کبھی میں آج کیوں میرے پروردگار روتا ہوں
 ماں بزمِ شبانہ کا داغ ہے دل پر چراغِ صبح ہوں، بے اختیار روتا ہوں

(۲۱۱)

اب ناصح ناداں کے سمجھانے کو کیا کہئے؟
 دیوانہ ہے دیوانہ، دیوالے کو کیا کہئے؟
 دو چاند ہیں پہلو میں اب چاند کہیں کس کو
 ساقی کو اگر کہئے، پیمانے کو کیا کہئے؟
 آدابِ محبت سے تنہا دورِ ترا شکوہ
 ایامِ جدائی کے افسانے کو کیا کہئے؟
 ہر جنبشِ مرثاں میں سو عرش چھپے نکلے
 اب کہئے کو کیا لکھے، بتخانے کو کیا کہئے؟

(۲۲)

وہ مرے دل کا حال کیا جانے؟
 ہر قدم فتنہ ہے، قیامت ہے
 صبر کو سب کمال کہتے ہیں
 خون ہوتا ہے کس کی حسرت کا
 وہ غریبوں کا حال کیوں پوچھے
 کھو گیا ہو جو دل تصور میں
 سیلِ خوں کیوں رواں ہے آنکھوں سے
 سونہ رنج و ملاں کیا جانے؟
 آسماں تیری چال کیا جانے؟
 عاشقی یہ کہاں کیا جانے؟
 میرا رنگیں جمال کیا جانے؟
 وہ غریبوں کا حال کیا جانے؟
 وہ فراق و وصال کیا جانے؟
 موسمِ برشگال کیا جانے؟

مر رہے ہیں فراق میں اختر
 وہ مگر اپنا حال کیا جانے

(۲۳)

پھر فصلِ بہار آ رہی ہے
 نغمہ سا عبا سنا رہی ہے
 خوشبوئیں ہیں چار سو پریشیاں
 جو پھول ہے مسکرا رہا ہے
 ہے اودی گھٹا کہ حورِ فطرت
 بوندوں کے یہ مستِ اشتاک
 بدلی ہے کہ نیل پوش ساقی
 ساتی بہارِ جامِ گل سے
 اور پھول نئے کھلا رہی ہے
 ہر ایک کا دل لبھا رہی ہے
 پھولوں کو ہوا جگا رہی ہے
 جو شاخ ہے لہلہا رہی ہے
 گلزار کا منہ دھلا رہی ہے
 گویا کہ گھٹا بلا رہی ہے
 جامِ کوثر پلا رہی ہے
 رنگین بادہ پلا رہی ہے

پھر حور نسیم صبح گاہی تہر غنچے کو گدگدا رہی ہے
 اور بربط شاخسارِ گل پر اک ساز حسین بجا رہی ہے
 اختر چلو ہر کلی کو چو میں
 دل میں یہ دھن سما رہی ہے

(۲۴)

پچھلی رات "دورہ جنوں" کے عالم میں کہنے کی مخالفت سمیت سے آواز
 آئی کہ غزل کہو اور میں گاتی ہوں۔ میں نے کہا تم گاؤ اور مجھے لکھاتی جاؤ
 چنانچہ جو کچھ اُس نے لکھوایا میں لکھتا گیا۔ اور وہ بغیر اصلاح و نظر ثانی نذر
 قارئین ہے۔
 اختر

گھنگھور گھٹا گر صبح کو ہو، کیا وقت سہانے ملتے ہیں
 اس طرح کہ جیسے بچڑے ہوئے، دوست دولہے ملتے ہیں
 ہے آج فضا بھی غمگین سی ہے آج صبا بھی محضروں سی
 کیا بات ہے یہ کیوں درد بھرے غمناک فسانے ملتے ہیں
 کس نے یہ کہا؟ کس سے یہ سنایوں کہنے کو ہر اک کہتا ہے
 انصاف تو ہو سلیم سے کہیں، لیلے کے فسانے ملتے ہیں
 ہم کو تو جوانی ہیں بھی کوئی اک منظرِ سادہ تنگ نہ ملا
 سنتے تھے کہ اس دنیا میں کئی، نظارے سہانے ملتے ہیں
 یہ بات الگ ہے اے کوئی! آئے تو پھر اپنا ہو کے رہے
 یوں درد نہ کسی کو شام و سحر! ہر روز بہانے ملتے ہیں

بدبختی الفت یہ بھی ہے ، اچھا تو زمانہ مل نہ سکا
 کہتے ہیں کہ شوق الفت میں اچھے بھی زمانے ملتے ہیں
 ببل کے ترانے کیوں نہ پسند آئیں ہمیں دردِ فرقت میں
 غمگین دلوں کو غم ہوا گر، غمگین ترانے ملتے ہیں !
 اختر جسے دنیا کہتی ہے ، افسردہ سا ہے ، بیمار سا ہے
 کیا ایسی مکر و دنیا میں ، ایسے بھی دوائے ملتے ہیں !

سَانِیٲ

پیمانِ وفا

یہ کیا کہا، کہ تمہیں دل سے میں بھلا دوں گا؟
 تمہاری یاد مجھے بھول کر نہ آئے گی!
 یہ بے رخی میری تم کو بہت رلائے گی!
 کہ نقشِ مہر و وفا دل سے میں مٹا دوں گا

یہ کیا کہا کہ کہیں اور دل لگا لوں گا؟
 دیارِ غیر میں یاد آئے گی نہ گھر کی مجھے
 نہ شرم ہوگی کچھ ان دیدہ ہائے ترکی مجھے
 کہ اپنے سینے میں، میں اور کو بسالوں گا!

یہ کیا کہا، کہ کروں گا، نہ اب میں یاد تمہیں؟
 تمہارے روئے نگاریں کو بھول جاؤں گا
 تمہارے حُسن بہاریں کو بھول جاؤں گا
 نہ رکھ سکوں گا ہمیشہ کی طرح شاد تمہیں

برتب کعبہ نہ بھولوں گا میں کہیں تم کو
ہر ایک ذرے میں پائے گی یہ جبین تم کو

بیوی سے

کیا کہا "آپ تو پردیس میں آرام سے ہیں"
"آپ کی جان سے دور آپ پریشاں کیوں ہوں
"ہم غریبوں کی طرح مضطرب و گریباں کیوں ہوں
مطمئن آپ تو ہر فکر، ہر انجام سے ہیں"

لیکن اے جانِ وفا، کچھ تجھے معلوم بھی ہے؟
تیری زلفوں کی طرح، کتنا پریشاں ہوں میں؟
ابر کی طرح تری یاد میں گریاں ہوں میں!
مطمئن کہنتی ہے تو جس کو وہ مغموم بھی ہے

لیکن اتنا ہے کہ تجھ سے نہیں کہتا غمِ دل!
شعلہ درد کو سینے میں دبا رکھا ہے!
قلزیمِ اشک کو آنکھوں میں چھپا رکھا ہے!
ورنہ اس حال میں خاموش نہ رہتا غمِ دل!

مجھ سے کہہ دوں تو ترے دل پر ملال آتا ہے!
 آجیگئے کی نزاکت کا خیال آتا ہے!!

تسلیات

نہ رو، نہ رو کہ چین کی بہار ختم ہوئی
 فضائے بلغ میں چلنا صبا نے چھوڑ دیا
 کلی کلی پہ چلنا صبا نے چھوڑ دیا
 کہ فصل خندہ گر و خوشگوار ختم ہوئی

نہ رو، نہ رو کہ مری لالہ رُخ، وطن سے گئی
 وہ رات دن کی ملاقات اب سے خواب ہوئی
 وہ پیارا پیار کی ہر بات اب سے خواب ہوئی
 بزمِ گل، وہ مری گلبدن چین سے گئی

نہ رو، نہ رو کہ بس اب دورِ جامِ رخصت ہے!
 خزاں نصیب ہوئیں وہ شباب کی راتیں
 نہ ہات آئیں گی پھر ماہتاب کی راتیں
 کہ موسمِ قدح لعلِ قلم رخصت ہے!



دلِ حُزین، یہی ایامِ پھر بھی آئیں گے
بہارِ ولالہ رخ و جامِ پھر بھی آئیں گے

لَیْمَتِ خَاموش

شامِ گلشن پہ بہاروں کے سہمے لہرائے!
نگہِ شوق ہے اور مستِ نظاموں کا ہجوم!
شفق و نور کی شاداب بہاروں کا ہجوم!
مُسکراتے ہوئے تاروں کے سہمے لہرائے!

ہر طرفِ رقصِ کناں غالبہ زاروں کا سکوت!
محفلِ دہر پہ خوابوں کا سماں طاری ہے
ڈرے ڈرے پہ کوئی حُسنِ جواں طاری ہے
دلِ آفاق پہ چھایا ہے بہاروں کا سکوت!

کون آیا میرے سینے میں یہ مخمورِ جمال؟
کس کی آواز سے سرشار ہے دنیاۓ شباب؟
کس کی آنکھوں سے چلتی ہے یہ صہبائے شباب؟
بزمِ کوشن ہوئی جاتی ہے مسخوَرِ جمال!

ایسے عالم میں ہوں دنیا کا نہیں ہوش مجھے
کر رہا ہے یہ اثر بے خود و خاموش مجھے

تاثیر

میں نے اک نغمہ سنایا تھا تری محفل میں!
ایسی حالت میں کہ تھا ساز شکستہ میرا
یعنی تارِ نفس، آواز شکستہ میرا!
دل کا خون آنکھ میں تھا، آنکھ کے آنسو دل میں

میں نے دیکھا کہ ترے دل پہ اثر تک نہ ہوا؟
میری فریادِ حزیں، خوابِ پریشاں ہی رہی
دل میں امید جو تھقی، یاس بداماں ہی رہی
رحم کا تیری نگاہوں میں گزر تک نہ ہوا،!

ساز کو پھینک دیا، یا دل غمگین میں نے
اس کے تاروں نے کبھی پھر نہ سنائے نغمے
ناامیدی سے کبھی لب پہ نہ آئے نغمے
گرچہ کہتے ہی کہے نغمہِ خویش میں نے

آج حیرت، مگر اے جاں مجھے اس راز پہ ہے!
اپنی آواز کا دھوکا، تیری آواز پہ ہے!

معاجرہ

سکوں نصیب نہیں میری جان بسمل کو
فضائے غم میں مرے قلب کو قرار نہیں
کوئی امید نہیں ہے کہ سوگوار نہیں
وہ گم شدہ ہوں، ترستار ہے جو منزل کو

دیارِ غیر میں روئے نشاط محفل کو!
وہ شاخ خشک جو معمورِ برگ و بار نہیں
فسردہ گل، جسے امیدِ نو بہار نہیں
الہی کیا کروں اپنے الم زدہ دل کو!

چمن سے دور ہوں اک ملبلی حزن و خموش!
ستار ہی ہو جسے یادِ آشیانے کی
فلک نے چھین لی جس سے خوشی زمانے کی
نگوں سے دور ہوں میں اک گل حزن و خموش!

ہوا کے خلد ہو دل میں تو خار بھی نہ ملے
جو مر رہوں تو کنارِ مزار بھی نہ ملے

اذان

روحِ آفاق میں جس کو شرِ افشاں دیکھا!

وہ صدا، جس کو دل و جانِ مسلمان کہئے
نغمہ بے خود و رحمت گہرِ یزداں کہئے
سینہ دہریں ہر سو، جسے رقصاں دیکھا!

روز و شب اور مہ و سال گئے، پھر آئے!

اس کا مستانہ سلاطین ہے ابھی تک برپا
لبِ فطرت کا تبسم ہے ابھی تک برپا
کتنے ماضی مٹے اور حال گئے، پھر آئے!

دشت و صحرا و جبل، جس سے دہل جاتے ہیں

جس سے ہیں لرزہ براندام، ستارے اب بھی
جس سے کانپ اٹھتے ہیں دنیا کے نظامے اب بھی
لاٹ و عزتے و ہبل، جس سے دہل جاتے ہیں

یہ اذان ہے کہ ہے اک عظمت سرشار و جواں
قلبِ مسلم کی ہے اک دولتِ بیدار و جواں

رہٹ کی آواز سن کر

غیر رفتہ کی صدا آتی ہے آواز کے ساتھ

آہ یہ نغمہ بے تاب و حزیں کیسا ہے؟
وقت کی آنکھ میں یہ خواب کیسا ہے؟
جیسے مضراب شکستہ ہو کسی ساز کے ساتھ!

آہ یہ بچے، یہ معصوم، یہ نادانِ روحیں!

جیسے آواز کی جنت میں ہوں تارے روشن!
شفقِ شام میں پھولوں کے ستارے روشن!
جاں فزا کھیت میں دیہقان کی دیہقانِ روحیں!

کوئی دھیمی سی نوا ہے کسی آہنگ کے بعد!

کوئی شیریں سی ادا ہے جو ستاتی ہے مجھے!
عالمِ خلد کا افسانہ سناتی ہے مجھے!
جیسے رونی ہوئی آنکھیں ہوں کسی جنگ کے بعد!

اپنی ہر آہ کے ہمراہ تو رونے دے مجھے
رحم کر اپنی اس آواز میں کھونے دے مجھے

تیری مستی آنکھیں

شرابی آنکھوں سے اک جام پلا دے مجھ کو!

آہ وہ جام کہ شیریں بھی ہے مسموم بھی ہے
سادہ بھی مست بھی، رنگین بھی مسموم بھی ہے

پھر اسی جام سے دیوانہ بنا دے مجھ کو

تیرے شربت میں نہاں مستی گہائے بہار

تیری آنکھوں میں ہیں ساون کے ستارے روشن
شفق و نور کے شادابِ نظارے روشن

آہ اے روشنکِ نکہت و سلمائے بہار

تیری مستی بھری آنکھیں ہیں کہ جامِ گویا

جنتِ قدس کا افسانہ سناتے ہیں مجھے
جنتِ کیف کا نظارہ دکھاتے ہیں مجھے

صبحِ ناطق کہوں میں ان کو کہ جامِ گویا؟

اس طرح دیکھ کہ پھر ہوش نہ آنے پائے
میری آنکھوں میں کبھی کچھ نہ سمانے پائے

راحت رفتہ

تجھے کیوں راحت رفتہ کی یاد آتی ہے رہ رہ کر؟
مرے نادان دل کچھ تو بتایہ ماجرا کیا ہے؟
پراتے قصے دہرانے سے آخر فائدہ کیا ہے؟
بتا ماضی کی دُھن کیوں اتنا ترپاتی ہے رہ رہ کر؟

کسی کا حال دنیا میں کبھی کیسا نہیں رہتا!
زمانے میں تغیر ہی تغیر کی حکومت ہے
تغیر اصل ہستی ہے، تغیر اصل فطرت ہے
تغیر ہونہ جس انسان میں، وہ انسان نہیں رہتا!

خزاں کے بعد آتی ہیں بہاریں باغ عالم میں!
بہاریں ختم ہونے پر خزاں کا دور آتا ہے
چمن روتا ہے اک دن دوسرے دن سُکراتا ہے
غرض عمریں گزر جاتی ہیں یوں شادی و ماتم میں!

شہرود

بلا کر راحتِ رفتہ کو لا سکتا نہیں اے دل!
تو اپنے رنج کو راحت بنا سکتا نہیں اے دل!

صحنک

جلوۂ قدس، سرِ بزمِ حسین طاری ہے!
چار سُو بالِ فشاں، عصمت و عفت کی مہک
جس پہ ہوتی ہے فدا وادِ جنت کی مہک
کہکشاں، محضیا باری و گل باری ہے!

آہ یہ رات، یہ موسم، یہ ستاروں کی بہار
جمع ہیں ایک طرف چند خواتینِ حسین
گلشنِ عفت و حرمت کی ریاحینِ حسین
وہ ریاحین کہ جنہیں کہئے بہاروں کی بہار

پھیلی ہے چار طرف نکبت گلہائے نیاز
پارسائی کی بہاروں کا سماں چھایا ہے
وہ سماں جس کا کہ فردوسِ بریں سایہ ہے
ہائے یہ جلوۂ معصوم یہ سینائے نیاز

امتحان اپنے تقدس کا بے مقصودان کا
وہ تقدس کہ دل و جاں سے ہی مسجودان کا

سالگرہ

فضائے شام غریباں میں آئی سالگرہ
یہ انقلاب لکھا تھا نصیب قسمت میں
کٹے یہ لمحہ مسرور، رنجِ عزبت میں
خدا نے دہلی سے باہر دکھائی سالگرہ

زمانہ سخت دل آزار و بے وفا نکلا
ہر اک کے چھٹے ہیں دنیا کی سختیاں آئیں
بقدرِ حوصلہ یہ تیرہ بختیاں آئیں
سکوں نصیب جو دل تھا، ستم زدہ نکلا

جنہیں نصیب تھا گھر بار، آج بے گھر ہیں
جو خوش تھے اپنے وطن میں وہ بی وطن ہیں آج
جو شادماں تھے، رہیں غم و سخن ہیں آج
رہیں جو رُسپہرِ فساد پرور ہیں !

اس طرح دیکھ کہ پھر ہوش نہ آنے پائے
میری آنکھوں میں کبھی کچھ نہ سمانے پائے

فکاکات

مرد اور عورت کی بکرنگی

عورتوں کے مردانہ فیشن پر طنزیہ

ذوق ہنرنگی^(۱)

کلی شب کو تھیں اک بال میں، جلوہ کناں حورو پری
یا محو رقص و نغمہ تھے، صدا ہا بتان آفری!
دل موہ لینے کے لئے، ہر شوخ ادا آمادہ تھی
آنکھوں میں کفر ساحری ہونٹوں پہ کفر سامری!
تہذیب نو کے رنگ سے، پریر تھی ہر اک ادا
لبوس کی عریا نیاں، اندازہ کی عریاں گری!
تھے زلف و گیسو کی جگہ، مردانہ فیشن سر کے بال
وہ تھیں کہ صدا ہا مٹتی، مست شراب و لبری!
یہ دیکھ کر میں نے کہا اک شوخ "عبر آشوب سے"
اے چہرہ زیبائے تو رشک بتان آفری!
یوں تو مکمل ہے ترا، ہر طرح حسن بے مثال!

ہرچند و صفت می کنم اور حسن اڑاں زیبا تری!
 لیکن زراہِ لطف مجھ کو دے جو اب اس بات کا
 کیونکہ گوارا ہے تجھے، یہ گیسوؤں کی ابتسری؟
 پہلے تو سوچا دیر تک، پھر مسکرا کر ناز سے
 یوں بولی وہ کافر ادا مست اداے کافری!
 مردانہ فیشن سے غرض، اس کے سوا کوئی نہیں
 "تاکس" نہ گوید بعد از ہیں، من دیگر م تو دیگر ہی
 (۲۱)

شاعروں کا امر گیسو

ہمارے شاعروں کو رات دن بیتاب رکھتی تھی
 تمنا، خود کو دائم زلف و گیسو میں پھنسانے کی
 مگر اب سُنتے ہیں گیسو بڑی کا چل پڑا فیشن
 بڑھائیں جا کے یہ حضرات رونق جیل خانے کی
 (۲۲)

انقلابِ معنی

لغاتِ خانہ میں گیسو بڑی گواہ گالی تھی
 مگر گیسو بڑیدہ، آج کل ہر ایک عورت ہے
 فقط گیسو بڑی کا ذکر کیا ہے اس زمانے میں
 کہ عربیاتی تن بھی داخل تقلیدِ فطرت ہے

لطفِ عمیل^{۴۱}

مغرب کی نعمتیں یوں، مشرق میں بٹا رہی ہیں
 پھرے چک رہے ہیں، اور زلفیں کٹ رہی ہیں
 ہے حسنِ زارِ نسواں، میں انقلاب برپا
 دن بڑھ رہے ہیں اخترِ اور راتیں گھٹ رہی ہیں

اے کشتہ فولاد

اس نظم کے شانِ نزول کے اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہمیں
 شملے جانے کا اتفاق ہوا جن دوست کی کوٹھی پر مابدولتِ نزولِ اجلال فرما
 تھے ان کے صاحبزادے کو ایک بزرگوار کہ نام جن کا مامون الرشید ہارونی
 تھا۔ ریاضی اور تاریخ پڑھانے پر مامور تھے۔ طازمین غام طور پر اندازہ
 غایت عقیدت ان کو "خلیفہ" صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ گو یہ امر ہنوز بدستور
 ایک رائے بنا ہوا ہے کہ ان خلیفہ صاحب کا کوئی نسلی یا بیعتی تعلق خلفائے
 عباسی کے خاندان سے تھا یا نہیں؟ بہر حال قابل ذکر امر یہ ہے کہ از
 بسکہ ہمارے خلیفہ صاحب "کشتگانِ خنجرِ تسلیم" امراض سے تھے۔ اور...
 ع۔۔ ہر زماں از غیب جانِ دیگر است، کی زندہ مثال بنے رہنا چاہتے تھے۔
 اس لئے آپ کو کشتوں اور خاص طور پر "کشتہ فولاد" کی چاٹ پڑ گئی تھی۔ اس
 سے خیال ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب عباسی ہونے کے بجائے شاید کشتگانِ

”عروب صلیبی“ کی اولاد ہوں۔

الغرض ان کی کشتہ خوری کی ”فولادی“ عادت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہ نگاہ قدر شناسی ہم نے ان کی خدمت میں ”کشتہ فولادہ“ کا خطاب پیش کر دیا۔ اور چونکہ رسم خطاب یافتگی سے ایک روز پہلے وہ ہم سے وعدہ خلائی کر کے تنہا سیر کو چلے گئے تھے۔ اس لئے ہم نے اس پیش کش کے ساتھ بطور ”مستزاد“ چند اشعار بھی تقدیم کرنے مناسب سمجھے۔

کل چھوڑ کے تنہا تو ہیں چل دیا اُستاد!
اے کشتہ فولاد!

کیا راہ میں ملنی تھی کوئی طرفہ پڑی زاد!
اے کشتہ فولاد!

دُنیا تجھے کہتی ہے فلاطون کا بیٹا
صغارون کا بیٹا

مامون ترا نام ہے، اے صاحبِ اولاد!
اے کشتہ فولاد

ہر سُو نظر آتی ہیں دواؤں کی قطاریں
کشتوں کی بہاریں

کمرہ ہے ترا یا ہے شفاخانہ سا آباد
اے کشتہ فولاد

۱۔ خلیفہ صاحب کے ایک خاص صحن کی طرف اشارہ ہے، علامہ خلیفہ صاحب کے مورث اعلیٰ کا نام تھا۔

اک گاؤں کا کھانا تو اڑا جاتا ہے تنہا
کھا جاتا ہے تنہا

معدہ ترا کرتا ہے سدا درد سے فریاد
اے کشتہ فولاد!

ہر وقت شکایت ہے تجھے دردِ جگر کی
اور ضعفِ بصر کی

کشتہ ہو کہ سُرمرہ ہو ترے دم سے ہے آباد
اے کشتہ فولاد!

کشتوں کے سوا تجھ کو کوئی دھیان نہیں ہے
ارمان نہیں ہے

دنیا کے اطباء کے مطب تجھ سے ہیں آباد
اے کشتہ فولاد!

دنیا تجھے کہتی ہے محبت سے خلیفہ
اے رشکِ خلیفہ!

روتے ہیں جدائی میں ترے دجلہ و بغداد
اے کشتہ فولاد!

وہ باج و خراج اور تراج کہاں ہے؟
وہ راج کہاں ہے؟

۱۔ نام کے اثر سے خلیفہ صاحب اپنے آپ کو عراقِ عرب اور مصر کا بائزدارت خیال کرتے تھے

کی گنبد گردوں نے "خلافت" تری بر باد
اے کُشتہ فولاد!

اگلی سی تری عظمت و شوکت نہیں باقی
سطوت نہیں باقی

اب نائی ہی کہتے ہیں "خلیفہ" تجھے استاد
اے کُشتہ فولاد!

ہے پیٹ ترایا کوئی پنساری کی دکان
عطار کی دکان!

آنتیں ہیں تری یا کہ دواخانہ ہے آباد
اے کُشتہ فولاد!

میریوں ہی اڑا جاتا ہے شبرات کا حلوا
خبرات کا حلوا!

تاثیر سے کُشتوں کی ہوا تجھ کو یہ گم یاد
اے کُشتہ فولاد!

کُشتوں کا کچھ اس طرح تجھے روگ لگا ہے
گویا کہ ہوا ہے

دنیا کا ہر اک کُشتہ ترے واسطے ایجاد
اے کُشتہ فولاد!

۱۔ ہم سے ملاقات کے وقت خلیفہ صاحب برے حالوں میں تھے۔

ہر وقت تجھے صرف دواپنی کی ہے فکر
اور صیغے کی ہے فکر

گو تیرا جگر موت کو آتا ہے بہت یاد
اے کُشتہ فولاد

کھیلے تو اگر تماش تو بازی ہی اُلٹ جائے
قسمت ہی پلٹ جائے

ہر کھیل میں رہتی ہے نخواست تری ہمزاد
اے کُشتہ فولاد

غش کھا کے گریں دیکھ کے تو اتنا حسین ہے
ہراک کو یقیں ہے

کھینچیں تری تصویر اگر مائی و بہن زاد
اے کُشتہ فولاد

ہر موج صبا ہے تری رفتار کے صدتے
گفتار کے صدتے

بے نگہت گلزار ترے عشق میں برباد
اے کُشتہ فولاد

لکھے تری تعریف میں کیا ابن بطوطہ
چل جائے نہ جوتہ

تاریخ میں کو دن ہے ریاضی میں تو استاد
اے کُشتہ فولاد

مطابہ

اور جو لاتا ہے پڑھا جاتا نہیں
 مال پر ہم سے پھرا جاتا نہیں
 ہوٹلوں کا بل دیا جاتا نہیں
 عہدہ نو میں اونٹ کام آتا نہیں
 تار پر ہم سے چڑھا جاتا نہیں
 عشق ہے، رشتہ نہیں، ناما نہیں
 کیوں بے قاصد جا کے سمجھاتا نہیں!
 ہم سے اب عاشق رہا جاتا نہیں
 بھائی پھیلا کس لئے گاتا نہیں؟
 یہ نگر فیشن سے باز آتا نہیں؟
 تیری جگہ سے تو پسواتا نہیں
 ڈاکٹر اپنے بھی گھر جاتا نہیں
 وہ سوائے کیک کچھ کھاتا نہیں
 آکے اب بھوکا رہا جاتا نہیں
 ویسی فلموں میں مزا آتا نہیں!
 بھائی میرے گھر سے کیوں جاتا نہیں؟
 میرے خچر سے چلا جاتا نہیں

پوسٹ میں اس بت کا خط لاتا نہیں
 کون سا بت ہے جو تڑپاتا نہیں
 عاشقی سے کیوں ہم استعفاء دیں
 شیخ جی موٹر پہ حج کو جاییے
 بوسہ لیں اُس سرو قد کا کس طرح
 پھیریں کیوں دل نہ اس ظالم سے ہم
 عاشقوں پر ظلم کرنا چھوڑ دیں
 رات دن فرمائشیں زیور کی ہیں
 بزم میں دشمن ہے کیوں خاموش آج
 جل گئی سگرٹ سے داڑھی شیخ کی
 فریبی کا طنز کیوں عاشق پر؟
 فیس پہلے جب تلک رکھوانہ لے
 بیکری میں نوکری کرنی پڑی
 تیری فرقت میں بہت فاقے کئے
 گھس گھدے لکھنے لگے ہیں ٹاکیاں
 کب سے ہے مہمان تو اے ہجر پار؟
 اوستمگر! روکنا موٹر ذرا

لانڈری کھولی تھی اس کے عشق میں پروہ کپڑے ہم سے دھلوا سنا نہیں
 حضرت ابن بطوطہ کی غزل ضد کے مارے وہ صنم گاتا نہیں

۱۔ حضرت اختر شیرانی فکاہی نظموں میں بالعموم اپنے آپ کو ابن بطوطہ لکھتے ہیں۔

ماہیے

سوالات

(۱) وہ جب کبھی یاد آتے ہیں

وہ جب کبھی یاد آتے ہیں !
 کیوں چھیڑتے ہیں مجھ کو ، کیوں مجھ کو ستاتے ہیں ؟
 چپ چپ سے وہ رہ رہ کر
 کچھ آنکھوں میں کہہ کہہ کر ، کیوں مجھ کو ہنساتے ہیں ؟
 تنگ آئی ہوں عادت سے
 ہر وقت کی شرارت سے ، کیوں مجھ کو جلاتے ہیں ؟
 اظہارِ محبت سے
 اقرارِ محبت سے ، کیوں مجھ کو بناتے ہیں ؟
 جب ہوتی ہوں رنجیدہ ،
 تب ہو کے وہ سنجیدہ ، کیوں مجھ کو مناتے ہیں ؟
 کرتی ہوں گلہ جب میں
 ہوتی ہوں خفا جب میں ، کیوں پیار جتاتے ہیں ؟
 وہ جب کبھی آتے ہیں

(۲)

کیا دل میں سمائی ہے؟
 پردیس میں جا کر یوں، کیوں چھاؤنی چھائی ہے؟
 باغوں پہ گھٹا چھائی
 کیوں ایسے سے آئی، ساون کی ڈھائی ہے؟
 کب سے ہیں جدا ہم سے؟
 کب سے ہیں خفا ہم سے، کب سے یہ لڑائی ہے؟
 یہ تو نہیں کچھ مشکل!
 خط لکھنے میں بھی اے دل، کیا کوئی بُرائی ہے؟
 کیا دل میں سمائی ہے؟

یاد

(۳)

پھر یاد وہ آتے ہیں
 ساون کے بھرے بادل، دل میرا دکھاتے ہیں!
 پھر بدلیاں چھاتی ہیں!
 امیدیں دلاتی ہیں، ارمان رلاتے ہیں!
 جا کر کوئی سمجھائے!
 کیوں اب بھی نہ گھر آئے، سب اپنے گھرتے ہیں!
 رہ رہ کے ہیں یاد آتے

وہ بھولے نہیں جاتے ، ہم لا کھ بھلاتے ہیں !
 کس طرح مٹے یہ غم ؟
 بیتے ہوئے دن ہم دم رہ رہ کے رُلاتے ہیں !
 پھر یاد وہ آتے ہیں !

سوزِ ناتمام

اس عنوان کے ماتحت ہم جستہ جستہ وہ بعض اشعار اور مصرعے درج کرتے ہیں جو ہمیں ناتمام غزلوں اور نظموں کی صورت میں آپ کی بیاض سے ملے ہیں۔

سحر کے وقت یہ مژدہ لئے ابر بہار آیا

مبارک اے زبیں! پیغمبرِ گردوں وقار آیا

دل دیوانہ وہ دن آئے، وہ دن پھر آئے

میں ہوں آنکھیں ہوں مری، اور مزارِ خواجہ

خاکِ اجیر ہے گہوارہٴ شان و عظمت

اختر اس خاک میں روشن ہے وقارِ خواجہ

ہم تو پا مالِ تمنا ہو چکے

رحم کر اے عشق رسوا ہو چکے

ہم تو آپ اپنا تماشا ہو چکے

اور خواب میں خلد کو دکھا دے

وہ رشکِ چراغِ طور ہے وہ

مہر و مہ و کمکشاں ہے قریاں

عشق کی دنیا میں رسوا ہو چکے

اک زمانے کا تماشا ہو چکے

تجھ کو کیا دیکھیں کہ تجھ کو دیکھ کر

اے گیت ذرا مجھے سلا دے

وہ خلد کہ جس میں حور ہے وہ

جس ماہِ حبیب پہ جاں ہے قریاں

مرے ندیم مجھے لے چل اُن بہاروں میں

جہاں بہشتیں ہیں رقصاںِ نبشتہ زاروں میں

شہرود

جہاں ہیں نغمہ سرا حوریں شاخساروں میں

جوانیاں سی پُرافشاں ہیں جو تباروں میں

مرے ندیم مجھے لے چل اُن بہاروں میں

پہلے ہی کب امید تھی تم شاگرد کرو گے
کہتے ہو نکل جاؤ نکل جائیں گے جس دن
معلوم تھا ہم کو یونہی برباد کرو گے!
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کرو گے!

خون کے آنسو

رگ لگ میں میٹھی میٹھی خلش سی سما گئی
ابر بہار جب کبھی آیا رُلا گیا
بے اختیار جب بھی تری یاد آ گئی
باد بہار آگ سی دل میں لگا گئی

میرے اظہارِ محبت پہ یہ اصرار کیا
عرض کی میں نے کہ دل فی مجھے ناچار کیا
پہلے کس کس سے یہ اقرار کیا
بونے کیوں تم نے نہ انکار کیا

میرے اقرارِ محبت پہ کسی نے یہ کہا پہلے کس کس سے کیا؟
آہ میں کیا کہوں کہتے ہوئے اتنی ہے حیا مجھ سے کیا جرم ہوا؟
کیا ہوا میں نے اگر عشق کا اظہار کیا آپ سے پیار کیا
آپ نے کیوں میرے ارمانوں کو بیدار کیا دل کو سرشار کیا
نہ وہ رنگِ باغِ بہاں رہا، نہ وہ کیفِ عمرِ جواں رہا
نہ وہ ذوقِ بزمِ مغاں رہا نہ وہ شوقِ کوئےِ بتاں رہا

وہ نسیم صبح چین نہیں وہ شمیم زلفِ سمن نہیں
وہ نشاطِ باغ وطن نہیں وہ کہاں رہیں یہ کہاں رہا

دنیا ہے سید خانہ غم شمع جلا دے اٹھ ساقی مہوش مجھے پیمانہ اٹھا دے!
اس لغزشِ مستانہ کا ارمان ہے ساقی جو تیرے مچلتے ہوئے قدموں پہ گرا دے

یادیں دکھانا ہے یا وہ جی لبھانا تھا یہ بھی اک زمانہ ہے وہ بھی اک زمانہ تھا
مر گئے ہم آخر کو اس طرح بھی کیا جیتے زندگی کا ہر لمحہ موت کا فسانہ تھا
اے گیت اُسے بتا دے جا کر میرا غمِ دل سنا دے جا کر

یا دشبِ وصال کو دل سے مرے بھلا بھی دے
یہ خلش آہِ غلش آ اور اسے مٹا بھی دے
ہستی بے ثبات کو منہ نہ لگائیں ہم کبھی
کہتے ہیں جس کو موت وہ ہم کو کچھ آسرا بھی دے
شکوہ سنج غم پہ سانی ہوں غمزدہ اختر شیرانی ہوں
آپ بھولے تو نہ ہوں گے مجھ کو آپ کا اختر شیرانی ہوں

دنیلے آلود کو نہ برباد کر کے جا! یوں تو مجھے نہ مائل فریاد کر کے جا
اتنا ستم نہ اے ستم ایسا دکر کے جا!

فتنہ و شور ہے برپا یہ حرم میں کیسا جس نے میخانہ کی دیوار ہلادی ساقی

میرا ہر شعر ہے اختر مری زندہ تصویر دیکھنے والے نے ہر لفظ میں دیکھا ہے مجھے

کس نے پھر چھپڑ دیا ذکرِ دیارِ سلمیٰ لہلہانے لگی آنکھوں میں بہاؤِ سلمیٰ

جب سے لے پردہ ترا حسنِ جوان دیکھ لے ہر طرف غلہ کے جلووں کو رواں دیکھ لے

دنیا کے رنج و عیش ہیں کس اعتبار کے دو دن خزاں کے ہوتے ہیں دو دن بہار کے

تم تو سمولن میں گزارو بھری برسات کی رات
اور یہاں آنکھوں میں کٹ جائے یہ جذبات کی رات

شبِ بہار میں کیوں بنید سو وہ چونک اٹھے مرے خیال نے شاید جگا دیا ہوگا!

نسیم صبح بہار مجھ کو سنار ہی ہے پیام کس کا
الہی! رہ رہ کے آ رہا ہے مری زبان پر یہ نام کس کا
چمن میں بادِ گل نے عجب دھوکہ دیا مجھ کو
کہ میں نے شوقِ مے نوشی میں کانٹوں پر زبان رکھ دی

سیلابِ شک دیکھ کے حیرت سے یہ ہیں کس طرح چھپ گئے ہیں یہ دریا جہاں میں

کسی شمع کی یاد آنے لگی ہے ! محبت ہمیں پھر ستانے لگی ہے

کیوں عبا آئے ترے کوچے میں؟ پھرنے والی ہزار ہا گھڑکی !!

دل نے بری طرح سے ستایا تمام رات رو یا خود اور ہمیں بھی رُ لایا تمام رات

میکدی میں اب بھی ذکرِ آتما ہے مینوشی کثرت کیا خبر تھی اخترا تناپا رسا ہو جائے گا

بہت تڑپا لگی دل کو ہماری دستاں اکدن کرے گا یاد رور و کر میں سارا جہاں اکدن

ثیر کو شیر کبھی صدمہ نہ پہنچائے گا مگر انسان ہے کہ انسان کو کھا جائے گا

باز دل می بردم ذوقِ اسیری بلبل گر روم سوئے نفیس خوردہ نگیری بلبل

مژدہ لے مرغِ گرفتار کہ صیا دآمد باز از صیدِ فراموشش خودش یاد آمد

چہ پاک ارقاقیہ شد تنگ مارا ہنجو عیش من
نفیس از نغمہ کے مانع شود مرغِ خوش الحان را

ہمیں بھول جانے والے ہمیں کیوں بھلا رکھا ہے

عشرت کو مکنی سے نہیں واقف پرویز کہدو یہ لطف جو چاہے تو کہستان میں آ

ہم جو آنکھوں سے رواں سبیل بہاراں کرتے
چشمہ چشم سے شاداب گلستاں کرتے
ہم ہی مجبور ہوئے عشق میں حیراں ہو کر
ورنہ اکثر انہیں غمناک و پریشیاں کرتے

میری تنہائی کی توہین نہ ہوتی یارب کوئی آنسو میری آنکھوں کا سہارا ہوتا

اس دل کی حسرتوں کا ماتم کریں گے ہم لیکن وہ خوفشانی چشم حزیں کہاں

نگاہوں میں مستی لبوں پر تبسم بہار آرہی ہے کہ وہ آرہے ہیں

سننے ہیں آپ نے کچھ ہم سے شکایت کی ہے
آپ کی جان سے دور آپ سے فریاد نہیں

اے دل اپنے دل آزار کو پھریا د کریں اس طرح روئیں کہ گلزار بھی فریاد کریں

مصرع

لے کے آئی ہے جنوں فصل بہار اب کے برس

سچ پوچھو تو اب جینے کی فرصت ہی نہیں ہے

کیا ہوا میں نے اگر عشق کا اظہار کیا آپ سے پیار کیا

کسی پہ کبھی کسی حالت میں اعتبار نہ کر

ہم اپنی عید کو دل میں چھپائے بیٹھے ہیں

میں ہوں مبتلائے غم و محن، مرے ماہِ رومرے گلبدن

یہ حضرت ہیں مہمان بھلا کتنے دن کے

وہ فصلیں وہ بہاریں وہ گلستان یاد آتے ہیں

اے ہجومِ آرزو تو ہی بتا ہم کیا کریں

رخصت اے بزمِ جہاں

یہ ہے کون سرمست گفتار شیریں

تقدیر سنس رہی ہے تدبیر دوری ہے

ہم ایسے ہیں کہ جیسے کسی کا خدانہ ہو

محبت ہے اختر اک آزار شیریں

قبر کو میری مٹایا ہے غنیمت ہے بہت

باغباں کیسی خوشی آئی ہے اس گلشن میں

خوابِ رفتہ کو بہت یاد کیا ہے ہمد

کس قدر آج پریشیاں ہیں غیاظنِ واکھر

بطحا کے جلنے والو اے رہروانِ بطحا

مصرعہ جو موت سے چند لمحات پہلے ہونٹوں پر جاری تھا۔

ہو گئی بزمِ میکہ خاموش

مرثیہ

محمد نظیر الدین خاں

محمد نظیر الدین - ایف - ایس - سی علیگ جن کی شادی
۲۲ - اگست ۱۹۴۷ء کو اختر مرحوم کی دختر نیک اختر سے ہوئی
تھی - شادی کے تقریباً چالیس یوم بعد ۲۹ - ستمبر ۱۹۴۷ء کی صبح
کو 'بناس' ندی کے کنارے قبلہ حافظ محمود صاحب شیرانی کے مزار
پر فاتحہ کے لئے اپنی اہلیہ محترمہ اور دیگر متعلقین کے ساتھ گئے
فاتحہ خوانی سے فراغت کے بعد آپ اس ندی سے پانی لینے گئے
صاف پانی لینے کے خیال سے پانی میں کچھ دور اور آگے قدم بڑھایا
بدقسمتی سے پانی میں گر پڑا تھا - پاؤں پھسلا اور ڈوب گئے - ادھر
کنارے پر اختر مرحوم کے صاحبزادے مظہر محمود خوشنود کھڑے تھے جب
کچھ دیر نظیر الدین پانی سے باہر نہ نکلے تو انھوں نے شور مچایا - ادھر
ادھر سے آدمی جمع ہو گئے اور لاش نکالی گئی - نظیر الدین ختم ہو چکے تھے۔

مذکورہ ذیل اشعار - - - - - اختر کے اسی احساس غم و الم کی یادگار

ہیں -

ہے غرقِ ظلمتِ یاسِ آسماں آج

مہِ روشن ہے نظروں سے نہاں آج

خدائی بحرِ غم میں کیوں نہ ڈوبے

اہلِ ڈوبانِ نظیرِ الٰہی جو اں آج

۱۳۶۶ھ

تفصیح

اختر شیرانی کے کلام کا ساآواں مجموعہ

بنام ایندو بخشنده دادگر دعا!

الہی! مجھ کو ایسی نالہ سامانی عطا کر دے!
 جو بزمِ دہر میں ہنگامہ محشر بپا کر دے!
 سرودِ آبادِ ہستی میں میں اک ساز شکستہ ہوں
 مرے خاموش تاروں کو ترنم آشنا کر دے!
 اگر تیرے سوا بھی مدعا ہو سکتا ہے کوئی!
 تو میرے دل کو یکسر بے نیازِ مدعا کر دے!
 سوادِ عالمِ حسرت میں ہوں گمراہِ مدت سے
 مرے پلے طلب کو اب تو منزلِ آشنا کر دے!
 چمنِ زارِ فنا میں ایک مرغِ پر شکستہ ہوں!
 مجھے تندرستِ آزمائے ذوقِ پروازِ بقا کر دے!
 سکھا دے طفلِ دل کو درسِ اخلاص و محبت کا
 زباں کو بے نیازِ شکوہ مکر و دغا کر دے!
 کسی سے مجھ کو کینہ ہو، عداوت ہو نہ نفرت ہو
 ایامِ دل کو لبریزِ مےِ صدق و صفا کر دے!

مرے آغاز میں انجسام کی صورت نظر آئے!
 مری ہر ابتدا کو ہم صفت سیرا تھا کر دے!
 مصیبت میں بھی صبر و شکر کے نغمے زباں پر ہوں
 اسیر گیسوئے رحیم شہبیدہ کر بلا کر دے!
 مرے دیتی ہے کیا کیا بے قراری کی ادایا رب
 مرے دردِ خلش پر درد کو دردِ لا دوا کر دے!
 صنم خانے میں ذوقِ وحدت اک دشوار منزل ہے
 صریح معرفت میں بے نیاز ماسوا کر دے!
 تراختِ تری سرکار میں اک عرض لایا ہے
 عجب کیا ہو، اگر تو کامیابِ التجا کر دے!

سکال نو

سال نو کا مضطرب رنگیں نوا گاتا ہوا!
 آرہا ہے عیش و غم کے نغمے برساتا ہوا
 سینے پر ہفتاب و انجم کی سنہری آب و تاب
 سرچہ سورج کا سنہری تاج چمکاتا ہوا
 بات کے گیسوئے مشکیں دوش پر ڈالے ہوئے
 دن کے جلوے مرمر میں چہرے سے دکھلاتا ہوا

زندگی کے مختلف رنگوں کو دامن میں لے لے!
 زندگی کی مختلف راہوں پہ کستراتا ہوا
 پیچھے پیچھے تیغ عریاں کے ہٹا فی جام سے!
 ایک مجمع وحشیوں کا خون برساتا ہوا
 آگے آگے ناز نینسان تمدن کا ہجوم
 اپنے رنگیں دامنوں سے پٹھول برساتا ہوا
 اک طرف دولت کی پریاں بخود ریشگری
 دیو املا س ایک جانب ٹھوکر ہیں کھاتا ہوا
 ایک جانب ہیں خوشی کی ناز نینیں مجبور قص!
 ایک جانب پیر غم ہے اشک برساتا ہوا
 لیکن ان میں سب سے آگے حاکم تقدیر ہے
 سال نو کے خواب کی کیا جانے کیا تعبیر ہے

شمع حرم

یاد آیا میکہ رشکِ طور تھی ہستی مری!
 جلوہ ہائے قدس سے آباد تھی ہستی مری
 سوزِ عشقِ احمدی سے دل مرا لبریز تھا!
 خندہ زن تھی ادبِ مہر و ماہ پرستی مری

ساز کے تاروں پہ لہراتے ہیں نغمے جس طرح
 یوں فضائے عشق میں آواہ تھی مستی مری
 جس کے دوا دنی سے پروانے تھے سلمان و بلالؑ
 ہاں وہ موجِ شعاعِ الہام تھی، ہستی مری
 آ کہ سوزِ عاشقی کے نغمے بر ساقی ہوں میں
 سن کہ پھر افسانہ ماضی کو دہرائی ہوں میں
 جب کہ یہ دنیا سراسر ایک ظلمت خانہ تھی
 محفلِ ہستی شعاعِ نور سے بیگانہ تھی
 نغمہ آدم سے تھا محروم خوابستانِ دھر
 سطحِ عالم ایک ہیبت آفریں دیرانہ تھی
 روحِ انساں تھی ابھی نا محرمِ رازِ الست
 ہستی شیطاں سراسر قدس، اک افسانہ تھی
 بحرِ نوشِ بادہ ہستی تھے سرمست الست
 گرچہ فطرت جلوہ زارِ ساغر و پیمانہ تھی
 تب بھی ان رنگین تاروں کی طرح روشن تھی میں!
 فطرتِ آدم کی گہرائی میں طوفاں زن تھی میں!
 میں فضائے عرش کا لڑکا ہوا سیاح تھی!
 جلوہ ہائے نوبہ نو میں ماہِ نظرِ ساح تھی!

ذوقِ موسے بن کے تھی خود چیرتی جلوہ میں
 خود ہی موجِ نور بن کر طور پر آوارہ تھی
 آتشِ غرود تھی جب آسماں تک شعلہ زن
 خلد بن کرتب میں ابراہیم کا گہوارہ تھی
 دیدہ یعقوب میں تھی جلوۂ امید میں
 نوح کی کشتی ہیں چارۂ بے چارہ تھی
 شکلِ یوسف میں برنگِ حسنِ جانانہ تھی میں !
 سینہ عیسیٰ میں قم کا سازِ مستانہ تھی میں !
 کالانِ دہر کے سینوں میں تھا سکن مرا
 انبیائے عرش کا آغوش تھا گلشن مرا
 سوزِ بنِ کر قلبِ اسماعیل میں پنہاں تھی میں !
 خلد زارِ نکبتِ یوسف تھا پیرا ہن مرا
 بر لبِ اردِ سلیمان جس سے تھا لبرِ زرد
 ایسا پرتاثر تھا ہنگامہ شیون مرا
 میں فضا ئے دہر میں اک آسمانی نغمہ تھی
 عصمتِ مریم سے تھا پاکیزہ تر دامن مرا
 یک بیک فطرت میں اک ہیجان برپا ہو گیا !
 ایک قطرہ چھلکا اور طوفان برپا ہو گیا !

آخری امید

مرا ننھا جواں ہوگا!

کبھی تو رحم پر آمادہ بے رحم آسماں ہوگا!
 کبھی تو یہ جفا پیشہ مقدر، مہرِ بیاں ہوگا!
 کبھی تو سر پہ ابروِ رحمت حق مگل فشاں ہوگا!

مست کا سماں ہوگا!

مرا ننھا جواں ہوگا!

کسی دن تو بھلا ہوگا، غریبوں کی دعاؤں کا
 اثر خالی نہ جائے گا، غم آلود انتخابوں کا
 نتیجہ کچھ تو نکلے گا، نقیبانہ صداؤں کا

حداگر مہرباں ہوگا!

مرا ننھا جواں ہوگا!

خدا رکھے جواں ہوگا! تو ایسا نو جوان ہوگا
 حسین دکارواں ہوگا! دلیر دتیاں ہوگا
 بہت شیریں زباں ہوگا! بہت شیریں بیاں ہوگا
 یہ محبوب جہاں ہوگا!

مرا ننھا جواں ہوگا!
 وطن اور قوم کی سوجان سے خدمت کرے گا یہ
 خدا کی اور خدا کے حکم کی عزت کرے گا یہ
 ہر اپنے اور پرانے سے سدا الفت کرے گا یہ
 ہر اک پر ہر باں ہوگا!

مرا ننھا جواں ہوگا!
 مرا ننھا بہادر ایک دن ہتھیار اٹھائے گا!
 سپاہی بن کے سوئے عرصہ گاہ رزم جلے گا!
 وطن کے دشمنوں کے خون کی نہریں بہائے گا!
 اور آخر کامراں ہوگا!

مرا ننھا جواں ہوگا!
 وطن کی جنگ آزادی میں جس نے سر کٹا یا ہے!
 یہ اُس شیدائے ملت باپ کا پُر جوش بیٹا ہے!
 ابھی سے عالم طفلی کا ہر انداز کہتا ہے!
 وطن کا پاسباں ہوگا!

مرا ننھا جواں ہوگا!
 ہے اس کے باپ کے گھوڑے کو کب سے انتظار اس کا
 ہے رستہ دیکھتی کب سے قفلے کا رزار اس کا

ہمیشہ حافظ و ناصر رہے پروردگار اس کا

بہادر پہلواں ہوگا!

مرا ننھا جواں ہوگا!

وطن کے نام پر اک روز یہ تلوار اٹھائے گا

وطن کے دشمنوں کو کینج تربت میں سلائے گا

اور اپنے ملک کو غیروں کے پنجے سے چھڑائے گا

غرویر خاندان ہوگا!

مرا ننھا جواں ہوگا!

صفِ دشمن میں تلوار اس کی جب شعلے گرا رہے گی

شجاعت بازوؤں میں بن کے بجلی لہلہائے گی

جبیں کی ہر شکن میں مرگِ دشمن تھر تھرائے گی

یہ ایسا تیغِ راں ہوگا!

مرا ننھا جواں ہوگا!

سہر میدان جس دم دشمن اس کو گھیرتے ہوں گے

بجائے خوں رگوں میں اس کی شعلے تیرتے ہوں گے

سب اس کے حملہ شیرانہ سے منہ پھیرتے ہوں گے

تہ و بالا جہاں ہوگا!

مرا ننھا جواں ہوگا!

رات کے فرشتے

ہواؤں میں، رات کے فرشتے روپہلی پر پھٹ پھٹا رہے ہیں
 سکوت کے میٹھے میٹھے لہجوں میں غنید کے گیت گار رہے ہیں
 نظامِ ہستی پہ سرسبز غفلتوں کے پردے گرا رہے ہیں
 منظر اسے نقشے، سروں سے خاکے، دلوں سے باتیں بنا رہے ہیں
 زمین سے آسمان تک ایک مرمیوں فرش بچھ رہا ہے
 بہار کی چاندنی کے رمنوں میں رنگ رلیاں بنا رہے ہیں
 خموش و مدہوش ہیں فضا میں! صدا فراموش ہیں ہوائیں
 پروں سے گویا تھپک تھپک کر زمانہ بھر کر سلا رہے ہیں
 مناظر کائنات پر اک سکوت کا نقشہ پھا رہا ہے
 نگاہوں کی شوخ مستیوں سے ہزاروں نیندیں لٹا رہے ہیں
 چمن کی کرلوں بھری فضاؤں میں نور کار استہ بنا کر
 کبھی ادھر اڑ کے آ رہے ہیں، کبھی ادھر اڑ کے جا رہے ہیں
 یہی خدا سے کریں گے جا کر شکایتیں سب کی غفلتوں کی
 یہی ہمیں لوریاں سنائیں، خدا سے غافل بنا رہے ہیں
 ادھر ستاروں کی بزم میں، زہرہ اپنا بربط بجا رہی ہے
 ادھر یہ پھولوں کی انجمن میں، رسیلے نغمے سن رہے ہیں

زمانہ خاموش ہو چکا ہے ! خدا فی مد ہوش ہو گئی ہے
چمن کی خوشبوؤں سے لپٹ کر پرئی فطرت بھی سو گئی ہے

پر دیسی پنی کی یاد ! ایک بحرال نصیب بوی کی زبانی

خوشادہ دن کہ دل نا آشنائے لذتِ غم تھا !
مالِ عیش کی تلخی کا اندازہ ہمیں کم تھا !

خوشادہ دن کہ لطفِ عیش کے ہم بھول چنتے تھے
خوشادہ دن کہ یوں تکلیفِ غم سے سر نہ دھنتے تھے

سرتِ موجزن تھی ، باغِ عالم کی فضاؤں میں !
خوشی کے خواب رقصاں تھے محبت کی صداؤں میں !

صدا آتی تھی عشرت کی محبت کے ترالوں سے
فضائیں جاگ اٹھتی تھیں سرت کے فرالوں سے

مگر اب اُن کے جاتے ہی قیامت ہو گئی برپا
جس آفت کا تھا اندیشہ وہ آفت ہو گئی برپا

اسیرِ رنج ہوں ، محوالم ہوں ، نذرِ کلفت ہوں
میں اس دنیا میں اک افسانہ سوزِ محبت ہوں

کسی کا، بھرہے بتیا بیاں ہیں اور دل میرا
 یہ راتیں ہیں اور بے خوابیاں ہیں اور دل میرا
 دل غمگین میں ارمان مر جھلے ہوئے ہیں سب
 پری ہے سچ سوئی، ہار کھلائے ہوئے ہیں سب
 ان ہی ہاروں میں پنہاں ہیں مری الفت کے انسانی
 وصال و ہجر کے قصے، غم و راحت کے افسانے
 کبھی فرطِ مسترت سے یہ کلیاں سُکراتی تھیں
 اور ان کے سامنے اک نغمہ عشرت سناتی تھیں
 لگایا اس طرح اُجڑا ہے مستانہ سہاگ اُن کا
 جگر میں تیر بن کر چھتا ہے غمگین راگ اُن کا
 مرا کیا اس طرح ناشاد ہونا، ہی مقدر تھا
 الہی کیا مرا برباد ہونا ہی مقدر تھا
 یہ بھیگی رت، یہ مستانہ ہوا، برسات کا موسم
 بہاروں کا سماں، یہ رُس بھرے جذبات کا موسم

سُورِ وحیات

برابطہ کائنات پر نغمہ سرا ہے زندگی!
 داد می ہر و ماہ تک بال کشا ہے زندگی!
 مست نوا ہے زندگی
 جلوہ نما ہے زندگی

جس کی کچھ ابتدا نہیں جس کی کچھ انتہا نہیں!
 خواب گہ فضا میں وہ، موج صدا ہے زندگی
 موسم شعلہ باریں، دامن کشت زار میں
 بن کے لہو کا اضطراب ہمہ زما ہے زندگی
 جام ہیں مختلف تو ہوں، ان میں شراب ایک ہے
 ساز فنا میں مشترک، ایک صدا ہے زندگی
 رہ رو راہ ارتقا کے لئے اک مقام ہے
 لے کے عدم سے تا عدم ایک فضا ہے زندگی
 اُس کی ہوائے صبح پڑتیر رہی ہے کائنات
 طائر دہر کے لئے، ایک فضا ہے زندگی

جس کو کبھی فنا نہیں
 عکس صبا ہے زندگی
 سینہ کاشت کار میں
 نغمہ سرا ہے زندگی
 بادۂ ناب ایک ہے
 ایک نوا ہے زندگی
 راہزنِ خسرام ہے
 راہ نما ہے زندگی
 مست شرابِ حسیات
 ایک ہوا ہے زندگی

نارضا مندی کی شادی

بغیر مرضی کی شادی بھی کیا قیامت ہے

یہ عمر بھر کے لئے اک ہیبت لعنت ہے

ہے اس کا غم کدہ ہند میں رواج بہت

بغیر مانگے بلا کرتے ہیں یہ تاج بہت

یہ شادی وہ ہے جسے والدین کرتے ہیں

ادا سمجھ کے اسے فرض عین کرتے ہیں!

یہ کچھ ضرور نہیں جا نہیں راضی ہوں
 یہ شرط ہے کہ فقط والدین راضی ہوں
 کہو اب ان زن و شوہر کا حال کیا ہوگا!
 اس ازدواج کا آخر کمال کیا ہوگا؟
 تمام عمر رہیں الم ہوئی کہ نہیں!
 تمام زندگی اب صرف غم ہوئی کہ نہیں
 یہ نوشِ زہرِ شراب کوئی پیئے کہ مرے
 کوئی بتائے یہ معصوم اب جسے کہ مرے
 یہ شادی آہِ جہنم کا راج کہئے اسے
 سرِ عیشِ پے کانٹوں کا تاج کہئے اسے
 یہ شادی کیا ہے فقط تلخیوں کا مخزن ہے
 جواں دلوں کی جواں حسرتوں کا دفن ہے
 قدیم دورِ جہالت کا اک شعار ہے یہ
 کہ والدین کا ناجائز اختیار ہے یہ
 حسین آرزوؤں کا یہ ذبح خانہ ہے
 سرودِ درد کا اک دوزخِ ترانہ ہے
 جواں دلوں کو یہ شادی تباہ کرتی ہے
 شگفتہ ہونٹوں کو مصروفِ آہ کرتی ہے

سرورِ زہر ہے یہ نورِ تیرہ فام ہے یہ!

نشاطِ تلخ ہے عیشِ حرام ہے یہ!

گلوئے عیش میں اک لعنتوں کا ہار ہے یہ

سوادِ ہند میں شیطان کی یادگار ہے یہ

یہ یادہ وہ ہے کہ جس میں ملا ہوا ہے زہر

یہ شہد وہ ہے کہ جس میں چھپا ہوا ہے زہر

جوانِ روحوں کی خاموش قتل گاہ ہے یہ

خدا کے نام پہ سب سے بڑا گناہ ہے یہ

مکات

میکسم گورکی کے خیالات کا قلم بدواشتہ ترجمہ

وہ کون نغمہ ہے ساری دنیا کے نغمہ ہائے طرب سے شیریں

جو انجمِ آسمان و گل ہائے باغ کا عکس بن رہا ہے!

کوئی بتائے بھلا وہ کیسا ہے؟

زمانے کے اہلِ ذوق میں سے ہر ایک کا یہ خیال ہو گا

کہ وہ محبت ہے جس سے یہ خاکدانِ تیرہ چمکا رہا ہے

حریمِ ہستی ہلک رہا ہے

وہ چیز جو آفتابِ نہارِ اُردی بہشت سے بھی!
 ہزار درجہ زیادہ روشن ہے، خوبصورت، خوشنما ہے
 کوئی بتائے بھلا وہ کیا ہے؟
 فلک کے دامن میں میں نے دیکھے ہیں مسکراتے ہوئے متلے
 میں جانتا ہوں کہ چشمِ محبوب سائے پھولوں سے خوشنما ہے
 شراب گوں ہے بہارِ زہا ہے
 میں جانتا ہوں کہ اس کا اک ہلکا سا دل نشیں تہمت
 دل شکستہ کے حق میں کس درجہ مہر انگیز و ہرزا ہے
 شکوہ لب کا معجزہ ہے
 کرشمہ آرائی پائے احساسِ سن کے باوجود اب تک
 نہ کہہ سکا کوئی شاعر آخر وہ نغمہ دل پذیر کیا ہے؟
 جو سب سے دلکش ہے دلربا ہے
 مگر میں کہتا ہوں اب کہ وہ نغمہ — اور وہ دلگداز نغمہ
 جو ساری دنیا کے سائے رنگیں ترانوں کی اصل دابتا ہے
 جو قلبِ فطرت کا آئینہ ہے
 وہ نغمہ — وہ کائنات کا — کائنات کا سحر کا دل ہے
 وہ دل کہ جس کا جہان والوں نے پیار سے نام ماں رکھا ہے
 وہی محبت کی ابتدا ہے وہی محبت کی انتہا ہے

اُج کا خیال

گا کر بھرنے جاتے ہوئے شوہر کی یاد میں

سرِ شام، یوں کسی گہری فکر میں کوئی مستِ شباب ہے

کہ چین کی گود میں جیسے حورِ بہار مائلِ خواب ہے

ابھی نہر تک بھی نہ آئی تھی، کہ کسی خیال میں کھو گئی!

نہ تو خوفِ آمدِ شام اُسے ہے، نہ فکرِ مہِ نقاب ہے

یہ سینہ محوِ خیال ہے کہ کہیں حسینہ کی شکل میں!

کسی مستِ پھول کا جلوہ گرہ کوئی کھویا کھویا سا خواب ہے

اسے اپنے حسنِ شباب کے کسی دلولہ کی خبر نہیں

کہ نگاہِ مست کی گود میں کوئی اور مستِ شباب ہے

وہی جس کے وصل میں ایک دن اسے دو جہاں کی خبر نہ تھی

وہی جس کے ہجر میں آج یوں یہ امیرِ دایمِ عذاب ہے

وہی جس کی یاد نے یک بیک اسے بے قرار سا کر دیا

وہی اس کا اصلِ جمال ہے، وہی اس کا اصلِ شباب ہے

یہ اسی جمال کا رنگ ہے، یہ اسی شباب سے مست ہے

یہ اسی نشہ کی ترنگ ہے، یہ اسی شراب سے مست ہے

عورت

سانیت

فنون لطیفہ کی دنیا میں

کہیں وہ شعر کے پردے میں چھپ کر مسکراتی ہے
 مصوٰر کی نظر میں اُس کی تصویریں پریشاں ہیں
 ادب کی محفلوں میں اُس کی تنویریں پریشاں ہیں
 معنی کی صدا میں نغمہ بن کر جھملا تی ہے
 نقاب ساز میں آہنگ ہو کر تھر تھراتی ہے
 نقشِ آبِ گل میں اس کی تعمیریں پریشاں ہیں
 صنم سازوں کے دل میں اس کی تفسیریں پریشاں ہیں
 صریم رنگِ دبو میں نشہ بن کر لہلہاتی ہے
 ہر اک تصویر کے رنگوں میں نگہت اس کی آوازیں
 حسین اور خوشنما اشعار شاو اباس کے نغموں سے
 ہمارے بریلوں کے تار بخواب اس کے نغموں سے
 بتوں کے مرمیوں پر دوں میں رنگت اس کی آواز
 غرض جب تک یہ دنیا ہو اور اس کی خوشنما فی ہے
 ہماری زندگی پر صرف عورت کی خدائی ہے

مدرسے کی لڑکیوں کی دُعا !

بچیوں کے لئے

یارب یہی دُعا ہے تجھ سے سدا ہماری
 ہمت بڑھا ہماری، قسمت بنا ہماری
 تعلیم میں کچھ ایسی، ہم سب کریں ترقی
 غیروں کی انتہا بھی، ہو ابستہ ہماری
 نفرت بُرائی سے ہو، اُلفت بھلائی سے ہو
 رغبت صفائی سے ہو، یہ دُعا ہماری
 کہنا بڑوں کا مانیں، اچھا بڑوں کو مانیں
 سب اپنے جی میں ٹھانیں، یہ ہے رضا ہماری
 تیرے کرم کا سایہ، ہر دم ہو سر پہ چھایا
 تیری مدد و خدایا، ہو رہنما ہماری
 ہر علم کے خزانے، پائیں نئے پرانے
 اس طرح سے ٹھکانے، محنت لگا ہماری
 پڑھ لکھ کے نام پائیں، کچھ کام کر دکھائیں
 تیرے حضور میں ہے، یہ انتخاب ہماری

ساون کی گھٹا

بچیوں کے لئے

مسکراتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
گیت کوئل کے سپیہوں کی صدا، مور کا شور
سجی لبھاتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
گنگنا تی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
لہلہاتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
لہلہاتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
مُسنہ دھوتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
مُسنہ دھوتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
موج نہکت سے خدائی جہک اٹھی خستہ
پھول اڑاتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی

جھولا

بچیوں کے لئے

آیا ساون کا مہینہ نہ نظر آیا جھولا
دل کو بھایا، مری آنکھوں میں سمایا جھولا
سال بھرہ کے بہشتوں کی فضا میں ہماں
ابر کی گود میں بیٹھا ہوا آیا جھولا

چولی دامن کا سہے ساتھ گھٹنا کا اس کا
 اس طرف آئی گھٹنا، اس طرف آیا جھولا
 رُت ہی جھولے کی نہ کیوں آج خدائی جھولے
 ننھی کلیوں کو ہواؤں نے جھلایا جھولا
 پینگ بڑھنے لگی، آنچل کو گھٹنا کے چھونے
 باغ میں سکھوں نے اس طرح جھلایا جھولا
 جھومتی آتی ہیں ستانہ گھٹائیں کیسی !
 ڈھونڈ کر ہے انہیں کس دلیس سے لایا جھولا
 گیت سن سن کے گھٹائیں بھی بہک اٹھی ہیں
 مل کے سکھوں نے کچھ اس دھوم سے گایا جھولا
 پھول ہلتے ہیں ادھر شاخ پچکتی ہے ادھر
 یا بہاروں کو ہے قدرت نے جھولا جھولا
 دور پر دلیس میں ہم کیس کو جھلاییں خستہ
 حسرت و یاس کا پیغام ہے لایا جھولا



باغوں کی بہاریں

بچوں کے لئے

گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں برہکھا کی ہوائیں آرہی ہیں
 پودوں کو صبا ہلا رہی ہے پھولوں پہ بہار آرہی ہے
 باغوں کی بہار کوئی دیکھے پھولوں کا سنگھار کوئی دیکھے
 جھونکا جو صبا کا آ رہا ہے سبزہ کیا لہلہا رہا ہے
 پھولوں میں لسی ہوئی فصل ہے خوشبو سے لدی ہوئی ہوا ہے
 پودے ہوں کہ پتے چل گئے ہیں اور پتوں کے منہ بھی کھل گئے ہیں
 چڑیاں خوش ہیں چہک رہی ہیں کلیاں کیسی تہک رہی ہیں
 باغوں میں بہار آرہی ہے ہر شے پہ خوشی سی چھا رہی ہے
 نہروں میں بھی آگئی روانی برسات کی رت ہے کیا سہانی
 خاموش ہوائیں جاگ اٹھیں دروں کی صدائیں جاگ اٹھیں
 کوئل کی بھی آرہی ہے آواز کل باغ یہ چھا رہی ہے آواز
 بھرنے نے اپنا فسانہ چھیڑا بھینگر نے ترانہ اپنا چھیڑا

باغوں میں ہوا پکارا آئی !

ہنس دو کلیو ! بہار آئی !

ایک لڑکے کا گیت

بچوں کے لئے

جہاں چڑیاں گھنیری جھاڑیوں میں چھپاتی ہوں!
 جہاں شاخوں پہ کلیاں نت نئی خوشبو لٹاتی ہوں!
 اور ان پر کونلیں کوکو کے میٹھے گیت گاتی ہوں!

وہاں میں ہوں، مری، بھولسیاں ہوں اور جھولا ہوں

جہاں برسات کے موسم میں سبزہ لہلہاتا ہو
 ہوا کی پھیڑ سے ایک ایک پتہ تھر تھراتا ہو
 جہاں چشموں کا پانی زرم لے میں گنگناتا ہو

وہاں میں ہوں، مری، بھولسیاں ہوں اور جھولا ہوں

جہاں اونچے پہاڑوں پر گھٹائیں گھر کے آتی ہوں
 ہوا کی گود میں نیلم کی پیریاں سکراتی ہوں
 اور اپنے نیلگوں ہونٹوں سے موتی سے لٹاتی ہوں

وہاں میں ہوں، مری، بھولسیاں ہوں اور جھولا ہوں

جہاں نہروں میں بہنا پانی موتی سا چھلکتا ہو
 جہاں چاروں طرف گلزار میں سبزہ لہکتا ہو

جہاں پھولوں کی خوشبوؤں سے بن کا بن مہکتا ہو
 وہاں میں ہوں، مری ہجولیاں ہوں اور جھولا ہو
 جہاں پھولوں کی خوشبوؤں سے بن کا بن مہکتا ہو
 جہاں باغوں میں اور کھیتوں میں ہر یاد دل بہکتا ہو
 جہاں ٹیسو کے اک اک پھول میں شعلہ دہکتا ہو
 وہاں میں ہوں، مری ہجولیاں ہوں اور جھولا ہو
 جہاں آموں کے ہوں باغ اور کوئی رکھوالا نہ ہو ہرگز
 کوئی کٹا بھی مائی نے جہاں پالانہ ہو ہرگز
 اور اماں جی سا کوئی دیکھنے والا نہ ہو ہرگز
 وہاں میں ہوں، مری ہجولیاں ہوں اور جھولا ہو
 الہی! میرے دل کی آرزو جلدی سے پوری ہو!
 وہاں لے چل جہاں اس فصل میں جانا ضروری ہو!
 مری ہو، شملہ ہو، سولن ہو، ڈلہوڑی، مسوری ہو!
 وہاں میں ہوں مری، ہجولیاں ہوں اور جھولا ہو

نورِ جہاں

خدائی نیند میں سرشار ہے، برکھا کا موسم ہے
 زمین شہدرہ پر ہر طرف کھویا سا عالم ہے

افق پر منتشر ہتھاب کی سرشار لہریں ہیں!
 فضا کے دامنوں میں موجزن چاندی کی لہریں ہیں
 ردائے آسماں میں ننھے تارے جھللاتے ہیں
 کہ سحر نیل میں گلہائے زریں کھلکھاتے ہیں
 غبارِ مرمریں سا اڑ رہا ہے صحنِ ہستی سے
 ہوا کی پیالیاں لبریز ہیں پھولوں کی مستی سے
 چراغاں ہو رہا ہے چاند کے نیلے شبستاں میں
 کہ پریوں نے کہیں موتی بکھیرے ہیں پرستاں میں
 چمن کی ہر کلی سے نور کی مستی چھلکتی ہے
 درودِ یوار سے ہتھاب کی شوخی جھلکتی ہے
 رسیلی بو کی موجیں اڑ رہی ہیں سرودِ موسیٰ پر
 نشہ کا سا سماں چھایا ہوا ہے سارے گلشن پر
 پرندے سوچکے ہیں جا کے اپنے آشیانوں میں
 بھیا نکسنسی سی چھار ہی ہے گلستانوں میں
 خموشی کا سماں، اک ہو کا عالم ہے زلزلے پر
 سکوں طاری ہے قدرت کے انوکھے کارخانے پر
 نہا کر آئی ہیں اندر کی پریاں عطر کے جل میں
 نشے کی موجیں اڑتی پھرتی ہیں سنان جنگل میں

سکون شب کے ہیں ٹھہری ہوئی پانی کی نہریں بھی
 کہیں گہرائیوں میں سوچکی ہیں جا کے لہریں بھی
 رو پہلی رات پر طاری ہے اندوہِ حسیں کوئی
 کہ گہری فکر میں لیٹی ہوئی ہے جسبیں کوئی
 زمین دچرخ نے چپ سادھ لی ہم صدا چپے
 ادھر اُجلی فضا چپے، ادھر ٹھنڈی فضا چپے ہے
 یہ بھیگی رات، یہ مستانِ رُت، یہ نور کا عالم!
 زمرد نامِ نخلستان پہ برقِ طور کا عالم!
 ہوا سے ننھی کر نیں کھیلتی ہیں شاخساروں پر
 کہ کچھ چینی کی گڑیاں جھولتی ہیں سبز تاروں پر
 اسی سنانِ نخلستان میں اک اُجڑی عمارت ہے
 جہاں دفن اک شہنشاہِ گرامی کی محبت ہے
 یہاں وہ یا نوحیِ عفت نشان سوتی ہے تربت میں
 کٹی تھی جس کی ساری عمر آغوشِ حکومت میں!
 ادبِ بے دل ادب کر باروضہ نور جہاں ہے یہ
 مقدس خواب گاہِ ملکہِ ہندوستان ہے یہ

بعض تاریخی تصورات

کوئی زائر جب اُس کے مرقدِ انور پہ جاتا ہے
 تو اس کو سب سے پہلے وہ زمانہ یاد آتا ہے
 جب اُس کا باپ نکلا تھا وطن سے بیوطن ہو کر
 چلا تھا پھول صحرا کی طرف زیبِ بہمن ہو کر
 نکل کر ملک سے اپنے وہ جب تندھارت تک پہنچا
 لئے بیگم کو ساتھ اک وادہی پُر خارت تک پہنچا
 تو اس ہیبتِ فزا جنگل میں اک دختر ہوئی پیدا
 نر کی گود سے اک زہرہ انور ہوئی پیدا
 مگر ماں باپ پر قسمت نے ایسا وقت ڈالا تھا
 کہ دل میں درد تھا، آنکھوں میں آنسو لپٹ نالہ تھا
 پریشانی کے بادل چھا رہے تھے ان کی قسمت پر
 غم و حسرت کے دریا موجزن تھے ان کی حالت پر
 نہ سو جھی جب کوئی تندہ بے راہیں اُس کی حفاظت کی
 تو رکھ لی ہار کی چھاتی پہل دونوں نے فرقت کی
 لٹا کر چل دیئے آخرت سے سبزہ کے بستر پر
 تاسے رو رہے تھے خون اس نگینِ منظر پر

کہ یوں لختِ جگر کو چھوڑ کر جاتا نہیں کوئی!

ذرا سی جان کو بے دودھ تڑپاتا نہیں کوئی!

وہ دختر کون تھی؟ اے ملکہ نورِ جہاں تو تھی!

وہ بے کس کون تھی؟ اے بانوِ رے ہندوستان تو تھی!

مگر تقدیر کے آگے کسی کی چل نہیں سکتی

مستِ مٹ نہیں سکتی! مصیبتِ تل نہیں سکتی

یکایک رحمتِ خلاقِ باری جوش میں آئی

دلِ قدرت میں بندوں کی محبت ہوش میں آئی

صدائیں کرتے رونے کی اک سردار آ پہنچا

عقب سے قافلہ کا قافلہ سالار آ پہنچا

محبت سے وہ ہاتھوں پر اٹھا کر لے گیا تجھ کو

تو گویا مچلی تھی، وہ جلا کر لے گیا تجھ کو

تری معصوم قسمت نے بھی کی پھر یادری تیری

ہوئی تفویض تیری ماں کو ہی دایہ گری تیری

غرض تو پرورش پانے لگی قصرِ حکومت میں

بسر ہونے لگی طفلی تری دامانِ راحت میں

یونہی آ پہنچی جب طفلی تیری حدِ جوانی میں

شباب اک موج بن کر اٹھا بھر زندگانی میں

تو شادی کر دی شاہنشاہ نے تیری شیرانگن سے
 خوشی کا غلغلہ اٹھا نوا سنجان گلشن سے
 مگر کچھ دن میں لایا رنگ یہ چرخ کہن آخر
 کہ فارت ہو گئی تیری خوشی کی انجمن خسر
 زمانے نے لباسِ بیوگی پہنا دیا تجھ کو
 مسرت زار سے غم خانہ میں پہنچا دیا تجھ کو
 نگاہوں سے تصور اک نیا پردہ اٹھاتا ہے!
 تجھے ملکہ بنا کر قصر شاہی میں بلاتا ہے!
 جہانگیر اک طرف مصروف ہے صہبا پرستی میں
 لگائے ساغرِ لب کے، ہے سرشارِ ستی میں
 ادھر مشغول ہے تو انتظامِ ملک و دولت میں
 امورِ سلطنت میں، اور مہماتِ سیاست میں
 حکومت کر رہی ہے عقل و دانش کے سہارے پر
 مدبرِ ناچتے ہیں تیرے اک ادنیٰ اشارے پر
 کچھ اس انداز سے چھیڑا حکومت کے ترانے کو
 شہنشاہ کی ضرورت ہی نہیں گویا زمانے کو
 یہ نیزنگِ تصور ہے کہ اک خواب پریشاں ہے
 فضائے شہرہ میں جیسے تواب بھی خراماں ہے

جلو میں تیری کم سن لڑکیاں زہرہ شمال ہیں!
 زمیں کو آنکھوں آنکھوں میں الٹ دینے پائل ہیں
 یہ پریاں ہیں جو بہر سیر نکلی ہیں گلستاں سے
 کہ کچھ حواریں اتر کر آگئی ہیں باغ رضواں سے
 بلا کی شوخیاں ہیں ان پر یوش ناز نینوں میں
 کسی نے بجلیاں بھر دی ہیں گویا آبلینوں میں
 یکم سن حسن کی چڑیاں گن ہیں رنگے لیوں میں
 کہ تیرے سحر لب سے پڑ گئی ہے جان کلیوں میں
 بہار آئی فضا میں گونجتے ہیں قہقہے اُن کے
 خمار آگئیں ہوا میں اڑ رہے ہیں چھپے ان کے
 کبھی یہ کھیلتی ہیں آ کے راوی کے کناروں پر
 کبھی یہ لوٹتی ہیں بے خودی میں سبزہ زاروں پر
 زمیں پر ہے شراب حسن کا طوفان سا برپا
 فضا میں ہے بہار ناز کا ہیمان سا برپا
 برس جاتی ہیں نیکھڑیاں دہ جس دم بات کرتی ہیں
 لبوں کی سُرخ تپنچی سے ہزاروں گل کترتی ہیں
 دو لعل آبدار و صد ہزاراں گل فشاں نہا!
 دو چشم کیف بار و صد ہزاراں گل چکانہا

قصورِ اس تماشا ز ایں جی بھر کے رونے دے
 مجھے اک اک کرن کی نار میں موتی پر رونے دے
 یکایک دیکھتے ہی دیکھتے منظر بدلتا ہے
 نیا عالم نکلنے پر نیا عالم نکلتا ہے
 ادھر تو اور جہاں گیر اک طرف خاموش نیٹھے ہیں
 شرابِ عشق سے سرشار اور مدہوش نیٹھے ہیں
 ترے ہاتھوں میں اک زرین جام نور افشاں ہے
 کہ آغوشِ سحر میں ایک غور شید درخشاں ہے
 کبھی تو بھر کے ساغر اپنے ہاتھوں سے پلاتی ہے
 کبھی حالتِ پیہ اس کی دل ہی دل میں سکراتی ہے
 دلِ میکش میں اب ارماں کوئی باقی نہیں ہوگا!
 کہ جنت میں بھی تجھ سا ناز میں ساقی نہیں ہوگا
 کبھی مدہوش سلطان دیکھتا ہے پیار سے تجھ کو
 نگاہِ حسرت آلود و تمنّا بار سے تجھ کو
 عبث دنیا میں کیوں بدنام اس کی مے پرستی ہے
 شہنشاہِ جس سے ہے مخمور وہ کچھ اورستی ہے
 وہستی کیا ہے پیرے ویدہ میگوں کی سرشاری
 یہیں سے ملتی رہتی تھی اسے تعلیم مے خواری

تخیل اس نظر آباد میں کر دٹ جولیتا ہے
تصور ہاتھ سے ماضی کا دامن پھوڑ دیتا ہے

تو میں ہوتا ہوں تنہا اور تیری قبر ہوتی ہے

دل غم آشتیاں کو جستجوئے صبر ہوتی ہے

اسی حالت میں اپنی آنکھ سے موتی لٹاتا ہوں

تیری سرکار میں کچھ دکھ بھرے نغمے سناتا ہوں

کہ تیرے غم میں ہیں ٹھنڈی ہوائیں مقرر اب تک

تیری فرقت میں ہیں باغوں کے لائے اغدار اب تک

یہاں کی ہر کلی، ہر پھول اک تصویر ہے تیری

تو ہے اک خواب اور یہ گل زمیں تعمیر ہے تیری

تیری راتیں ابھی تک سو رہی ہیں سبزہ زاروں میں

تیری باتیں ابھی تک گونجتی ہیں جو باروں میں

جو خوشبو کھلتی رہتی تھی اک دن تیری کاکلی سے

وہی اب پھلکی پڑتی ہے یہاں کے لالہ و گل سے

چمن بکھرا ہوا اک خواب تیری زندگانی کا!

کلی بگڑا ہوا اک نقش تیری نوجوانی کا

ادیبوں کی زباں پر آج تک تیرے فسانے ہیں

لب شاعر پہ اب تک تیری عظمت کے ترانے ہیں

ترمی موزونی طبع خدا داد ایسی حالت تھی!

جسے سن سن کے خود بخیل فطرت کو بھی حیرت تھی

نہیں دیکھا کبھی تاریخ ہستی نے خدائی میں

کہ شوہر کی جگہ بیوی نے لی فرمانروائی میں

ترمی تھیں سار داری کرتی تھی بیمار کو اچھا

مریضِ عشق اُس شاہنشاہِ مے خوار کو اچھا

دلیروں کی دلیری تیرے آگے سر دھوتی تھی!

ترمی تلو اسے شیروں کی شیری گرد دھوتی تھی!

ترے دیدار کا بے منظر وں میں اضطرابِ ابتک

زمین کا ذرہ ذرہ دیکھتا ہے تیرے خوابِ اب تک

ترمی خوشبو دھکتی ہے ابھی تک غنچہ زاروں میں

ترے نغمے مچلتے ہیں ابھی تک آبشاروں میں

غنمستانِ جہاں میں تو جھٹم اک تبستم بھی

سکوتِ آبادِ ہستی میں سراپا اک ترنم تھی

ترے جلوے ہیں وجہ زمینتِ رنگِ لہرِ اب تک

غبارِ قہرِ سرِ رونقِ ذوقِ منظرِ اب تک

نوازِ جہاں میں تو دامنِ کاسا ساز تھی گویا

کہ سازِ عشق کی اک حسانِ آواز تھی گویا

سپہرِ حکمرانی کا تجھے ماہِ مہسین کہئے
 حکومت کی جہاں افروزِ خاتم کا نگین کہئے
 دلِ غم دیدہ کے حق میں تو اک سازِ مسرت تھی
 جہانگیر ابنِ اکبر کا تو اک خوابِ محبت تھی
 تری نہکت سے پتہ پتہ جنگل کا لہکتا تھا
 تری خوشبود سے قطرہ قطرہ راوی کا بہکتا تھا
 تجھے باغِ حرم کی بلبلی رنگیں نوا کہئے
 تجھے فطرت کی اک محبوبہ شیریں اد کہئے
 بہارِ آفرینش تھی شبابِ زندگانی تھی!
 جواں فطرت کا اک کھویا ہوا خوابِ بوانی تھی
 توجہِ عاشقی! کانِ وقا! شانِ حکومت تھی!
 تری سب سے بڑی توصیف یہ ہو ایک عورت تھی
 زمانہ جا بختا رہتا ہے سچے آشناؤں کو
 ہمیشہ یاد رکھے گا تری خالص وفاؤں کو
 ہوئی مرکز بھی خوابِ یہ تو شوہر ہی کے پہلو میں
 جگہ پانی جہانگیر ابنِ اکبر ہی کے پہلو میں
 چمن میں بلبلیں برسات میں جب گیت گاتی ہیں
 سینانِ چمن کو رس بھرے نغمے سناتی ہیں

ہزاروں پھول کھلتے ہیں جس دم لالہ زاروں میں
جب آجاتی ہے بارش سے روانی جو باروں میں

سپہر نیلیگوں پر جب ستارے جگمگاتے ہیں
کسان اپنے گھروں کو لوٹ کر کھیتوں سے آتے ہیں

میر شام اک خموشی ہوتی ہے طاری مکانوں میں
پرندے جاگے سو جاتے ہیں جس دم اشیائوں میں

سحر کو جب ہزاروں ننھی چڑیاں چھپاتی ہیں
ہوا کی پھیٹ سے منہ بند کلیاں سکراتی ہیں

غرض دنیا میں اک اک رسم جس دم رنگ لاتا ہے!
زمین شہد رہ تیرے لئے آنسو بہاتی ہے!

وادی گنگا میں ایک رات

کرتے ہیں مسافر کو محبت سے اشارے
اے وادی گنگا تیرے شاداب منظر اے
یہ بکھرے ہوئے پھول یہ نکھرے ہوئے دھارے
خوشبو سے مہکتے ہوئے دریا کے کنارے

یہ چاندنی رات ، اور یہ پُر خواب فضا میں!

اک موج طرب کی طرح بے تاب فضا میں
سبزے کا، ہجوم اور یہ شاداب فضا میں
جھکے ہوئے منظر تھے ہیں، جھکے ہوئے تارے

یہ تارے ہیں یا نور کے مینخانے ہیں آباد
معصوم وحشیوں حوروں کے کاشانے ہیں آباد
مستانہ ہواؤں پہ پر سیا خانے ہیں آباد
یاد امن افلاک میں بے تاب شراے

ہت تاب ہے، یا نور کی خواہیدہ پر سیا ہے
الماس کی مورت ہے کہ مندر میں بھری ہے
مرمر کی صراحی نے سیمیں سے بھری ہے
اور تیرتی ہے نیل کی موجوں کے پہاڑے

نیندوں میں ہیں کھوئی ہوئی بیدار ہوائیں
گلزار ہیں گل رہنے، گہرا بار ہوائیں
ہیں نور میں ڈوبی ہوئی سرشار ہوائیں
یابل نشان ستی نکہت کے منظرے

صحرا میں کہ خواہیدہ منظاروں کے شبستاں
 دامن میں لئے چاند ستاروں کے شبستاں
 فردوس کی پرکیف بہاروں کے شبستاں
 شاعر کو تمنا ہے یہیں رات گزارے

شبِ برات !

لئے، ہجومِ تجبلی شبِ برات آئی
 ہزار ماہِ فدا جس پہ ہوں وہ رات آئی
 یہ رات آئی کہ آیا سعاد توں کا، ہجوم
 کہ بامِ عرش سے موجِ تجلیات آئی
 عروجِ بخت کا مژدہ ہوا ہل ایماں کو
 کہ آج دولتِ کونین اُن کے ہات آئی
 زمیں سے چرخِ تلک نورِ قدس رقصاں ہے
 وہ رات جس کو کہیں شمعِ کائنات آئی
 بجا ہے گردِ دل اخترِ ہلاکِ سجدہ ہو !
 کہ آج سجدہ گہ روحِ شمشِ جہات آئی !



ایک سہیلی کی یاد!

سُسرال میں

گھر کے دھندوں سے ذرا فرصت اگر پاتی ہوں میں
 ابھی حسن آرا ترے خوابوں میں کھو جاتی ہوں میں
 اس نئی دنیا میں جس دم، یاد آ جاتی ہے تو!
 دو گھڑی کو اور سب کچھ بھول سی جاتی ہوں میں
 جب نہیں ہوتا تصور میں کوئی آ کر خنسل
 بے خودی میں دوڑ کر تجھ سے لپٹ جاتی ہوں میں
 آنکھ میں پھر جاتے ہیں بچپن کے وہ میٹھے سہمے
 اور ان کے دل نشیں جلوؤں میں کھو جاتی ہوں میں
 وہ رشتہ، خالہ اور مادقتہ کی صحبتیں
 آج جن کے دیکھنے کو بھی ترس جاتی ہوں میں
 اور ہاں لو، کیسی بھولی ہوں مری نہ ہرہ بتول
 جس کی شوخی یاد کر کے اب تڑپ جاتی ہوں میں
 جب کہ ہم سب ساتھ مل کر کھیلتے تھے کوئی کھیل!
 خواب میں بھی جس کا نقشہ اب نہیں پاتی ہوں میں

یاد آتا ہے وہ جانا سوئے کتب ساتھ ساتھ

اک خوشی سی دل میں اب بھی موجزن پاتی ہوں میں

الغرض تنہائی میں جب یاد آ جاتی ہو تم !

پھر سے اس بچپن کی دنیا میں پہنچ جاتی ہوں میں

تُو نے لکین بے مروت خط تلک بھیجا نہیں

جب خیال آتا ہے دیوانی سی ہو جاتی ہوں میں

روز کہتی ہوں کہ اب آتا ہے حسن آرا کا خط

روز لیکن نا اُمید ری کی خبر پاتی ہوں میں

نوج کوئی اپنے دل کو اس طرح پتھر بنائے !

جس میں اک ذرہ بھی نرمی کا نہیں پاتی ہوں میں

تجھ سے ایسی بے وفائی کی کسے اُمید تھی !

آسماں کو دیکھ کر خاموش رہ جاتی ہوں میں

سائندوں سے چپا کر دیکھتی ہوں ڈاک جب

اور اُس میں کوئی خط تیسرا نہیں پاتی ہوں میں

آنکھ میں آنسو بھرتے ہیں فوراً کس سے

گرچہ اُن کو آنکھوں ہی آنکھوں میں پی جاتی ہوں میں

جمع ہو جاتی ہیں جس دم چارٹنے والیاں

تیری فرقت کے اثر سے بت سی بت جاتی ہوں میں

کھانا بھاتا ہے نہ پینا جب سے تجھ سے دور ہوں
 خونِ دل پیتی ہوں میں، لختِ جگر کھاتی ہوں میں
 دیکھتی ہوں لڑکیوں کو جس دم اُنھتے بیٹھتے !
 تیری فرقت کے اٹھ سے بت سی بن جاتی ہوں میں
 زہر لگتا ہے مجھے اوروں کا ہنسنا بولنا !
 جب سے تیرے غم میں دل کو مبتلا پاتی ہوں میں
 میں نہ سمجھی تھی تجھے، تو اس قدر بے در رہے
 اچھی اب تو اپنے جینے سے بھی گھبراتی ہوں میں
 جانتی ہوں تیرا پیارا خط نہ آئے گا کبھی
 ہائے اس نادانِ دل کو پھر بھی سمجھاتی ہوں میں
 روز کے صدموں سے تنگ آ کر بھلا تو دوں تجھے !
 لیکن اپنے دل پہ کچھ تباہ نہیں پاتی ہوں میں
 فرطِ غم سے سوکھ کر آنسو کہاں سے لائیں گی !
 آہ ! اب تو اپنی آنکھوں سے بھی شرماتی ہوں میں
 تیری فرقت میں کسی پہلو نہیں آتا ہے چین !
 گرچہ اس کم بختِ دل کو لاکھ سمجھاتی ہوں میں
 اور کچھ کہتی نہیں عزرا یہ تبارے فقط !
 اچھی حسن آرا کبھی تجھ کو بھی یاد آتی ہوں میں

پنہاریاں

گیت

پنگھٹ پر پنیا بھرن کو آئی ————— پنہاری! —————
پنگھٹ پر!

روپ انوکھا سچ دھج نیاری مد بھری انکھیاں ہیں متواری
سُدر مورت پیاری پیاری

پنگھٹ پر پنیا بھرن کو آئی ————— پنہاری! —————
گورے گورے ہات بھیلے کلے کلے نین نشیلے
میٹھے میٹھے ہونٹ رکیلے

پنگھٹ پر پنیا بھرن کو آئی ————— پنہاری! —————
چاند سا مکھڑا، بالی عمریا! دیکھنے والے بھولیں ڈگیا
ناجک کندھا، بھاری گگریا

پنگھٹ پر پنیا بھرن کو آئی ————— پنہاری! —————
پنگھٹ پر!



انجرام، مستی

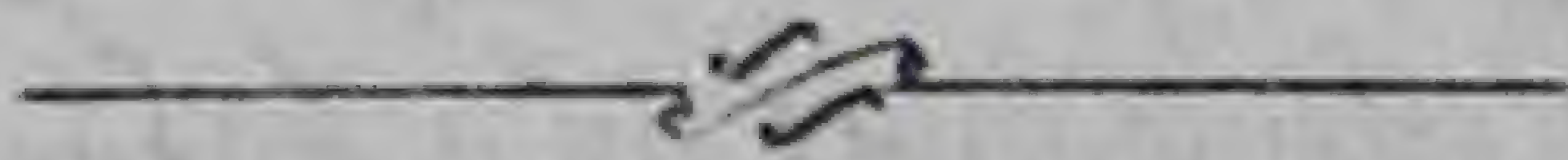
بہشت زار نظر اک حسین منظر ہے
 اور اس کی گود میں اک حورِ ماہِ پیکر ہے
 بہارِ شام کا اک ستقل منظر ہے
 سپہرِ حسن کا ٹوٹا ہوا ستارہ ہے
 غرض وہ کچھ بھی ہے اک نوجوان عورت ہے
 کمالِ صنعت و فطرت کی جان عورت ہے
 وہ اس طرب کدے میں سیر کرنے آئی تھی
 بہارِ گل کی کشش، گھر سے کھینچ لائی تھی !
 نگاہیں کر رہی تھیں جذبِ کیفِ منظر کو !
 کہ اُس نے دیکھ لیا ایک کاسرے سر کو
 جھجک کے رہ گئی نیرنگ آرزو ہو کر !
 ٹٹنک کے رہ گئی آہنگِ جستجو ہو کر !
 ادب کھڑی ہوئی نصرت سے دیکھتی ہو اُسے
 عجیب دیدہٴ عبرت سے دیکھتی ہے اُسے
 ادھر ہوا سے نوازیر شور کرتی ہے !
 ادھر وہ دل میں کچھ اس طرح غور کرتی ہے

کہ ”یہ نہ جانے کس انسان کا کاسہ سر ہے
 الہی کس قدر اندوہناک منظر ہے!
 پڑا ہے خاک پر نام و نشان کچھ بھی نہیں
 عزیز، دوست، مکان، جسم جاں کچھ بھی نہیں
 شباب و سن یہ ہوگا کبھی غرور اسے
 شراب و عیش کا ہوگا کبھی سرور اسے
 کبھی ہماری طرح یہ بھی ناز نہیں ہوگا!
 حسین ہوگا اور اتنا کہ مہم جو ہیں ہوگا
 چلتا ہوگا انہی گالوں پر شباب کبھی
 اُبلتی ہوگی انہی آنکھوں میں شراب کبھی
 لکڑا ب اس میں وہ پہلی سی کوئی بات نہیں
 جہاں میں آہ! کسی چپے زکو ثبات نہیں
 نصیب تھے کبھی زرین پیرہن اس کو
 ملا نہ بعد فنا ایک گز کفن اس کو
 ستم نصیب کا کوئی مزار بھی تو نہیں!
 مٹا ہے اتنا کہ باقی غبار بھی تو نہیں
 مرا بھی ایک دن ایسا ہی حال ہونا ہے
 مجھے بھی اس کی طرح پائمال ہونا ہے

یہ جسم جس میں شباب آج لہلہاتا ہے
 یہ جسم جس کو عجب آج گدگداتا ہے
 یہ آنکھیں جن میں جوان ستیاں جھلکتی ہیں
 یہ ہونٹ جن میں شرابیں پڑی چمکتی ہیں
 یہ حسن آج جو اس طرح جگمگاتا ہے !
 جو ساری بستی میں اک آگ سی لگاتا ہے
 لباس جس سے یہ گل وادیاں بہک جائیں
 یہ بال جن سے گل آبادیاں بہک جائیں
 خدا ہی جانے کہ کل ان کا حال کیا ہوگا ؟
 مجھے خبر نہیں میرا مال کیا ہوگا ؟
 جفاے مرگ سے محفوظ اگر خدا کر دے
 مجھے فنا گہ ہستی میں لا فنا کر دے
 وہ جُشن بخش دے جس کو کبھی زوال نہ ہو
 وہ جسم بخش دے جس کا کبھی یہ حال نہ ہو
 مگر محال ہے یہ آرزو زمانے میں
 فقط فنا ہی کی باتیں ہیں اس فیضان میں
 کہاں نہیں ہے فنا ، ہاں کہاں نہیں ملتی
 کسی کو زندگی حسبِ اوداں نہیں ملتی

زمانہ کیا ہے تخیل کا کارخانہ ہے
 مصوّرانِ فنا کا نگار خانہ ہے
 متضاد خانہ افکارِ اوج و پستی ہے
 شہود زارِ طلسماتِ مرگ و ہستی ہے
 یہ وہ گھر وندا ہے جس کو کبھی قیام نہیں
 یہ وہ کھلونا ہے جس کو کبھی دوام نہیں
 غم و گل سے بھی ناپا ئدا رہے دنیا!
 طلسم خانہ برق و شرار ہے دنیا!
 قیام و ہر کی حالت حباب کی سی ہے!
 ہماری زندگی اک مست خواب کی سی ہے
 یہاں کے رنج، یہاں کی مسرتیں فانی!
 یہاں کے حسن، یہاں کی محبتیں فانی!
 یہ وادی و دمن و کوہسار کے منظر!
 یہ سبزہ و چمن و جوبہار کے منظر!
 یہ دل فریب سے مٹنے کے قریب ہیں سب
 یہ جاں فروش مناظرِ فنا نصیب ہیں سب
 یہ سرخ و زردائے موسم بہار کے پھول
 یہ لالہ زار کے پھول اور بنفشہ زار کے پھول

یہ زندگی کے صحیفے بکھرنے والے ہیں
 یہ جتنے زندہ ہیں اک روز مرنے والے ہیں
 جہاں کے رنج و تعب راحتِ طب فانی
 فقط خدا کو بتا! اور باقی سب فانی
 فنا کے راز کی دنیا کو کچھ خبر ہی نہیں
 یہ شام وہ ہے کہ جس کی کوئی سحر ہی نہیں
 فنا اک آئینہٴ شور زار ہستی ہے
 یہ وہ سکون ہے جو پر وہ دائرہ ہستی ہے
 شکستِ زمزمہ ساز زندگی گانی ہے
 کتابِ عمر کی اک آخری کہانی ہے
 یہ وہ شراب ہے جس کا کوئی بخمار نہیں
 یہ نشہ وہ ہے کہ جس کا کوئی اتار نہیں
 اجل کے ہات میں انسان اک کھلونا ہی!
 جسے کسی نہ کسی دن تباہ ہونا ہی!



دیکھ اے کنول کے پھول

دیکھ اے کنول کے پھول مرے نور دیدہ کو میرے بہشت دل کے گلِ نور سیدہ کو
 اس پیکر بہار کو! دیکھ اے کنول کے پھول! دیکھ اے کنول کے پھول!
 دیکھ اے کنول کے پھول مرے مہ جمال کو میرے ریاضِ عمر کے رنگیں نہال کو
 اس پیکر بہار کو! دیکھ اے کنول کے پھول! دیکھ اے کنول کے پھول!
 تجھ میں یہ رنگِ حسن کی گلکاریاں کہاں جو اس میں ہیں وہ تجھ میں سمن باریاں کہاں
 ہاں! میرے گلزار کو! دیکھ اے کنول کے پھول! دیکھ اے کنول کے پھول!
 معصومیت کے عرش کا یہ اک فرشتہ ہے سرتابِ جہاںِ محبت سرشتہ ہے
 اس ماہِ درکنار کو! دیکھ اے کنول کے پھول! دیکھ اے کنول کے پھول!
 شامِ بہارِ سمن کارِ روشن ستارہ ہے باغِ اُمید کا گلِ رنگیں نظارہ ہے
 اس حسن پر بہار کو! دیکھ اے کنول کے پھول! دیکھ اے کنول کے پھول!
 اے پھول تجھ میں اس کی سی بو باس ہو کہاں؟ بتلا تو ایسا تاج ترے پاس ہے کہاں؟
 اس ننھے تاجدار کو! دیکھ اے کنول کے پھول! دیکھ اے کنول کے پھول!
 تیری طرح کھلے گا چین زارِ دہریں! چھوٹے پھلے گا گلشنِ اسرارِ دہریں
 اس نہمت بہار کو! دیکھ اے کنول کے پھول! دیکھ اے کنول کے پھول!



عورت اور پھول

(موازنہ)

عورت :-

” معطر ہو رہی ہے کل فضاے گلستاں تجھ سے
 منور ہو رہا ہے ظلمت آ بادِ خزاں تجھ سے
 لطافت تیری رنگت میں، نزاکت تیری نکبت میں
 حقیقت میں عبارت ہے بہار گلستاں تجھ سے
 طلوعِ ماہ جو بس طرح تاریکی صحراییں
 یوں ہی سرمست و روشن ہے صحریم بوستاں تجھ سے
 لگرا دپھول مجھ کو دیکھ کر شاعر یہ کہتے ہیں
 کہ میرے یاسمیں لب ہیں سرا سرارِ غواں تجھ سے
 بنا کیا تجھ میں بھی ہے جلوہ پرور ایسی شادابی!
 جو بھر رنگ و بو کی موج بن کر ہے عیاں تجھ سے
 مری صورت سے بھی کیا ایسی ہی شوخی ٹپکتی ہے
 جو ہے سیلِ بہار و تازگی بن کر رواں تجھ سے
 مرے ہونٹوں پہ بھی ہے کیا تبسم کی یہ گل کاری
 جو انفسِ رنگ کی صورت میں ہے ہستی چکاں تجھ سے

یہ سن کر پھول نے اپنی زبان بے زبانی سے
 کہا "اے رونق بزم بہارِ گلستاں تجھ سے
 سپر نیلگوں پر ہیں ستارے مدح خواں تیرے
 فضا کے باغ میں ہے موجِ بوئے گل رواں تجھ سے
 سہرا پاک شعاعِ حُسن ہے تو بزمِ خُساکی میں
 لطافتِ اخذ کرتا ہے چراغِ آسماں تجھ سے
 یہاں میں زینتِ افروزِ گلستانِ جہاں تو ہے
 عبارت، پیکرِ شادابیِ باغِ جہاں تجھ سے
 نوائے زہرہ گم ہے، تیرے نغموں کی فضاؤں میں
 نزا کرتا سیما ہے خندہ حورِ جہاں تجھ سے
 ترے خوابوں میں تائے رات بھر نہ تارِ بہتے ہیں
 گلستاں میں ہے آغوشِ سحرِ نکہتِ فناں تجھ سے
 تو سازِ دہر کا وہ جاندارِ درستِ نغمہ ہے
 کہ موسیقی کے لب پر سیلِ نغمہ ہے رواں تجھ سے
 افقِ صبح کی پہلی کرن جب مسکراتی ہے
 سبق لیتی ہے بیداری کا روحِ گلستاں تجھ سے
 ترے گیسو کے مشکیں، موجِ نکہت کے شبستاں میں
 ہلکتی ہے فضا کے سادہ آبادِ جہاں تجھ سے

چمن زارِ جہاں میں طوطی رنگیں نوا ہے تو!
 بے زندہ لطفِ عیشِ زندگی کی دستانِ تجھ سے
 کہاں میں اور کہاں تو، ذرہ میں مہرِ درخشاں تو
 جو امرِ واقعی ہے میں وہ کرتا ہوں بیاں تجھ سے
 ترمی صورت تو مجھ سے بڑھ کے شادابی کا پیکر ہے
 بجا ہے گر ہو شرمندہ بہارِ گلستاں تجھ سے
 مجھے اس پر ہزاروں افتخار و ناز ہیں سلمے!
 کہ نسبت دے رہی ہے مجھ کو شاعر کی زباں تجھ سے

ایک عزیز کی شادی پر! سسرال جاتے ہوئے دھا

امید دل میں، نگاہوں میں نور بن کے رہو
 حریمِ روح میں روحِ سرور بن کے رہو
 بہشتِ زارِ معیشت میں حور بن کے رہو

تمہیں نصیب ہوں کُل رحمتیں خدائی کی!
 خدا کی رحمتیں اور راحتیں خدائی کی!

نگاہِ دہریہ میں رنگِ غم سرور بن کے رہو

ہماری دل کی دعا کو قبول ہونا تھا
تم اک کلی تھیں جسے کھل کے پھول ہونا تھا

جہاں رہو، گلِ نور و سرور بن کے رہو

حیاتِ نو کی یہ زرتیں فضا مبارک ہو
عروجِ زندگی کی است۔ مبارک ہو

کمالِ آرزو کے شمعِ طور بن کے رہو

حریمِ زندگی روشن ہو سرِ برہم سے
سوادِ محفلِ عفت ہو جلوہ گر تم سے

جہاں میں ماہِ صفت سیلِ نور بن کے رہو

حیات و حرمت و ہمد و وفا کی جان بنو
حجاب و عصمت و شرم و حیا کی کان بنو

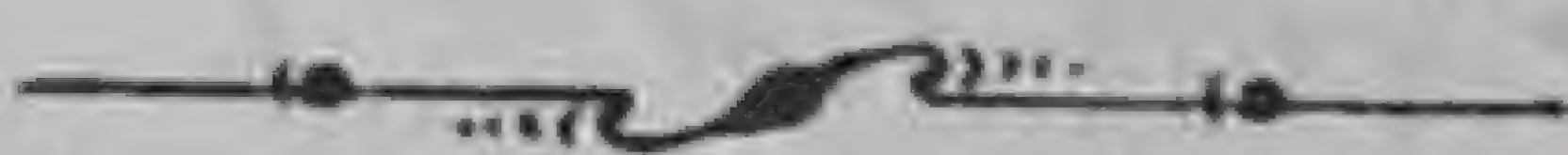
بہارِ حسنِ طرب کا دُور بن کے رہو

نئے عزیز تمہیں رحمتِ خدا سمجھیں
تمہارے سایہ کو بھی سایہ ہما سمجھیں
سحابِ فضلِ خدا کے غفور بن کے رہو

تمہاری ذات سے اپنوں کے دل کو راحت ہو
نہ صرف اپنوں کو غیروں کو بھی مسرت ہو
پریدہ نکمتِ نزدیک و دور بن کے رہو

چمن میں بلبلِ بیدل ترانہ افشاں ہے
کہ ہو عزیزوں سے رخصت خدا نگہاں ہے
نشانِ رحمتِ ربِّ غفور بن کے رہو

منظامِ خستری جب تک شعاعِ بار ہے
تمہارے باغ میں شادابی بہا رہے
دعا ہے سب کے دلوں میں سرور بن کے رہو



عورت اور سید

پردہ برگ گل تر میں ہے نگہت پنہاں
 دل انسان میں ہے جذبِ محبت پنہاں
 ظلمتِ بحر میں ہے گوہرِ رنگیں ستور
 پردہ قبر میں ہے چشمہ شیریں ستور
 حسنِ فطرت ہے گلستاں کی بہاروں میں پنہاں
 نغمہ روحِ فزا ساز کے تاروں میں پنہاں
 لعل پنہاں ہے اگر کان کے گنجینے میں!
 برقِ رخشاں ہے نہاں ابر کے آئینے میں
 جب ہر اک طرفہ لطافت ہو نہاں پردے میں
 پھر بُرا کیا ہے جو غورت ہے نہاں پردے میں

فیدِ عید !!!

فلک پر پھر ہلالِ عیدِ محو نور باری ہے
 فضا سے دہر پر اک جلوہ مستانہ طاری ہے
 افق پر نگہتِ دستی کا اک طوفانِ برپا ہے
 بہارِ رنگ و بو کا چار سو ہیجانِ برپا ہے

ہلالِ عید کے آغوش میں اک حُور بیٹھی ہے
 حریمِ زر میں گویا اک عروسِ نور بیٹھی ہے
 حسین و نازنین کہئے اُسے زہرہ حبیب کہئے
 سراپا پیکرِ مستی بوئے یاس میں کہئے
 تلاشِ نغمہ رنگین میں صرفِ تخیل ہے
 سوادِ شام کے عالم میں مصروفِ تامل ہے
 وہ نغمہ چاہتی ہے جس سے دنیا مست ہو جائے
 اور اس کی مستیوں میں مخیلِ آفاق کھو جائے
 ملی ہے نو بہارِ عیش و عشرت کی نوید اس کو!
 اور اس دنیا کے غم میں کہتے ہیں سب لوگ عید اس کو

شوہر کے تابوت پر

خاک میں چھپ جائے گی صورت تمہاری ہائے ہائے
 میری قسمت میں لکھی تھی یہ بھی خواری ہائے ہائے
 اپنی رخصت کا ابھی سے دل کو گردینا تھا غم
 پہلے کر لینی تھی کچھ دن غم کا ہی ہائے ہائے
 آسمان! ادا آسمان! بیدرد! کچھ انصاف کر
 یہ دل نازک مرا یہ زخم کاری ہائے ہائے

کس لئے مرجھا گئے ہنستے ہوئے ہونٹوں کے پھول
 مرنے والے کیا ہوئی وہ لالہ کاری ہائے
 آہ جن آنکھوں میں بستی تھی تری صورت کبھی
 اب وہی آنکھیں ہیں صرف اشکباری ہائے
 داغ دل کس کو دکھائیں، درد دل کس سے کہیں
 کون سنتا ہے جہاں میں آہ وزاری ہائے
 شمع تربت کی طرح اے کاش میں بھی جل بجھوں
 تیرے غم سے کس قدر ہے شرمساری ہائے

لیکھئے شب

چمن میں لیلائے شب، ہواؤں کی گود میں سوتی آرہی ہے
 بہار کے خوابِ ناز کا خوشگوار پیغام لا رہی ہے
 سفید براق بادلوں کا روپہلی گہوارہ سا بنا ہے !
 افق کی دھندلی فضا بھی جس کے سروپے جگمگا رہی ہے
 سیاہ ساری پہ سینکڑوں زرفشاں ستارے جڑے ہوئے ہیں
 جو اس کے کلفامِ حسم کو اپنی ظلمتوں میں چھپا رہی ہے
 کچھ ایسی دلکش ادائیں برتی گئی ہیں بے باک چٹوڑیوں میں
 فضا کی رنگینوں پہ جیسے کوئی پر سی اڑتی آرہی ہے

کوئی ہو غافل کہ ہوش میں ہو کسی کی پروا نہیں ہے اس کو
 زمیں پہ تارکیاں بھاتی ہوئی دے پاؤں آرہی ہے
 جبیں پہ خاموش اک تبسم لبوں پہ مد ہوش اک ترنم
 کہ جیسے کوئی کلی ہواؤں کی چھڑ سے مسکا رہی ہے
 ہوائیں خاموش ہو چکی ہیں فضا میں مد ہوش ہو چکی ہیں
 مگر وہ اب تک برابر اپنے سکوت کے گیت گارہی ہے
 غرض یونہی سوتی اور سلاتی، نشے پلاتی، ترانے گاتی
 ہوا کی پریوں کے ساتھ اپنی سواری آگے بڑھا رہی ہے
 سرک کے چہرے سے اُس کا اپنچل کمر تاک کھل کے اڑ رہا ہے
 حیا کی تاثیر گھٹ رہی ہے، برہنگی بڑھتی جا رہی ہے
 جو کھل گئی پوری ساری لے لے گا گود میں آفتاب اس کو
 سنہری کرنوں کی روشنی کا ملے گا زریں حجاب اس کو

اندھی لڑکی!

آسمان پر ہیں گھنیر سی بدلیاں چھائی ہوئی!
 نیلگوں پر یاں اڑتی جاتی ہیں گھبرائی ہوئی!
 سارے عالم پر ہے اک گہرا نشہ پھیلا ہوا
 ساری دنیا پر ہے اک دوشیزگی چھائی ہوئی!

ساحل دریا کا منظر کس قدر دلچسپ ہے
 جس پہ گرتی ہے نگاہِ شوق للچپائی ہوئی
 ایک اک ذرہ پہ ہیں رنگینیوں کی بارشیں
 ایک اک پتی پہ ہیں شادابیاں چھائی ہوئی
 اس بہارستان کے دامن میں ہے محضرام
 ایک محرومِ نظر دوشیزہ گھبرائی ہوئی
 سینہ پر معصومیت کا نور، ہنسی کی فریں
 چہرہ پر دوشیزگی کی سرخیاں چھائی ہوئی
 سینہ و بازو پہ عریانی کے جلوے موجزن
 شانہ و گردن پہ کافر زلف بکھرائی ہوئی
 ایک لکڑی کے سہارے ہاتھ میں پانی لئے
 آ رہی ہے ساحلِ دریا سے گھبرائی ہوئی
 چاند سے سینہ میں اک ننھا سادل دھڑکا ہوا
 پھول سے گالوں پہ اک افسردگی چھائی ہوئی
 پاؤں رکھتی ہے کہیں، جلدی میں پڑتا ہی کہیں
 سبزہ پر مچلی ہوئی ٹھوکر ہے گھبرائی ہوئی
 راستے میں سوچتی جاتی ہے دل ہی دل میں لیں
 مجھ پہ نصرت کی یہ کیسی سلم فرمائی ہوئی

آج کے دن کیوں نہ حاصل ہو گئیں آنکھیں مجھے
 آج کے دن کیوں نہ حاصل ان کو بینائی ہوئی
 اک اندھیرے کے سوا کچھ بھی نظر آتا نہیں!
 چار سو ہے دھندلی دھندلی سی گھٹا چھائی ہوئی
 آہ! لیکن یہ ہوا، یہ شام کی ٹھنڈی ہوا!
 کہہ رہی ہے جنگلوں پر ہے بہار آئی ہوئی
 آ رہی ہے ہر طرف سے مست خوشبو کی لپٹ
 وادیاں قدرت نے ہیں پھولوں سے ہرکائی ہوئی
 کاش میں بھی دیکھ سکتی، یہ مناظر ایک یار
 سبزہ دگل کی ہے کیا کچھ محفل آرائی ہوئی
 رات دن، شام و سحر یکساں ہیں سب میرے لئے
 اک سیاہی سی ہے ہر دم ہر طرف چھائی ہوئی
 سنتی ہوں یہ محفل ہستی بہت دلچسپ ہے
 اس کے ہر ذرہ پہ ہیں رنگینیاں چھائی ہوئی
 سنتی ہوں تارے چمکتے ہیں فلک پر رات کو
 جن کی تابانی سے ہیں شمعیں بھی شرمائی ہوئی
 کوئی کہتا ہے زمین سے آسمان تک ہونفعا
 اور اس میں دھندلی دھندلی رنگتیں چھائی ہوئی

میں سمجھتی ہوں کہ ہر سواک دھڑکیں کی نہر ہے
 اور اس میں تیرتی پھرتی ہوں گہرائی ہوئی
 ایک دن کے واسطے آنکھیں جو مل جائیں مجھے
 تو وہ سب کچھ دیکھ لوں جس سے ہوں ترسائی ہوئی
 ہاں، مگر میرے نصیبوں میں نہیں کوئی خوشی
 یوں تو دنیا میں بھی پر لطف فرمائی ہوئی
 میرے مالک! رحم! مجھ کو میری آنکھیں بخش دے
 مجھ سے غافل کیوں تری شانِ مسیحائی ہوئی
 الغرض وہ اس طرح کی آرزو دل میں لے
 جا رہی ہے اپنے گھر کی سمت گہرائی ہوئی

پہلا خط

ایک بیوی کی طرف سے اپنے شوہر کے نام

لیلائے رازِ شوق کا محل ہے ہات میں
 یعنی بجائے خامہ مراد دل ہے ہات میں
 احوالِ دل لکھوں، خلشِ مدعا لکھوں؟
 رکنتی ہوں لفظ لفظ پہ آخر میں کیا لکھوں؟

دل اپنی دھڑکنوں کو چھپا جائے کس طرح
 پہلے پہل کا خط ہے لکھا جائے کس طرح!
 لکھنے کو تو میں لکھتی ہوں تم کو ہزار خط
 لکھ لکھ کے پھاڑ دیتی ہوں پر بار بار خط
 گستاخی کا خیال گر آئے تو کیا کروں؟
 دل شرم سے جو ہات دبائے تو کیا کروں؟
 خط کے خیال نے مجھے تم سے ملا دیا!
 اور میری بے خودی پہ قلم سُکرا دیا!
 پہلے پہل کی مشق کو محسوس ہو جائیے!
 بے ربطی خیال کو معذور جائیے
 مجھ سے بیانِ شوق کو ظاہر کیا بھی جائے
 لکھنے کا حوصلہ ہے مگر کچھ لکھا بھی جائے
 کیا میری بے خودی کا پتہ پا گیا ہے کچھ؟
 کاغذ سے جھک کے میرے قلم نے کہا ہے کچھ
 کہ جائے گا خفا کہ ہنس جائے گا یہ خط
 اللہ! کس نظر سے پڑھا جائے گا یہ خط
 پہلے پہل کے خط میں، میں کیا ماجرا لکھوں
 کہہ دو "یہ کیا لکھا ہے" میں کہتی ہوں "کیا لکھوں"

طاری جو اک ہجوم خیالات دل یہ ہے!
اک ہات میں قلم ہے اور اک ہات دل ہے!

بازی گاہ ہستی

یہ دنیا جو عدم کی خاک کے پتلوں کی بستی ہے
حقیقت میں اگر دیکھو تو بازی گاہ ہستی ہے
بساط اک خاک کی، اُستادِ قدرت نے بچھا دی ہے
ہماری زندگی اک کھیل کی صورت بنا دی ہے
جو تازہ دارد اس بازیچہ رنگیں میں آتا ہے
دماغی روشنی میں اک نہ اک بازی لگاتا ہے
مصنف اپنے ہیجانِ قلم سے کام لیتا ہے
سپاہی اپنی شمشیر و دم سے کام لیتا ہے
مدبر کی دماغی طاقتیں ہوتی ہیں صرف اس میں
مقتن کو بنانے پڑتے ہیں کچھ خاص صرف اس میں
اطبا سارے اگلے پچھلے نسخے یاد کرتے ہیں!
مریض اپنے ہر اک آرام کو برباد کرتے ہیں
مشرابی ناصبیہ سائے درِ سپرِ مغاں ہو کر
موذنِ بادلِ ناخواسۃ، محوِ ازاں ہو کر

معلم چاند پارینہ کتابوں پر نظر رکھ کر
 وکیل از یاد رفتہ چند مجرموں کی خبر رکھ کر
 کسان، ابرو ہوا کے ساتھ محنت کی نمائش سے
 بہادر جنگ میں جوش شجاعت کی نمائش سے
 حصول علم میں جوش و شمع کی صورت پگھلتا ہے
 حقیقت میں اسی بازی کی وہ بھی چال چلتا ہے !
 غرض بازیچہ دُنیا میں جو سیاح آتا ہے
 یونہی ہر ایک اپنی اپنی بازی کھیل جاتا ہے

عورت

حیات و حرمت و ہر وفا کی شان ہے عورت !!
 شباب و حسن و انداز و ادا کی جان ہے عورت
 حجاب و عصمت و شرم و حیا کی کان ہے عورت
 جو دیکھو غور سے ہر مرد کا ایمان ہے عورت
 اگر عورت نہ آتی کل جہاں ماتم کردہ ہوتا
 اگر عورت نہ ہوتی ہر مکان اک غم کردہ ہوتا
 جہاں میں ایک سچے مرد کی تقدیر ہے عورت !
 طلسم عالم بالا کی اک اک سیر ہے عورت !

یہ قدرت میں اک چلتی ہوئی شمشیر ہے عورت

زمین پر فطرتِ معصوم کی تصویر ہے عورت

جہاں میں کرتی ہے شاہی مگر شکر نہیں رکھتی

دلوں کو کرتی ہے زخمی مگر خنجر نہیں رکھتی

کہیں معصوم طفلی اس کے نغموں سے بہلتی ہے

کہیں بے خود جوانی اس کے نوشِ لب سے پھلتی ہے

کہیں مجبور، پیری اس کی باتوں سے سنھلتی ہے

کہیں آرام سے جاں اس کے قدموں پر نکلتی ہے

نہیں ہے کبریا لیکن یہ شانِ کبریائی ہے

ہماری ساری پیاری عمر پر اس کی خدائی ہے

اُسی کی بو ہے دُنیا کے لہکتے غنچہ زاروں میں!

اُسی کا رنگ گلشن کی ہلکتی نو بہاروں میں

اُسی کے نغمے جنت کے مچلتے آبشاروں میں

اُسی کا نور، قدرت کے بہاریں جلوہ زاروں میں

بہارِ آفرینش ہے شبابِ زندگانی ہے!

جواں فطرت کا اک کھویا ہوا خوابِ جوانی ہے!

وہ روتی ہے تو ساری کائنات آنسو بہاتی ہے

وہ ہنستی ہے تو فطرت بے خودی سے مسکراتی ہے

وہ سوتی ہے تو ساتوں آسماں کو نیند آتی ہے
 وہ اٹھتی ہے تو کل خوابیدہ دنیا کو اٹھاتی ہے
 وہی ارمان ہستی ہے! وہی ایمان ہستی ہے!
 بدن کہئے اگر ہستی کو تو وہ جان ہستی ہے!
 وہ چاہے تو الٹ دے پردہ دنیاے فانی کو
 وہ چاہے تو شاد دے جوشِ بزمِ زندگانی کو
 وہ چاہے تو نخلِ زرا حِکمرانی کو!
 وہ چاہے تو بدل دے رنگِ بزمِ آسمانی کو
 وہ کہہ دے تو بہارِ جلوہ مرط جائے نظاروں سے
 وہ کہہ دے تو لباسِ نور چھن جائے ستاروں سے

حسِ معصوم

اور
 اُس کی محافظِ حور

تمام بستی کو آگ اک آتشیں ترانہ سنا رہی تھی!
 فضاے شب گوں میں مہرِ شعلوں کا تند طوفان اٹھا رہی تھی
 مکان ہو یا مکین ہو یہ اک کو اک مرے سے جلا رہی تھی
 بھرکتی، بڑھتی، مچلتی، اٹھتی، ترپتی، لہراتی آرہی تھی

غریب لوگوں کے شور و شیون سے ایک ہنگامہ سا بپا تھا!
 خدا کا قہر ایک آتشیں سیل بن کے گویا اُبل پڑا تھا!
 غرض، جہاں یہ تہیب شعلے ہر اک مرکاں کو جلا چکے تھے
 وہیں کسی خستہ جاں کے گھر کو بھی شعلہ ساماں بنا چکے تھے
 لکیں تھے جتنے وہاں ہر اک کا چراغ ہستی بھلا چکے تھے
 بس ایک تنہی سی جاں تھی جس پر ابھی وہ قابو نہ پاسکے تھے
 ادھر سے شعلوں میں گھر رہی تھی، ادھر سے شعلوں میں گھر رہی تھی
 یہاں وہاں، گرتی پڑتی، دیوانہ دار کمرے میں پھر رہی تھی
 وہ اس کا معصوم و سادہ حسن اور وہ اس کا چہرہ گلاب کا سا
 وہ کچھ سلی کنول سی آنکھیں وہ ان میں نشہ شراب کا سا
 وہ اس کی مہوت بے حجابی، وہ اس پر عالم حجاب کا سا
 وہ اس کی شاد آب کم سنی اور وہ اس کا نقشہ شباب کا سا
 وہ بال حن پرگماں تھا، اُن سے ہزاروں راتیں جھلک پڑیں گی
 وہ لب کہ ہر دم خیالی ہوتا تھا اب شرابیں جھلک پڑیں گی!
 وہ اک پر ہی تھی کہ آسماں سے کوئی ستارہ اچھل پڑا تھا
 کہ خلد کا کوئی پھول، اس تیرہ خاک داں میں پھل پڑا تھا
 شراب کوثر کا جاندار اک حسین قطرہ ابل پڑا تھا
 کہ ذہن فطرت سے اک اچھوتا خیال باہر نکل پڑا تھا!

یقیناً ایسی کہ شاعر ہنگِ فکر کا مُنتہا بنا لیں!
 اور اس کے آگے بڑھیں تو مجھ کو خبر نہیں کیا سے کیا بنالیں
 غرض کہ قسمت جب اس کو ان ہولناک شعلوں میں کھینچ لائی!
 تنائے غصہ سے کانپا ٹھے زمین و ہشت سے غمِ تفرانی
 یہ دیکھ کر دستِ ابرِ رحمت نے اپنی دریا دلی دکھائی
 اشارہ پا کر بہشت سے ایک ماہِ تمثال اڑ کے آئی!
 خیال کی آنکھ دیکھتی ہے کہ آگ ساری بجھی پڑی ہے!
 اور ایک لڑکی کو حورِ آغوشِ ناز میں لئے کھڑی ہے!

ایک سہیلی کا پیغام

دوسری کے نام

کیوں نہ رہ رہ کے اٹھے دل سے فغاں تیرے بغیر
 میری عذرا دشمنِ جاں ہے جہاں تیرے بغیر
 باغِ صحرا بن گئے اور پھول کاٹے ہو گئے
 جنتِ لاہور ہے وقفِ خزاں تیرے بغیر
 ایک دن لاہور تھا، سارا جہاں میرے لئے
 آج سہے بے کیف یہ سارا جہاں تیرے بغیر

پیاری عذرا دور ہی سے اک نگاہ التفات

کر رہا ہے ظلم ہم پر آسمان تیرے بغیر
تیری قربت، مایہ تسکینِ دل تھی، اے سکھی!

پھر ستاتا ہے ہمیں دورِ زماں تیرے بغیر
کون لے جائے ہمیں تیری طرح اصرار سے

کون جائے بہرِ سیر گلستاں تیرے بغیر
چاندنی راتوں میں جاتے ہیں پہاڑی پر مگر

کاٹے کھاتا ہے پہاڑی کا سماں تیرے بغیر
کس قدر بے تاب ہے قلبِ حنین تیرے لئے

کس قدر مضطرب ہے جانِ ناتواں تیرے بغیر
آ! بنا لوں زندگی کو نغمہ زارِ انبساط

زندگی ہے دردِ آبادِ فغاں تیرے بغیر
پچھلے وعدے یاد کر، پچھلی وراثتیں یاد کر

بے وفا! کب تک رہوں محوِ فغاں تیرے بغیر
رہ گزر پر ناز سے اب پھول برسائے گا کون؟

کیا کریں اب جا کے سوئے گلستاں تیرے بغیر
جا کے کہہ دینا سبک، سارا بن سرِ مد سے صبا

غرقِ موجِ غم ہے، دل کا کارواں تیرے بغیر

چاک ہونے کو ہے دامن بہارِ زندگی
 تاک میں ہے خارِ مرگ ناگہاں تیرے بغیر
 وادی سرحد کے اونچم سیاحت آشنا
 زندگی ہے ایک خواب رائگاں تیرے بغیر
 آہ تیرے، بحر سے پہلے کسے معلوم تھا!
 یوں ستائے گا یہ ظالم آسماں تیرے بغیر
 میری عذرا سے خدا را کوئی اتنا جا بے!
 نور ہے ہیں ہر باں، ناہر باں تیرے بغیر
 بے مروت! تو نہ بھیجے بھول کر بھی خط کبھی
 اور جدائی کی سہیں ہم سخلتیاں تیرے بغیر
 دن کو ہیں بے تابیاں، راتوں کو ہیں بخوابیاں
 مرثیے تیرے بغیر، اے جانِ جاں تیرے بغیر
 کیوں یہ خیالِ حقی کے لب ہوں شکوہ سنج دردِ غم
 کر رہا ہے تنگ دور آسماں تیرے بغیر

مَامَتَا

وہ جذبہ جو نائی جذبوں کا منتہا ہے
 دُنیا میں نام اس کا اک ماں کی مامتا ہے

آغوشِ ناز گنجِ اقبال سے بھرا ہے
یا خوابِ روحِ مستِ تعبیر، مور ہا ہے

رہ رہ کے مانتا کا اظہار کر رہی ہے
بے تاب، مور ہی ہے اور پیار کر رہی ہے

جذباتِ مادی کا اعجاز کہئے اس کو
روحانیت سے لبریز اک ساز کہئے اس کو
حوا کے سوزِ جاں کی پرواز کہئے اس کو
فطرت کے دردِ دل کی آواز کہئے اس کو

الفت کی انتہائیں چہرے پہ چھا گئی ہیں!
دل کی امیدیں کھنچ کر چہرے پہ آ گئی ہیں!

جو تو نہال نہیبِ آغوشِ مدعا ہے!
اک پاک رازِ بن کر سینے میں رہ چکا ہے!
اب بھی مگر یہ عالم اک ماں کے پیار کا ہے!
گویا وہ راز اس کے دل ہی میں سورا ہے!

دیوانہ دار اس کے گالوں کو چومتی ہے
آنکھوں کو چومتی ہے، بالوں کو چومتی ہے

دنیا یہی ہے اور اس کی دین بھی یہی ہے
 پہلوئے سادگی کی تزئین بھی یہی ہے
 غم ہائے زندگی میں تسکین بھی یہی ہے
 ہاں ماں کی مامتا کا آئین بھی یہی ہے

بچے سے خوش پران کے خوابوں میں کھو رہی ہے
 اک آنکھ ہنس رہی ہے اک آنکھ رو رہی ہے

چاندنی رات میں

مغلیہ شہزادیوں کی چوکان بازی

حصارِ دہلی پہ ماہِ تاباں بساطِ سمیں بچھا رہا ہے
 کہ آسماں سے کوئی فرشتہ، زمیں پہ موتی لٹا رہا ہے
 افق کی دھندلی فضاؤں میں کوئی مریں گرداڑا رہا ہے
 زمین کا چپہ چپہ پارے کی ندیوں سے نہا رہا ہے
 جگہ جگہ، آسمان پر، خوشنما ستارے جڑے ہوئے ہیں
 ادھر کوئی جھلملا رہا ہے! ادھر کوئی جھلگا رہا ہے
 ہواؤں کے ہلکے ہلکے نغمے، کچھ اس اداسے بکھرے ہیں
 کہ جیسے کوئی تھکا ہوا گلنے والا کچھ گنگنا رہا ہے

وہ دیکھو! چوگان بازی میں محو مغلیہ شاہزادیاں ہیں
جو دیکھ لے شاعران کے چہرے تو بول اٹھے شاہزادیاں ہیں

ہوا میں تیزی سے اس طرح اپنا اپنا گھوڑا بڑھا رہی ہیں
کہ جیسے پریاں، زمیں سے اڑ کر دیارِ انجم کو جا رہی ہیں
یہ ان کی اٹھتی جواتیاں ہیں، جوانیاں ہیں دیوانیاں ہیں
کہ حسن کی کچھ کہانیاں ہیں، جو ذہنِ شاعر پہ چھا رہی ہیں
حسین پھولوں کے دامنوں پر نشہ میں لہرا رہے ہیں کالے
کہ ان کی کافر سوا دزل فیس لٹک کے شانوں پہ آ رہی ہیں
پڑی ہے سبزہ کے فرش پر ایک ملگجی گیند جس کے پیچھے
وہ اپنے گھوڑے اڑا رہی ہیں، ادا سے چوگان بڑھا رہی ہیں

یہ گیند ہے یا ابھر رہا ہے حسین چہروں پہ تل کسی کا!
کہ گڑ پڑا ہے محلِ کران کی سیاہ زلفوں سے دل کسی کا!

عید!

دنیا کو ایک عرصہ سے تھا انتظارِ عید

شکرِ خدا کہ پھر نظر آئی بہارِ عید

دوڑی خوشی کی لہر گ کائنات میں

ہر ذرہ سے محلِ پڑا کیفِ بہارِ عید

بھڑی ہوئی سہیلیاں یوں ملتے ہیں گلے !

ہو جس طرح کہ عید کوئی ہمکنار عید

دنیا سرور و نور کی لہروں میں غرق ہے

کس درجہ جا نغز ہے نسیم بہار عید

معصوم بچے جاگتے ہیں کس خوشی سے آج

گویا کہ ہیں ملائک شب زندہ و ابر عید

کوثر لٹاتی آتی ہیں مستانہ بدلیاں !

کہ تشنہ لب رہے نہ کوئی میگسار عید

رحم لے ہوئے صبح ! غریب ! وطن ہیں ہم

ہم کو سنانہ مژدہ بے اختیار عید

تاروں کی بستی !

قمر پاروں کی بستی ہے

کہ گلزاروں کی بستی ہے

حسین و ناز نہیں ہوگی

نمک خواروں کی بستی ہے

قمر کی تاج پوشی میں

طرحداروں کی بستی ہے

نثار اب آور میں ڈوبی ہوئی تاروں کی بستی ہے

بہشت حسن کے بکھرے ہوئے ہاروں کی بستی ہے

پر مئی فطرت اک دوشیزہ زہرہ جیسے ہوگی !

یہ اس کے قصر رنگیں کے نگہداروں کی بستی ہے

حسینانِ فلک، مصروف ہیں جلوہ سر دشی میں

دیارِ کہکشاں کے شوخ رفتاروں کی بستی ہے

فضاؤں میں مقدس مستیاں سی چھائی جاتی ہیں ہوائیں مسکراتی ہیں
خرابات الہیّت کے سرشاروں کی بستی ہے یہ میخواروں کی بستی ہے

بانسری کی آواز!

برسات کا یہ موسم یہ نیلگوں گھٹائیں!
یہ باغ و بہن کا عالم یہ گل نشاں فضا میں
یہ رُس بھری ہوائیں

یہ رنگ و بو کے طوفاں یہ برج کے نظارے
یہ جنتی خسیاں جہنما کے یہ کنارے

یہ سین پیارے پیارے

دامان گلستاں میں! یہ سبزہ کی بہاریں
آغوش آسماں میں! یہ بگلوں کی قطاریں

یہ مینہ کی پھواریں

یہ کونلوں کی کوکُو! یہ مور کی صدائیں!
یہ نازنین آہو! اور یہ غریب گائیں!

یہ نشہ گوں فضا میں

سبزہ نکھر رہا ہے! وادی مہک رہی ہے
نشہ بکھر رہا ہے! بلبیل چہک رہی ہے!

فطرت بہک رہی ہے

ٹھہر رہا مگر یہ آواز دیکھو! کہاں سے آئی
یہ نکھٹ فسون ساز کس گلستاں سے آئی
کس آسماں سے آئی

یہ بانسری کی لے ہے یہ جان بے خودی ہے
یہ نغمہ ساز مے ہے یہ کان بے خودی ہے

ایمان بے خودی ہے

اس بانسری کی لے میں اللہ کیا اثر ہے!
اس اڑنے والی مے میں کیا سحر کار گر ہے!
جو ہے وہ بے خبر ہے

یہ کون اس سے میں! بنسی پہ گار رہا ہے!
اس درجہ مستائے میں بنسی بجا رہا ہے!
نغمے سنار رہا ہے

دیکھو! تو پاس چل کر! شاید ہے کوئی جوگی!
یا گاؤں سے نکل کر! آیا ہے کوئی روگی!
سنار کا بروگی

شاید کوئی رشی ہے سنپاس کی لگن میں
شاید کوئی مُنی ہے مصروف کیرتن میں

توحید کے بھجن میں

ہاں آؤ پاس چل کر! پوچھیں کہ نام کیا ہے
تلوؤں سے آنکھیں مل کر پوچھیں کہ کام کیا ہے

اس کا پیام کیا ہے

ٹھہرو بازرائگا ہیں پہچانتی ہیں اس کو
قدرت کی جلوہ گاہ ہیں سب جانتی ہیں اس کو

اور مانتی ہیں اس کو

ہاں ہاں یہ بنسی والا چو کی نظر ہمار ہی!
گجرات کا گوالا! ہے کرشنا مراری!

اور آرزو ہمار ہی

کیا چشم سر لگیں پر! فتنے اُبھر رہے ہیں
اور وکشیں نازیں پر! گیسو بکھر رہے ہیں

پھر بٹی کسور رہے ہیں

اک جوتی سردی میں بنسی بج رہا ہے!
دنیا بے خودی میں فتنے اُٹھا رہا ہے!

محشر جگا رہا ہے!

بنسی میں سے پریشاں! نغمے مچل رہے ہیں
یا سینکڑوں گلستاں کروٹ بدل رہے ہیں

اور پھول اگل رہے ہیں
 دنیا پہ اس کی نئے سے مد ہوشی چھا گئی ہے
 گہرا کے اس نشے سے (جو وہ لٹا گئی ہے)
 خود فطرت آگئی ہے
 یہ نغمے سن کے فطرت کھوئی سی جا رہی ہے
 موسیقیِ محبت! کے زخم کھا رہی ہے
 اور سُکرا رہی ہے!

عیادت

ایک دفعہ سلمیٰ بیمار ہوئیں، تو خستہ نے یہ منظم خط لکھا

تندرستی کا گام کیا ہے شکایت کیا ہے
 میری بیمار بنا تو تری حالت کیا ہے
 عشق بیمار ہی ہے اور کتنی حبیب بیمار ہی
 کیا خبر بے خبروں کو کہ یہ لذت کیا ہے
 ساری دنیا کے مریضوں کو شفا دے یا رب!
 آج احساس ہوا ہے کہ علالت کیا ہے

رودے جب بھی سنی درد بھری کوئی خبر
 درد ہی درد ہے یارب کہ طبیعت کیا ہے
 ان کی صحت کی خبر آئے گی جلد آئے گی!
 دلِ ناداں تجھے آخر کو یہ وحشت کیا ہے
 سامنے ہوں تو خدا کر دیں دل و جاں ان پر
 ہم نہیں جانتے اختر کہ عیادت کیا ہے

سَآلِ لَکَرہ!

اختر کے دوست نیر و اسطی کے بچہ کی سالگرہ پر یہ نظم لکھی گئی ہے۔

سنار ہی ہے نوید بہار سالگرہ
 مسرتوں کی ہے پروردگار سالگرہ
 زبک سالگرہ ہے میان سکندر کی
 بجایے کیے سکندر و قار سالگرہ
 سمار ہی ہے نگاہوں میں بن کے عالم کیف
 سار ہی ہے دلوں میں بہار سالگرہ
 دیارِ قدس سے آئی ہے حور کی صورت
 سترتیں لئے بہرِ نثار سالگرہ

خوشی کے پھول برسنے لگے فضاؤں سے
 لٹا رہی ہے بہشت و بہار سالگرہ
 خوشی سے پھولے سماتے نہیں ہیں خور و کلاں
 بڑھا رہی ہے ہر اک دل میں پیار سالگرہ
 اسی فروغ سے تا حشر بار بار آئے !
 دعائیں کرتی ہے یہ بار بار سالگرہ
 دعا ہے غم سکندر کا رشتہ محکم !
 اسی بہار سے دیکھے ہزار سالگرہ
 خوشی سے رقص کریں مل کے ساقی و اختر
 پلا رہی ہے مئے خوشگوار سالگرہ

رونی کا شانہ آگئی

نیرواسلی کی بیوی اوز پچی رخسانہ کی واپسی پر جو ناراض ہو کر چلی گئی تھیں

دل کا سکون لئے ہوئے رخسانہ آگئی
 نیتر گدے میں رونی کا شانہ آگئی
 بھوپال کی خبر ہے کہ بھادج بھی آگئیں
 بھائی کے گھر میں عشرت جانا نہ آگئی

اپنے پرائے آج محبت سے خوش ہوئے
 ہر ایک کو گماں ہے کہ سلطانہ آگئی
 بھائی گئے تھے لینے فقیرانہ جس کو وہ
 لاہور میں یہ شوکت شاہانہ آگئی
 آنے کا ان کے سب کو ہوا سن کے خیال
 وہ جانِ کعبہ، روحِ صنم خانہ آگئی
 نیر کے دل کو آج نہ ہو کس طرح خوشی
 وہ رشکِ صدِ پری دہری خانہ آگئی
 ماننا خلوص میں ہوئی جو کچھ ہوئی کمی
 شمعِ خلوص کی دہی پروانہ آگئی
 ہر چند تھی تحفا، مگر اظہارِ شوق پر
 بھانج ہمارے خستہ دیوانہ آگئی



ختم شد



ALLAMA IQBAL LIBRARY



24556

24556

24-1-59



**ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN.**